اذاقۃ الآثام لمانعی عمل المولد والقیام
میلاد و قیام
تصنیف
رئیس المتکلمین علامہ مفتی نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ
(ت ۱۲۹۷ھ)
مع حاشیہ
برشاقۃ الکلام فی حواشی اذاقۃ الآثام
امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ
(ت ۱۳۴۰ھ)
تحقیق و ترتیب
مفتی محمد اسلم رضا میمن شیوانی تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ
دار اہل السنہ
دار الفقیہ
للنشر والتوزیع
DAR AL FAQIH

اِذاقۃ الآثام لِمانعی عمل المولدِ والقِیام

تصنیف

رئیس المتکلمین علامہ مُفتی نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ

(ت ۱۲۹۷ھ)

مع حاشیہ

رَشاقۃُ الکلام فی حواشی اِذاقۃِ الآثام

امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

(ت ۱۳۴۰ھ)

تحقیق و ترتیب

مُفتی محمد اسلم رضا میمن شیوانی تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام کتاب: إذاقة الأثام لمانعِي عمل المولِد والقِيام

مع حاشية رَشاقة الكلام في حواشي إذاقة الأثام

مصنّف: رئیس المتکلمین علامہ مفتی نقی علی خان علیہ الرحمۃ

حاشیہ: امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ

تحقیق: محمد اسلم رضا شیوانی ۔ ہنگورو عبد الرزاق قادری

محمد کاشف محمود ہاشمی - محمد امجد اعوان

تعداد صفحات: ۳۰۴

سائز: 24 x 18

تعداد: ۱۱۰۰

ناشر: ادارۂ اہل سنّت، کراچی

dar_sunnah@yahoo.com

طباعتِ اوّل
۲۵/۰۲/۱۴۲۹ھ
۰۴/۰۳/۲۰۰۸ء

طباعتِ ثانی
امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف، انڈیا
۱۰/۰۹/۱۴۲۹ھ
۱۰/۰۹/۲۰۰۸ء

طباعتِ ثالث
۰۲/۱۱/۱۴۳۷ھ
۰۶/۰۸/۲۰۱۶ء

ISBN:
978-9948-02-191-9

فہرست

مقدمہ

از: مفتی محمد اسلم رضا شیوانی تحسینی

رئیس المتکلمین حضرت علامہ نقی علی خاں صاحب کی حیات و شخصیت

انیسویں[1] صدی کا ابتدائی دور ہندوستانیوں اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے انتہائی پُر آشوب دَور تھا، مسلمانوں میں نئی نئی تحریکیں جنم لے رہی تھیں، جو مسلمانوں کو کافر و مشرک اور بدعتی بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مسلمان زبردست کشمکش کا شکار تھے، ایک طرف پوری ملتِ اسلامیہ مذہبی خانہ جنگی کا شکار تھی، کفر و شرک و بدعت کے شور و غوغا سے پورا مذہبی ماحول گرد آلود تھا، دوسری جانب انگریز، مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے اپنے اقتدار کے مواقع بڑھا رہے تھے، یہ ماحول مسلمانوں کے لیے انتہائی کس مپُرسی کا تھا، مسلمانوں کے نامورَ علماء اور دانشوروں میں سے بیشتر جہادِ آزادی میں کام آگئے تھے، اور جو باقی تھے وہ اس مذہبی اور سیاسی بحران سے ملتِ اسلامیہ کو بچانے میں مصروف ہو گئے۔

اس مسلم مخالف طوفان کو روکنے کے لیے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جسے علومِ نقلیہ و عقلیہ دونوں میں پوری دست گاہ حاصل ہو، اور تمام علوم و فنون میں ممتاز مقام رکھتا ہو، جو ایک جانب توحید کی شمع روشن کرے، تو دوسری جانب فخرِ کون و مکاں ﷺ کی محبت و وارفتگی کا پرچم لہرائے، اور نئی نئی مسلم کش تحریکوں کا منہ توڑ جواب دے سکے۔

انیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آخری سال میں ایک ایسی ہی گراں مایہ اور عبقری شخصیت نے اس دنیائے آب و گِل میں قدم رکھا جسے عالمِ اسلام رئیس المتکلمین مولانا مفتی نقی علی خاں کے نام سے جانتا ہے۔

امام العلماء مولانا مفتی رضا علی خاں صاحب کے فرزند مولانا نقی علی خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت جُمادی الآخرہ کے آخری دن یا رجب کی چاندرات ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو بریلی کے محلہ ذخیرہ میں ہوئی۔

---

(۱) رئیس المتکلمین کے یہ حالات ڈاکٹر محمد حسن صاحب کی تالیف بعنوان: "مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ حیات اور علمی و ادبی کارنامے" (مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی ۱۴۲۶ھ) سے اختصاراً ماخوذ ہیں۔

آپ نے جملہ علوم وفنون کی تعلیم اپنے والدِ ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں سے حاصل کی، آپ ایامِ طفولت سے ہی پرہیزگار اور متقی تھے؛ کیوں کہ آپ امام العلماء مولانا رضا علی خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیرِ تربیت رہے، جو نامور عالم اور عارف باللہ بزرگ تھے، جن کی پرہیزگاری کا جوہر مولانا نقی علی خاں کو ورثہ میں ملا تھا، اور پھر بفضلِ الٰہی میلانِ طبع بھی نیکی کی طرف تھا، مولانا نقی علی خاں علم وعمل کے بحرِ ذخار تھے، آپ کی ذات مرجعِ خلائق وعلماء تھی، آپ کی آراء واقوال کو علمائے عصر ترجیح دیتے تھے، کثیر علوم میں تصنیفات مطبوعہ وغیر مطبوعہ آپ کے علم وفضل کی شاہد ہیں۔

مولانا نقی علی خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا، آپ کے تبحرِ علمی کا اعتراف آپ کے ہم عصر علماء نے بھی کیا، آپ عالمِ اسلام کی اُن مقدس ترین شخصیتوں میں سے ہیں جنھوں نے تاحیات علم وعرفان کے دریا بہائے۔ آپ نے زبان وقلم کے ذریعہ اِشاعتِ دین اور ناموسِ رسالت کے لیے جہادِ پیہم کیا۔ آپ کے علم وفضل کی شہادت کے لیے آپ کی تصانیف شاہد عادل ہیں۔ عوام وخواص کی رُشد وہدایت کے لیے آپ کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں اور کئی کئی صفحات پر بھاری ہوتے تھے۔

ایک بار امام احمد رضا فاضلِ بریلوی نے نہایت پیچیدہ مسئلہ کا حکم بڑی کوشش وجانفشانی سے لکھا، اور اُس کی تائید مع تنقیح آٹھ اَوراق میں جمع کیں، جب امام احمد رضا خان نے اپنا لکھا ہوا فتویٰ مولانا نقی علی خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کیا تو مولانا نے کوئی ایسا جملہ بتایا جس سے یہ سب ورق رَد ہو گئے، اس طرح کے جملوں کا اثر خود اعلیٰ حضرت مجدّد امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ میں: "وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک اُن کا اثر باقی ہے"[1]۔

مولانا نقی علی خاں کے علم وفضل، اُن کے تبحرِ علمی اور جامعیت کا اندازہ امام احمد رضا کی اس ہدایت سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے اپنے شاگرد مولانا احمد اشرف کچھوچھوی کو کی تھی، امام احمد رضا بیان فرماتے ہیں: "ردِّ وہابیہ اور اِفتاء یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے، ان

---

(۱) "الملفوظ" حصہ اوّل، ص ۴۷۔

میں بھی طبیبِ حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے میں بھی ایک حاذق طبیب (مولانا نقی علی خاں) کے مطب میں سات ۷ برس بیٹھا"[1]۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم وعرفان کا مخزن، اور رشد وہدایت کا شاہکار نظر آتے ہیں، قلمی طور پر آپ نے دینِ مبین کے لیے جو کارنامے انجام دیئے وہ رہتی دنیا تک آپ کے علم وفضل کی شہادت دیتے رہیں گے۔

اولاد

حضرت علاّمہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں تین ۳ صاحبزادے اور تین ۳ صاحبزادیاں ہیں، صاحبزادگان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان (۲) استاذِ زمن حضرت مولانا حسن رضاخان (۳) حضرت مولانا محمد رضاخان۔

حضرت مولانا نقی علی صاحب کے مشہور تلامذہ

حضرت مولانا نقی علی صاحب کے مندرجہ ذیل تلامذہ مشہورِ زمانہ ہوئے:

۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا
۲) استاذِ زمن مولانا حسن رضا
۳) مولانا برکات احمد
۴) مولانا ہدایت رسول لکھنوی
۵) مفتی حافظ بخش آنولوی
۶) مولانا حشمت اللہ خاں
۷) مولانا سیّد امیر احمد بریلوی
۸) مولانا حکیم عبد الصمد

بیعت وخلافت

حضرت مولانا نقی علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے صاحبزادے امام احمد رضافاضل بریلوی اور مولانا عبد القادر بدایُونی صاحب کے ہمراہ ۵ جُمادی الآخرہ ۱۲۹۴ھ کو خانقاہِ برکاتیہ مارَہرَہ شریف حاضر ہوئے، اور حضرت شاہ آلِ رسول قادری برکاتی مارَہرَوی رحمہ اللہ تعالی سے شرفِ بیعت حاصل کیا، امام احمد رضاخاں

---

(۱) "الملفوظ" حصہ اوّل، ص ۴۷۔

بھی حضرت شاہ آلِ رسول کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، اسی مجلس میں شاہ صاحب نے دونوں افراد کو خلافت و جملہ اجازات سے سرفراز فرمایا۔

اجازت و سندِ حدیث

حضرت مولانا نقی علی صاحب کو سندِ حدیث مندرجہ ذَیل چار سلسلوں سے حاصل تھی:

۱) حضرت شاہ آلِ رسول مارَہروی سے، اور وہ اپنے جلیل القدر مشائخ سے بیان کرتے ہیں، جن میں شاہ عبدالعزیز محدّثِ دہلوی بھی ہیں، اور وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی سے جو کثیرُ العلم اور قویُ الفہم محدّث ہیں۔

۲) اپنے والد امام العلماء مولانا محمد رضا علی خاں صاحب سے، وہ مولانا خلیل الرحمن محمود آبادی سے، وہ فاضل محمد سندَیلوی سے، اور وہ ابوالعیاش محمد عبد العلی سے۔

۳) حضرت سیّد احمد زَینی دَحلان مکّی سے، اور وہ شیخ عثمان دمیاطی سے۔

۴) مولانا نقی علی صاحب کو حضرت شیخِ محقق مولانا عبدالحق دہلوی کی طرف سے بھی حدیثِ مسلسل بالاوّلیت کی سند حاصل تھی۔

معمولاتِ دینی و دنیاوی

کتب بینی:

حضرت علاّمہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کتب بینی کا بہت شوق تھا، آپ کا بیشتر وقت دینی کتابوں کے مطالعہ میں گزرتا تھا، آپ کے مطالعہ کا طریقہ یہ تھا کہ جس کتاب کو پڑھتے، اوّل تا آخر پڑھتے، درمیان میں نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ کے وسعتِ مطالعہ کا اندازہ آپ کی تصنیفات سے لگایا جاسکتا ہے، مثلاً آپ نے "الكلام الأوضح في تفسير سوره أَلَمْ نشرح" میں ستاسی ۸۷ سے زیادہ کتابوں کے حوالے دیئے ہیں، جس سے آپ کی علمی و دینی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فتویٰ نویسی:

تیرھویں صدی ہجری میں حضرت علاّمہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ ماجد امام العلماء حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں سرزمینِ بریلی پر مسندِ افتاء کی بنیاد رکھی، اور

چونتیس ۳۴سال تک فتویٰ نویسی کا کام بحسن وخوبی انجام دیا، امام العلماء نے اپنے فرزند سعید حضرت علاّمہ نقی علی صاحب کو خصوصی تعلیم دے کر مسندِ افتاء پر فائز کیا، مولانا نقی علی خاں نے مسندِ افتاء پر رونق افروز ہونے کے بعد سے ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا، بلکہ معاصر علماء وفقہاء سے اپنی علمی بصیرت کا لوہا منوالیا۔

حضرت رئیس المتکلمین نے طویل عرصہ تک ملک وبیرونِ ملک سے آنے والے سوالات کے جوابات انتہائی فقیہانہ بصیرت کے ساتھ فی سبیل اللہ تحریر کیے، مولانا کے فتاویٰ کا مجموعہ تیار نہ ہوسکا، اس لیے اُن کی فتویٰ نویسی پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی جاسکتی، لیکن مختلف علوم وفنون پر آپ کی مطبوعہ وغیر طبوعہ تصانیف آپ کے علم وفضل کی شاہد ہیں۔ آپ کے اقوال وآراء کو علمائے عصر سند تسلیم کرتے تھے، اور اپنے فتاویٰ پر مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق لازمی وضروری سمجھتے تھے، آپ کے پاس عام طور پر فتاوے تصدیقات کے لیے آتے تھے، آپ انتہائی احتیاط سے کام لیتے، اگر جوابات صحیح ہوتے، دستخط کرکے مہر ثبت کردیتے، اور اگر جواب غلط ہوتے تو علیحدہ کاغذ پر جواب لکھ دیتے، کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے تھے، اس بارے میں مفتی حافظ بخش آنولوی لکھتے ہیں:

"مولوی صاحب ممدوح (مولانا نقی علی خاں) کو کسی کی تکفیر مشتہر کرنے سے کیا غرض تھی نہ ان کی یہ عادت، مسائل جو مہر کے واسطے آتے ہیں اگر صحیح ہوتے ہیں مہر ثبت فرماتے ہیں، اور جو خلافِ کتاب ہوتے ہیں، جواب علیحدہ سے لکھ دیتے ہیں، کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے"[1]۔

تصنیف وتالیف:

حضرت علاّمہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کتب بینی، فتویٰ نویسی، درس وتدریس، عبادت وریاضت، خدماتِ دینی وملی کے علاوہ تصنیف وتالیف سے بھی بہت شغف تھا، تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ اپنے دَور میں نادر روزگار تھے، اور جامعیّت علوم میں ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے، آپ کو متعدد

---

(۱) "تنبیہ الجہّال بالہام الباسط المتعال" ص ۲۳۔

علوم پر دسترس حاصل تھی، آپ نے اردو زبان کو اپنی گراں قدر تصانیف سے مالا مال کیا، آپ نے مختلف علوم و فنون اور موضوعات پر کتابیں لکھیں، خاص طور پر سیرتِ نبوی، اصلاحِ مُعاشرہ، تعلیم و تعلّم، علمِ مُعاشرت، تصوّف وغیرہ موضوعات و مسائل پر نہایت جامع اور بلند پایہ تصانیف قلم بند کی ہیں۔

آپ کے خلفِ اکبر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے چھبیس ۲۶ کتابوں کا ذکر فرمایا ہے، اور باقی کتابوں کے مُسوّدات ملے ہیں، جن کے اوّل و آخر یا وسط سے اَوراق غائب ہیں، اس طرح سے ایک اندازہ کے مطابق آپ نے چالیس ۴۰ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

آپ کی بیش بہا تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات میں طبع نہ ہو سکیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالی نے آپ کو علم و فضل کی دَولت کے ساتھ اِستغناء کی دَولت سے بھی مالا مال فرمایا تھا، جس وقت کچھ علماء اپنے علم کو جنسِ تجارت بنا کر برطانوی حکّام سے نذرانے وصول کر کے، اور دَولت مندوں سے چندہ لے کر اپنے عقائد و نظریات کی ترویج و اِشاعت کر رہے تھے، اُس وقت مولانا نقی علی خاں رضی اللہ تعالی عنہ کی غیرتِ دینی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے ہم مسلک اور معتقدین رؤسا کے پاس جانا بھی منظور نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی مذہبی تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات میں زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔

درس و تدریس

حضرت علاّمہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ عالم اور اپنے وقت کے بے مثال فقیہ تھے، آپ نے درس کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، آپ کی شخصیت من حیث التدریس مشہور تھی، طلبا دُور دُور سے آپ کے پاس اکتسابِ علم کے لیے آتے، آپ بہت ذَوق و شَوق کے ساتھ طلبا کو تعلیم فرماتے، حضرت علاّمہ قوم کی فلاح و بہبود کے لیے دینی تعلیم کو لازمی قرار دیتے، حضرت علاّمہ کو مسلمانوں کی علمِ دین کی جانب سے لاپرواہی پر بہت تشویش تھی، چنانچہ آپ نے دینی تعلیم کے فروغ کے لیے بریلی میں "مدرسۂ اَہلِ سنّت" قائم فرمایا۔

مدرسۂ اَہلِ سنّت کا قیام

حضرت علاّمہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک بریلی میں مختلف علمائے کرام اِنفرادی طَور پر دینی و مذہبی تعلیم دیتے رہے، جن میں مولانا ہدایت علی فاروقی اور مولانا یعقوب علی کے نام قابل ذکر ہیں، مولانا ہدایت علی بریلوی، بریلی کے محلّہ قردلان کے ساکن تھے، اور علاّمہ فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے،

آپ نے "مدرسۂ شریعت" کے نام سے بریلی میں ایک مدرسہ قائم کیا، جس میں آپ دینی تعلیم دیتے تھے، اکبر حسین کمبوہ کی بیوی نے بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا، وہ تنہا اس مدرسہ کے مصارف برداشت کرتی تھیں، بریلی میں یہ پہلا دینی مدرسہ تھا، مدرسہ میں شہر کہنہ کے رئیس مولانا یعقوب علی نے بھی کچھ عرصہ تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔

ان مدارس کے باوجود بریلی میں کوئی اَیسا مدرسہ نہ تھا جو باقاعدہ تعلیم دے سکتا، اس لیے حضرت علاّمہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کوٹھی رحیم داد خاں واقع محلہ گلاب نگر، بریلی میں "مدرسۂ اہلِ سنّت" کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ تلاش وجستجو کے باوجود مدرسہ کے قیام کی سن وتاریخ کا کوئی دستاویزی ثبوت حاصل نہیں ہوسکا، مدرسہ کے مصارف عوام کی مدد وتعاوُن سے پورے ہوتے تھے۔

حضرت رئیس المتکلّمین رحمۃ اللہ علیہ درس وتدریس سے خاص شغف رکھتے تھے، مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے، آپ علمِ معقول ومنقول پر پوری دسترس رکھتے تھے، مولانا کے شغف اور علم وفضل کے کمال کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا کے ہم عصر اور دوست نوّاب نیاز احمد خاں ہوشؔ لکھتے ہیں:

"مَولوی صاحب سلّمہ تعالی (مولانا نقی علی خاں) کا گلِ اسلام تازہ رنگ لایا، یعنی اکثر اشخاص کو تعلیمِ علم کا شَوق دلاتے ہیں، اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف فرماتے ہیں، ہنگامِ کلام کا دریا بہ جاتا ہے، العالم إذا تکلّم فھو البحرُ وتموّج (عالم جب گفتگو کرتا ہے تو علم کے سمندر میں غَوطہ لگاتا ہے) کا مضمون انہیں کی ذاتِ مجمع حسَنات پر صادق آتا ہے۔ کسی علم میں عار نہیں، ہر علم میں دخل معقول ہونا بجز عنایتِ باری نہیں، اور خیر میں اپنی اوقاتِ عزیز صرف کرنے میں دشواری نہیں، مسائلِ مشکلہ معقول نے ان کے سامنے مرتبہ حضوری پایا، منقول میں بدوں حوالہ آیت اور حدیث کلام نہ کرنا ان کا قاعدہ کلی نظر آیا۔ ان کے حضور اکثر منطقی اپنے اپنے قیاس وشعور کے مطابق صغرائے ثنا اور کبرائے مدح شکل بدیہی الانتاج بنا کر دعویٰ توصیف کو ثابت کر دکھاتے ہیں، آخر الامر نتیجہ نکالتے وقت یہ شعر زبان پر لاتے ہیں:

کیا عجب مدرسہ علم میں اس عالم کے

شمس آکر سبق شمسیہ پڑھتا ہو اگر (۱)

ہوش

عبادت وریاضت

حضرت علاّمہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ زبردست عالم، مفتیِ وقت، فقیہِ عصر، پابندِ شرع اور عابدِ شب بیدار تھے، ہر وقت باوضو رہتے، نمازِ باجماعت کے پابند تھے، اور قلب درود شریف کا ذاکر رہتا۔ روزے پابندی سے رکھتے تھے، آپ کی زندگی کا ہر شعبہ اِتباعِ سنّت کے انوار سے منوّر تھا، طبیعت ناساز ہوتی تب بھی نماز باجماعت مسجد ہی میں ادا فرماتے، فرض روزوں کے علاوہ اکثر نفل روزے بھی رکھتے۔ تصنیفی، تبلیغی اور علمی مصروفیات کے باوجود آپ نہ صرف فرائض وواجبات، بلکہ نوافلِ مستحبہ، اوراد ووظائف، اور ارشادِ شعبہ جات عبادت کو محیط تھے۔

اَخلاق وعادات

حضرت علاّمہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق وعادات بہت عمدہ تھے، پوری زندگی عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اتباعِ سنّت میں گزری، اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تھے، سلام کرنے میں ہمیشہ سبقت کرتے، قبلہ کی طرف کبھی پاؤں نہ کرتے، اور نہ کبھی قبلہ کی طرف تھوکتے تھے۔ غربا ومساکین اور طلبہ کے ساتھ انتہائی شفقت کے ساتھ پیش آتے، اور اکثر اُن کی مالی مدد بھی کرتے۔ علماء وطلباء کا بہت احترام کرتے تھے، اِن کے آنے پر بہت خوش ہوتے۔ انتہائی خوش مزاج اور بااَخلاق تھے، غرور وتکبر نام کو نہ تھا، خدام اور ملازمین سے بہت خوش اخلاقی سے پیش آتے، خدا کی رضا کے لیے خدمتِ دین آپ کا مشغلہ تھا، کسی غرض یا ذاتی مفاد کا معمولی شائبہ بھی نہ تھا۔

---

(۱) "سرور القلوب بذکر المحبوب" تقریظ برعایتِ گلزار، ص۶۔

عشقِ رسول ﷺ

عشقِ رسول ﷺ ہی عشقِ الٰہی کا ذریعہ ہے، عشقِ رسول کے بغیر بندہ عشقِ الٰہی سے محروم رہتا ہے، عاشقِ رسول کا سینہ جتنا عشقِ رسول سے معمور رہتا ہے، اتنا ہی عبادات وطاعت میں حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ حضرت علاّمہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تاجدار کائنات ﷺ سے سچا عشق تھا، مولانا کے ہر قول وفعل سے عشقِ رسول کی جھلک نمایاں تھی، آپ حضور نبی کریم ﷺ کے زبردست گرویدہ اور اُن کے عشق میں وارفتہ تھے، سفر میں ہوں یا حضر میں، گھر ہوں یا عوام کے عظیم اجتماع میں، ہر جگہ سنّتِ رسول کی اتباع کی ترغیب وتلقین میں مصروف ومشغول رہے۔ کبھی غیر ضروری گفتگو نہیں فرمائی، آپ تمام عمر پورے عالم کو اتباعِ نبوی ﷺ میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے۔ عوام ہوں یا علماء، حاجتمند ہوں یا سرمایہ دار، دانشور ہوں یا کم عقل، سب کے سامنے آپ کی گفتگو کا موضوع حضور نبی کریم ﷺ کا عشق ومحبت ہوتا، اور اتباع کی تلقین ہوتی۔

ایک بار مولانا نقی علی خاں بیمار ہوگئے جس کی وجہ سے کافی نقاہت ہوگئی۔ محبوب ربّ العالمین ﷺ نے فدائی کے جذبۂ محبت کی لاج رکھی اور خواب ہی میں ایک پیالے میں دوا عنایت فرمائی جس کے پینے سے اِفاقہ ہوا اور وہ جلد ہی رُو بصحت ہوگئے۔

مجاہدِ جنگِ آزادی

حضرت علاّمہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ملک میں انگریز اقتدار سے شدید نفرت تھی، آپ نے تاحیات انگریزوں کی سخت مخالفت کی، اور انگریزی اقتدار کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے، وطنِ عزیز کو انگریزوں کے جبر واستبداد سے آزاد کرانے کے لیے آپ نے زبردست قلمی ولسانی جہادی خدمات انجام دیں، اس بارے میں چندہ شاہ حسینی لکھتے ہیں: "مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ انگریزوں کے خلاف لسانی وقلمی جہاد میں مشہور ہوچکے تھے، انگریز مولانا کی علمی وجاہت ودبدبہ سے بہت گھبراتا تھا، آپ کے صاحبزادے مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ بھی انگریزوں کے خلاف جہاد میں مصروف تھے، مولانا نقی علی خاں کا ہند کے علماء میں بہت اونچا مقام تھا، انگریزوں کے خلاف آپ کی عظیم قربانیاں ہیں"۔

ملک سے انگریزوں کو نکال باہر کرنے کے لیے ہند کے علما نے ایک جہاد کمیٹی بنائی، انگریزوں کے خلاف عملاً جہاد کا آغاز کرنے کے لیے جہاد کمیٹی نے جہاد کا فتویٰ صادر کیا، اس جہاد کمیٹی میں امام العلماء مولانا رضا

علی خاں، علامہ فضلِ حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا نقی علی خاں بریلوی، مولانا شاہ احمد اللہ شاہ، مولانا سیّد احمد مشہدی بدایونی ثم بریلوی، جنرل بخت خاں وغیرہا کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا نقی علی خاں انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے پہنچاتے تھے، آپ نے اپنی انگریز مخالف تقاریر سے مسلمانوں میں جہاد کا جوش وولولہ پیدا کیا، بریلی کا جہاد کامیاب ہوا، انگریزوں کو مسلمانوں نے شکست دی، اور بریلی چھوڑنے پر مجبور کردیا۔

شہیدِ محبت کا سفرِ آخرت

حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خونی اِسہال کے عارضہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء کو وصال ہوا، علماء نے اس کو شہادت سے تعبیر کیا، آپ کے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں کے پہلو میں محو استراحت ہوئے۔ امام احمد رضا خاں فاضل بریلی آپ کے آخری لمحات کا اس طرح بیان کرتے ہیں:

"سَلخ ذی القعدہ روزِ پنج شنبہ وقتِ نمازِ ظہر ۱۲۹۷ ہجریہ قُدسیہ کو اکیاون ۵۱ برس پانچ ۵ مہینے کی عمر میں بعارضۂ اسہالِ دَموی شہادت پاکر شبِ جمعہ اپنے حضرت والدِ ماجد قدّس سرہ کے کنار میں جگہ پائی"[1]۔

---

(۱) "جواہر البیان فی أسرار الارکان" مختصر حالات حضرت مصنف علام قدّس سرہ الملک المنعام، ص ۱۰۔

تعارُف کتاب "إذاقة الأثام لمانعِي عمل المولِد والقِيام"

یہ کتاب میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے موضوع پر اردو میں لکھی جانے والی اوائل کتب میں سے ایک لاجواب تصنیف ہے، اس کے مطالعے سے مصنف علام رئیس المتکلمین مولانا نقی علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تبحرِ علمی اور وسعتِ مطالعہ کا خوب اندازہ ہوتا ہے، آپ نے اس کتاب میں میلادِ مصطفیٰ کے جواز کے علاوہ بدعت کی تعریف، اقسام اور اس کے اطلاقات پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے کہ شاید اس جمع و ترتیب کے ساتھ مبحثِ بدعت کہیں اور نہ مل پائے۔

اس کتاب کی اَہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اعلی حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی متعدد تصانیف میں اس کی طرف اشارہ فرمایا، خاص طور پر اُن مقامات پر جہاں بدعت وغیرہ ہَفواتِ وہابیہ کی بحث ذکر فرمائی، نیز اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس پر ایک وقیع حاشیہ بھی تحریر فرمایا، جس کا نام "رَشاقة الكلام في حواشي إذاقة الأثام" رکھا۔

عرصہ دراز سے اس کتاب کی تلاش وجستجو جاری تھی، یہاں تک کہ رئیس المتکلمین کی شخصیت وخدمات کے عنوان سے پی-ایچ-ڈی کرنے والے ڈاکٹر حسن صاحب نے بھی اپنے مقالہ میں اس تالیف مبارک کا ذکر کرکے لکھا کہ: "یہ کتاب عنقاونایاب ہے"[1]، مگر بحمدہٖ تعالی اس کا ایک نسخہ حضرت مولانا محمد حنیف رضوی صاحب دامت برکاتہ العالیہ کی وساطت سے کسی درد مند کو میسر آیا، اور اس کا فوٹو لے کر الجامعة الأشرفيّة مبارکپور اعظم گڑھ کے طلبائے درجۂ فضیلت کے حصہ میں اس مبارک رسالہ کی اِشاعت وطباعت کی سعادت آئی، فقیر اپنے سفرِ ہندوستان ۲۰۰۶ء میں اس کی زیارت سے فیضیاب ہوا، اس طباعتِ جدیدہ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا فوٹو اُس نسخے سے لیا گیا ہے جو حضرت امام احمد رضا کے

---

(۱) "علاّمہ مولانا نقی علی خان حیات اور علمی وادبی کارنامے" باب چہارم مولانا نقی علی خان کی تصانیف کا تحقیقی وتنقیدی تجزیہ، ص۱۸۸۔

اہتمام سے مطبع اَہلِ سنّت بریلی سے شائع ہوا تھا، جیسا کہ خود اعلیٰ حضرت نے اپنے والدِ گرامی کے مختصر حالات میں اس کتاب کی بابت فرمایا کہ "اِن شاءاللہ عنقریب شائع ہوگی"۔

پھر جب کتاب فقیر کو میسر آئی تو اسی وقت نیّت کر لی تھی کہ اس کی اِشاعت جدید کتابت، تخریجِ نصوص، اور ترتیبِ جدید کے ساتھ کروں گا، مگر چونکہ "ردّ المحتار" ("فتاویٰ شامی") پر امام احمد رضا کی تعلیقات "جدّ الممتار" کی خدمت میں مصروف رہا، اس لیے اس کتاب کی باری نہ آسکی۔ اب چونکہ ماہ ربیع الانور قریب ہے، اور کتاب کا عنوان بھی اس مبارک مہینے سے خاص مناسبت رکھتا ہے، لہٰذا اس کی اِشاعت پر ہمّت باندھ لی، اور اب یہ کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہے، والحمد للہ ربّ العالمین!۔

یہاں ایک بات بتاتا چلوں کہ ہمیں کتاب کا جو نسخہ میسّر آیا اس میں متن وحاشیہ کی کچھ عبارات غیر مقروء تھیں، لہٰذا اُن مقامات پر وضاحتی نوٹ لگادیا گیا تھا، نیز مذکورہ نسخے سے صفحات ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۱۲۷ اور ۱۲۸ میسّر نہ آسکے، اس کے علاوہ آخر میں بھی کچھ عبارت ناقص ہے جس کی مقدار ہمیں نہیں معلوم، لیکن اس کتاب کی طباعت اوّل ۱۴۲۹ھ/۲/۲۵ بمطابق ۲۰۰۸ء/۴/۳ کے بعد لاہور سے مولانا ابرار ومولانا نعیم صاحبان کی طرف سے مزید ایک نسخہ ملا جو پہلے نسخے کی نسبت زیادہ واضح اور صاف ہے، جس سے کئی غلطیوں کی تصحیح کے ساتھ ساتھ کچھ مقامات کی عبارات بھی واضح ہوئیں جو پچھلی طباعت میں غیر مقروء تھیں، اس پر ہماری ٹیم اُن حضرات کی بے حد شکر گزار ہے، نیز اس کتاب کی تکمیل ہونا اب بھی باقی ہے، لہٰذا برائے کرم! اگر کسی صاحب کو اس کتاب کا کوئی کامل نسخہ میسّر آئے تو ہمیں بھی اس کی زیارت سے فیضیاب فرمائیں؛ تاکہ ہم اپنے اس نسخے کی تکمیل کر پائیں، فجزاہ اللہ خیراً في الدّنیا والآخرۃ!۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ حاشیہ کی عبارت میں جہاں لفظ: "اعلیٰ حضرت" آیا ہے، وہاں امام احمد رضا مراد نہیں، بلکہ آپ کے والد گرامی حضرت رئیس المتکلّمین مفتی نقی علی صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ مراد ہیں، نیز امام احمد رضا کے حواشی کی علامت یہ ہے کہ آپ کے ہر حاشیہ کے آخر میں حضرت عالمِ اہلسنّت وغیرہ تحریر ہے۔

ادارۂ اَہلِ سنّت کی جانب سے اس رسالہ کی اِشاعت درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہے:

۱) جدید کمپوزنگ۔

۲) صحت وضبطِ عبارت کا اَشدّ اہتمام۔

۳) تخریجِ آیاتِ قرآنیہ، واحادیثِ شریفہ، ونصوصِ علماء۔

۴) فہرستِ مضامین، وآیات واحادیث، ومآخذ ومراجع۔

۵) پیرا بندی، کاماز، فُل اسٹاپ وغیرہ کا اہتمام۔

۶) طویل عبارات کی تقریبِ فہم کے لیے ہلالَین () کا استعمال۔

چونکہ ادارۂ اہلِ سنّت کی طرف سے تخریجِ آیات واحادیث ونصوص کا کام امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حواشی میں بھی انجام دیا گیا ہے، لہٰذا تخاریج وغیرہا کو تسلسلِ عبارت ہی میں اس طرح کے بریکٹ [ ] میں اندارج کیا گیا ہے؛ کہ حاشیہ علی الحاشیہ ہمارے لیے مشکل تھا۔

نیز خود امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے حواشی پر مزید تعلیقات رقم فرمائی ہیں، چنانچہ وہ بھی اسی طرح کے بریکٹ [ ] میں درج کردی گئی ہیں۔

ان تمام اہتمامات کے باوجود بتقاضائے بشری غلطی کا اِمکان باقی ہے، لہٰذا اس اِشاعتِ جدیدہ کے اُمورِ حسَنہ ہمیں اِس مبارک کام کی توفیق بخشنے والے پروردگارِ عالَم جلّ جلالہ کے فضلِ عمیم سے ہیں، اور اس میں پائی جانے والی اَغلاط فقیر اور اس کی ٹیم کی طرف منسوب ہیں، لہٰذا ہر مخلص وہمدرد سے التجاء ہے کہ ان اَغلاط کی نشاندہی فرماکر ممنون وماجور ہوں۔ وصلّى الله تعالى على حبيبه الكريم، وعلى آله وصحبه أفضل الصّلاة والتسليم، والحمد لله ربّ العالمين.

دعاگو ودعاجو

محمد اسلم رضا شیوانی تحسینی

۲ ذی القعدۃ ۱۴۳۷ھ

بسم الله الرحمن الرحیم

مِیلاد و قِیام

بسم الله الرّحمن الرّحیم

نحمده ونصلّي على رسوله الكريم

مختصر حالاتِ حضرت مصنف علام قُدّس سرہ ملک المنعام

بقلم: اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجددِ دین وملت امامِ اہلِ سنّت

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

وہ جناب فضائلِ مآب، تاج العلماء، رأس الفضلاء، حامیٔ سنّت، ماحیٔ بدعت، بقیۃ السلف، حجّت الخلف رضي الله تعالى عنه وأرضاه، وفي أعلى غرف الجنان بوّاه سلخ جُمادی الآخرہ یا غرّۂ رجب ۱۲۴۶ھ قُدسیہ کو رَونق اَفزائے دارِ دنیا ہوئے، اپنے والدِ ماجد حضرت مولائے اعظم، جرِ عظمطم، فضائل پناہ، عارف باللہ، صاحبِ کمالاتِ باہرہ و کراماتِ ظاہرہ، حضرت مولانا مَولوی محمد رضا علی خاں صاحب روّح اللهُ روحه ونوّر ضريحه سے اکتسابِ علوم فرمایا، بحمد اللہ منصب شریف علم کا پایۂ ذروۂ عُلیا کو پہنچایا، "راست میگویم و یزدان نہ پسند وجز راست" کہ جو دقّتِ اَنظار، وحِدّتِ افکار، وفہم صائب، ورائے ثاقب حضرت حق جلّ وعلا نے انہیں عطا فرمائی، اِن دیار واَمصار میں اس کی نظیر نظر نہ آئی، فراستِ صادقہ کی یہ حالت تھی کہ جس معاملہ میں جو کچھ فرمایا وہی ظہور میں آیا، عقلِ معاش ومعاد دونوں کا بروجہِ کمال اجتماع بہت کم سنا، یہاں آنکھوں دیکھا۔

علاوہ بریں سخاوت وشجاعت وعلوِّ ہمّت وکرم ومُروّت وصدقاتِ خفیہ ومبرّاتِ جلیہ وبلندیٔ اِقبال ودَبدَبہ وجلال ومُوالاتِ فقراء، اور امرِ دینی میں عدمِ مُبالات باغنیاء، حکّام سے عُزلت، رزقِ مَوروث پر قناعت وغیر ذلک فضائلِ جلیلہ وخصائلِ جمیلہ کا حال وہی کچھ جانتا ہے جس نے اس جناب کی برکتِ صحبت سے شرف پایا ہے، "این ز بحریست کہ در کوزہ تحریر آید"۔

مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس ذاتِ گرامی صفات کو خالق عزّوجلّ نے حضرت سلطانِ رسالت علیہ أفضل الصلاۃ والتحیہ کی غلامی وخدمت اور حضورِ اقدس کے اعداء پر غلظت وشدّت کے لیے بنایا تھا، بحمد اللہ اُن کے بازوئے ہمت وطنطنۂ صَولت نے اس شہر کو فتنۂ مخالفین سے یکسر پاک کر دیا، کوئی اتنا نہ رہا کہ سر اُٹھائے

یا آنکھ ملائے، یہاں تک کہ ۲۶ شعبان ۱۲۹۳ھ کو مناظرۂ دینی کا عام اعلان مسمّٰی بنام تاریخی "اصلاحِ ذات بین" طبع کرایا اور سوا مہرِ سکوت، یا عارِ فرار، وغوغائے جہال، وعجز واضطرار کے کچھ جواب نہ پایا۔

فتنۂ شش مثل کا شعلہ کہ مدت سے سر بفلک کشیدہ تھا، اور تمام اَقطارِ ہند میں اَہلِ علم اُس کے اِطفاء پر عرق ریزو گرویدہ، اِس جناب کی ادنی توجہ میں بحمد اللہ سارے ہندوستان سے اَیسا فرو ہوا کہ جب سے کان ٹھنڈے ہیں، اَہلِ فتنہ کا بازار سرد ہے، خود اس کے نام سے جلتے ہیں۔ مصطفی ﷺ کی یہ خدمت روزِ اَزَل سے اس جناب کے لیے ودیعت تھی، جس کی قدرے تفصیل رسالہ "تنبيه الجهّال بإلهام الباسط المتعال" میں مطبوع ہوئی، وذلك فضل الله يؤتيه مَن يشاء.

تصانیف شریفہ اِس جناب کی سب علومِ دین میں ہیں، نافعِ مسلمین ودافعِ مفسدین، والحمد لله ربّ العالمين، از اں جملہ "الكلام الأوضح في تفسير سورة ألم نشرح" کہ مجلد کبیر ہے، علومِ کثیرہ پر مشتمل، "وسيلة النَّجاة" جس کا موضوع ذکرِ حالاتِ سیّدِ کائنات ہے ﷺ مجلد وسیط، "سُرور القلوب في ذكر المحبوب" کہ مطبع نَولکشور میں چھپی، "جواهر البيان في أسرار الأركان" جس کی خُوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، ع

ذوق این می نشناسی بخدا تا نہ چشی

فقیر غفر اللہ تعالی لہ نے صرف اس کے ڈھائی صفحوں کی شرح میں ایک رسالہ مسمّٰی بہ "زواهر الجِنان من جواهر البيان" بلقب بنامِ تاریخ "سلطنة المصطفى في مَلَكُوت كلّ الوَرى" تالیف کیا۔

"أصول الرَّشاد لقَمع مَباني الفساد" جس میں وہ قواعد ایضاح واِثبات فرمائے جن کے بعد نہیں مگر سنّت کو قوت اور بدعتِ نجدیہ کو مَوتِ حَسرت، "هداية البريّة إلى الشّريعة الأحمديّة" کہ دس ۱۰ فرقوں کا رَد ہے، یہ کتابیں مطبع صبحِ صادق سیتاپور میں طبع ہوئیں، "إذاقة الأثام لمانعي عمل المولد والقيام" کہ اپنی شان میں اپنا نظیر نہیں رکھتی، اور إن شاء الله العزيز عنقریب شائع ہوگی۔

"فضل العلم والعلماء" ایک مختصر رسالہ کہ بریلی میں طبع ہوا، "إزالة الأوهام" ردِّ نجدیہ، "تزكية الإيقان ردّ تقوية الإيمان" کہ یہ عشرۂ کاملہ زمانۂ حضرت مصنّف قدس سرہ میں تبیض پاچکا۔

"الكواكب الزّهراء في فضائل العلم وآداب العلماء" جس کی تخریجِ احادیث میں فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے رسالہ "النّجوم الثواقب في تخريج أحاديث الكواكب" لکھا، "الرّواية الرويّة في الأخلاق النّبوية"، "النقادة النقويّة في الخصائص النّبوية"، "لمعة النَّبراس في آداب الأكل واللّباس"، "التمكّن في تحقيق مسائل التزيّن"، "أحسن الوِعاء لآداب الدّعاء"، "خير المخاطَبة في المحاسبة والمراقبة"، "هداية المشتاق إلى سير الأنفس والآفاق"، "إرشاد الأحباب إلى آداب الاحتساب"، "أجمَل الفكر في مباحث الذِّكر"، "عين المشاهدة لحسن المجاهدة"، "تشوُّق الأداة إلى طريق محبّة الله"، "نهاية السعادة في تحقيق الهمّة والإرادة"، "أقوى الذريعة إلى تحقيق الطريقة والشّريعة"، "ترويح الأرواح في تفسير سورة ألم نشرح".

ان پندرہ ۱۵ رسائل ما بین وجیز ووسیط کے مُسوِدّات موجود ہیں جن کی تبییض کی فرصت حضرت مصنف قدس سرہٗ نے نہ پائی، فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ کا قصد ہے کہ انہیں صاف کر کے ایک مجلد میں طبع کرائے، ان شاءاللہ سبحانہ وتعالیٰ، ع

کہ حلوا بہ تنہا نبایست خورد

ان کے سوا اور تصانیف شریفہ کے مسوّدے بستوں میں ملتے ہیں مگر منتشر، جن کے اجزاء اوّل، آخر یا وسط سے گم ہیں، ان کے بارے میں حسرت ومجبوری ہے، غرض عمر اس جناب کی ترویجِ دین وہدایتِ مسلمین ونکات اعداء وحمایتِ مصطفی ﷺ میں گزری، جزاه الله من الإسلام والمسلمين خير جزاء، آمین!.

پنجم ۵ جُمادی الأولی ۱۲۹۴ھ کو مارَہرَہ مطہّرہ میں دستِ حق پرست حضرت آقائے نعمت، دریائے رَحمت، سیّد الواصلین، سند الکاملین، قطبِ اوانہ، وامامِ زمانہ، حضور پر نور سیّدنا ومرشدنا، مولانا وماٰوانا، ذُخرتی لیومی وغدی، حضرت سیّدنا سیّد شاہ آلِ رسول احمدی، تاجدارِ مسندِ مارَہرَہ رضي الله تعالى عنه وأرضاه، وأفاض علينا من بركاته ونعماه پر شرفِ بیعت حاصل فرمایا، حضور پیر ومرشدِ برحق نے مثالِ خلافت واجازتِ جمیع سلاسل وسندِ حدیث عطا فرمائی، یہ غلام ناکارہ بھی اُسی جلسہ میں اِس جناب کے طفیل اِن برکات سے شرفیاب ہوا، والحمد للہ ربّ العالمین۔

۲۶ شوّال ۱۲۹۵ھ کو باوجود شدّتِ علالت وقوّتِ ضَعف خود حضورِ اقدس سیّدِ عالم ﷺ کے خاص طَور پر بلانے سے کہ «مَن رآني في المنام فقد رآني»[1] عزمِ زیارت وحجِ مصمم فرمایا، یہ غلام اور چند اصحاب وخدّام ہمراہِ رکاب تھے، ہر چند احباب نے عرض کی کہ یہ حالت ہے، آئندہ سال پر ملتوی فرمائیے، ارشاد کیا: مدینہ طیّبہ کے قصد سے قدم دروازہ سے باہر رکھ لوں، پھر چاہے رُوح اُسی وقت پرواز کر جائے، دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد میں تندرستوں سے کسی بات میں کمی نہ فرمائی، بلکہ وہ مرض ہی خود نبی ﷺ کے ایک آب خورہ میں دوا عطا فرمانے سے کہ «مَن رآني فقد رأى الحقّ»[2] حدِ منع پر نہ رہا۔

وہاں حضرت اجلّ العلماء، اکمل الفضلاء، حضرت مولانا سیّد احمد زَینی دَحلان شیخ الحرم وغیرہ علمائے مکّہ معظّمہ سے مکرّر سندِ حدیث حاصل فرمائی، سلخ ذی القعدہ روزِ پنجشنبہ وقتِ ظہر ۱۲۹۷ ہجریہ قُدسیہ کو اکیاون ۵۱ برس پانچ ۵ مہینے کی عمر میں بعارضۂ اِسہالِ دَموی شہادت پاکر شبِ جمعہ اپنے حضرت والد ماجد قدّس سرّہٗ کے کنار میں جگہ پائی، إنّا لله وإنّا إليه راجعون.

روزِ وصال نمازِ صبح پڑھ لی تھی، اور ہنوز وقتِ ظہر باقی تھا کہ انتقال فرمایا، نزع میں سب حاضرین نے دیکھا کہ آنکھیں بند کیے متواتر سلام فرماتے تھے، جب چند اَنفاس باقی رہے ہاتھوں کو اعضائے وضو پر یوں پھیرا گویا وضو فرماتے ہیں، یہاں تک کہ استنشاق بھی فرمایا، سبحان اللہ! وہ اپنے طَور پر حالتِ بے ہوشی میں نمازِ ظہر بھی ادا فرماگئے۔ جس وقت روحِ پُر فتوح نے جدائی فرمائی، فقیر سرہانے حاضر تھا، واللہ العظیم! ایک نُورِ ملیح عَلانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اُٹھ کر برقِ تابندہ کی طرح چہرہ پر چمکا، اور جس طرح لمعانِ خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے، یہ حالت ہوکر غائب ہوگیا، اس کے ساتھ ہی رُوح بدن میں نہ تھی۔

پچھلا کلمہ کہ زبانِ فیض ترجمان سے نکلا، لفظ "اللہ" تھا وبس، اور اخیر تحریر کہ دستِ مبارک سے ہوئی بسم الله الرّحمن الرّحيم تھی کہ انتقال سے دو روز پہلے ایک کاغذ پر لکھی تھی، بعدہ فقیر نے حضور پیر ومرشد برحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رؤیا میں دیکھا کہ حضرت والد قدّس سرّه الماجد کے مرقد پر تشریف لائے، غلام

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب التعبير، باب مَن رأى النّبي ﷺ في المنام، ر: ٦٩٩٤، صـ١٢٠٦.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب التعبير، باب مَن رأى النّبي ﷺ في المنام، ر: ٦٩٩٧، صـ١٢٠٧.

نے عرض کی: حضور یہاں کہاں؟ أو لفظاً هذا معناه فرمایا: "آج سے" یا فرمایا: "اَب سے ہم یہیں رہا کریں گے" رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً!.

ذهب الذين يعاش في أكنافهم

وبقيت في ناسٍ كجلد الأجرَب

ليهن رعاء النّاس وليفرح الجهل

بعدك لا يرجو البقا مَن له عقل

اللهمّ ارحمها، وارض عنها، وأكرِم نزلها، وأفض علينا من بركاتها، آمين برحمتك يا أرحم الرّاحمين! وصلّى الله تعالى على سيّدنا ومولانا محمّد وآله وصحبه أجمعين، آمين!.

مقدّمة المؤلّف

بسم الله الرّحمن الرّحيم

الحمد لله الغفور الوَدود، والصّلاة والسّلام على أحمد محمود، وأكرَم مَولود، وأسعَد مسعود، وآله وصحبه الأنجم السعود، سبحان الذي أرسل رسولَه بالحقّ والهُدى، وخصّه بالمقام المحمود، والشَّفاعة الكُبرى، لا مثلَ له في الورى، وله المَثل الأعلى، فهو سَند الأنبياء والمرسَلين، وآدم فمَن دونه تحت لوائه يوم الدِّين، مولِدُه عيد، وذِكرُه سعيد، والصّادُّ عن ذِكره طريدٌ بعيد، والقائم بتعظيمه رشيدٌ حميد، صلّى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه نجوم الهداية واليقين، وعلينا معهم أجمعين، آمين!.

"قال وأفاد عمادُ الرَّشاد، ختامُ المحقّقين، إمامُ المدقّقين، حجّةُ الخَلَف، بقيّةُ السَّلَف، حاميُ السُّنن السَّنيّة، ماحيُ الفِتن الدَّنيّة، أعلمُ علماء العالَم، آيةُ الله تعالى وبركةُ رسوله ﷺ سيّدُنا ومولانا العلاّمة الأبجَل، الفهّامةُ الأجلّ الشأن، المولوي محمّد نقي علي خانْ، المحمّدي السُنّي الحنفي القادري البرَكاتي البَرَيلْوِي قدّس اللهُ سرَّه، وأتمّ نورَه، وأكرم نزلَه، ونوّر منزلَه، ولا أضلّنا بعْدَه، ولا حرمنا أجرَه، آمين!".

اِن ایام میں کہ ہنگامِ غربتِ اسلام ہے، حضراتِ وہابیہ وفرقۂ نجدیہ کو انکارِ مجلسِ مَولدِ سیّدِ اَنام علیه أفضل الصّلاة والسّلام پر نہایت اِصرار، اور علمائے دین وفضلائے متقدّمین ومتاخّرین یہاں تک کہ اپنے شُیوخ ومستندین کی گمراہی وجہالت کا (صرف اس جُرم پر کہ مجلسِ مَولد کو مانتے اور مستحب ومندوب جانتے ہیں) صاف صریح اقرار ہے، ملّتِ جدیدہ کے واعظین اس امرِ خیر باعثِ نزولِ صدرحمت ومنتجِ ہزارانِ ہزار برکت کے مٹانے میں ہمہ تن مصروف، اور نئی امّت کے متکلّمین اس عملِ مبارک کو (کہ عمدۂ مستحبات وبہترین مندوبات سے ہے) بدعتِ سیئہ ٹھہرانے میں اس درجہ مشغوف کہ رسائل تالیف

کر کے فرضی علماء کی طرف نسبت کرنا اپنے خیالاتِ خام اَوروں کے سر دھرنا، غلط حوالے دینا، علماء اور کتابوں کے نام بنا لینا، قرآن وحدیث میں تصرّفِ معنوی ولفظی، بہتان وافتراء پردازی، اور اسی طرح کی صدہا بیباکیاں راہِ دین میں عیاری وچالاکیاں کرتے ہیں، خلق سے شرم نہ خدا ورسول سے ڈرتے ہیں، ہر چند علمائے اَہلِ سنّت نے شکر الله مساعیهم الجمیلة اِزالۂ منکَر ودفعِ فساد وشر میں بہت سعی فرمائی، لیکن اکثر رسائل فارسی اور دقائقِ عِلمیّہ پر مشتمل تھے، اُن کی تحریر کما ینبغي عوام کی سمجھ میں نہ آئی، لہٰذا فقیر مستجیر بذَیلِ نبیِ بشیر ونذیر علیه صلاة الملِك القدیر باوجود قلّتِ فرصت وکثرتِ اَعراض وہجومِ ہموم وشدّتِ اَمراض یہ مختصر ایک مقدمہ اور دو۲ باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل، اور مضامین سریع الفہم کو متضمن اردو سلیس میں مرتَّب، اور "إذاقة الأثام لمانعِي عمل المولِد والقيام" سے ملقّب کرتا ہے، والله المو فّق للسّداد، ومنه الهداية إلى سبيل الرَّشاد.

مقدمہ تحقیق معنیٔ بدعت میں

بعونہ تعالی ہم نے اپنے رسالہ مسمّٰی بہ "أصول الرّشاد لقمع مَباني الفساد" میں بکمالِ تحقیق وتدقیق نئے طریق سے (جس میں بشرطِ حق پسندی وانصاف دوستی کسی مخالف کو بھی مجالِ بحث نہیں) ثابت کیا ہے، کہ احادیثِ خیر الاَنام علیہ أفضل الصلاۃ والسلام واقوال وافعالِ صحابۂ کرام ومجتہدینِ اسلام، اور علمائے دین کے کلام میں غَور کرنے اور تطبیق دینے سے رنگ ظہور پاتا ہے کہ لفظِ بدعت شرع میں دو۲ معنی پر آتا ہے:

معنیٔ اوّل۱: مخالف ومُزاحم ومُعارِض ومُصادِمِ سنّت، مثلاً حکمِ شرع کے بر خلاف کرنا، اور جس امر کی خوبی شرع سے ثابت ہے اُسے بُرا، یا جس کی برائی ظاہر اُسے اچھا سمجھنا، بدعت بایں معنی کے ضلالت ہونے میں شک نہیں، احادیث میں (کہ بدعت کی شناعت اور بدعتی پر وعید وارد) یہی معنی مراد، اور باعتبار اسی معنی کے خَوارج، روافض، معتزلہ، ظاہریّہ وغیرہم بدمذہبوں کو اَہلِ بدعت کہتے ہیں، اور عقائدِ وہابیہ بھی

اِسی معنی کے تحت میں داخل، اور یہ لوگ باعتبار اس معنی کے اَہلِ بدعت میں شامل ہیں، بلکہ غالب استعمال اُس کا عقائد ہی میں ہے۔

رئیس المحقّقین شیخ محدِّث دہلوی نے "شرح سفر السعادۃ" میں لکھا ہے: "غالب استعمال بدعت در اعتقاد افتد، چنانکہ مذاہبِ باطلۂ اہلِ زیغ از فرقِ اسلامیہ"[1]، متعدّد احادیث واقوالِ علمائے قدیم وحدیث میں بدعت کا سنّت سے مقابلہ قرینۂ واضحہ اس استعمال کا ہے۔

اور امام شافعی وامام ابن الجزری وامام غزالی ومحقّقِ دہلوی وامام قزوینی وعلاّمہ تفتازانی وامام سیوطی وامام صدر الدین بن عمر ومصنّفِ "درِّ مختار"، وشاہ عبد العزیز صاحب دہلوی وغیرہم بہت اکابرِ دین وائمۂ متقدّمین وعلمائے متاخّرین نے بدعت کو اس معنی کے ساتھ تفسیر اور بدعتِ ضلالت سے تعبیر کیا ہے، اور وہ جو بعض متکلّمینِ وہابیہ نے اِس معنی کا انکار عصمت اللہ سہارنپوری سے نقل کیا، اور اس مقولہ کو مؤوّل قرار دیا، قول سہارنپوری کا بعد تسلیمِ صحتِ نقل بمقابلۂ اقوالِ مجتہدین وائمۂ دین کیا وقعت رکھتا ہے؟! اور حضراتِ مذکورین کے مقبول معنی کو کب رَد کر سکتا ہے؟! اور نہ ضرورت تاویل کی ہے، بلکہ اس جگہ تعدّدِ معنی مُوجِب جمعِ نُصوص ورفعِ تعارُض واختلاف کا ہے۔

معنیٔ دُوم ۲: جو فعل بعینہٖ وبہیئتِ کذائی رسول اللہ ﷺ نے نہ آپ کیا، نہ امت کو حکم دیا، نہ برقرار رکھا، گو اصل اُس کی شرع سے ثابت، اور مقصودِ شرع کے مناسب، اور قواعدِ حُسن ووجوب کے تحت مُندرِج، اور مَصالحِ دِینیّہ پر مشتمل ہو، بدعت بایں معنی علی الاِطلاق گمراہی وضلالت نہیں، حسَنہ بھی ہوتی ہے، اور اقسامِ پنجگانہ: واجب، مستحب، مُباح، مکروہ، حرام کی طرف تقسیم کی جاتی ہے، اصل اس تقسیم کی احادیث وآثارِ صریحہ سے ثابت۔

---

(۱) "شرح سفر السعادۃ" باب اذکار النبی ﷺ، فصل در سلام وآداب، ص ۱۴۲ ملتقطاً۔

امام ابو شامہ استاذِ امام نَووی اُسے متفق علیہ علماء کا فرماتے ہیں[1]، اور علاّمہ ابنِ حجر نے "فتح المبین" میں لکھا: "والحاصل أنّ البدعة الحَسنة متّفقٌ على ندبها، وعمل المولِد واجتماع النّاس له كذلك"[2] یعنی "بدعتِ حَسَنہ کے مندوب ہونے پر اتفاق ہے، اور عملِ مولد اور لوگوں کا اُس کے لیے جمع ہونا ایسا ہی ہے"۔

اور "تنبیہ السفیہ" میں بھی تصریح ہے کہ اسلام کے فرقوں میں کوئی اس قسم کی بدعت کو بُرا نہیں سمجھتا، یہاں تک کہ مخالفین کے رئیس المتکلّمین نوّاب صدیق حسن خان بہادر "کلمۃ الحق" میں اقرار کرتے ہیں کہ "اس تقسیم پر ہزار برس تک علماء کا اتفاق رہا، اور کسی عالم نے ہزارِ اوّل میں کلام نہ کیا، صرف مجدّد صاحب ہزارِ دُوم میں موفّق ساتھ انکار کے ہوئے"۔

اور "سیرتِ شامی" میں معرفتِ اقسامِ بدعت کا طریق امام عز الدّین بن عبد السلام[3] سے اس طرح نقل کیا ہے: "يُعرَض البدعةُ على القواعد الشّرعية، فإذا دخل في الإيجاب فهي واجبةٌ، أو في قواعد التحريم فهي محرّمةٌ، أو المندوب فمندوبةٌ، أو المكروه فمكروهةٌ أو المباح فمباحةٌ"[4]، اور علامہ عینی "شرح صحیح بخاری" میں لکھتے ہیں: "إن كانت تندرج

---

(١) أي: في "الباعث على إنكار البدَع والحوادث" مقدّمة المؤلّف، فصل في تقسيم الحوادث إلى بدع مستحسنة وإلى بدع مستقبحة، صـ٢٣.

(٢) "الفتح المبين بشرح الأربعين" تحت الحديث: ٥، صـ١٠٧، ١٠٨ ملخّصاً.

(٣) أي: في "القواعد الكبرى" قاعدة في المستثنيات من القواعد الشرعيّة، فصل في البدَع، ٢/ ٣٣٧.

(٤) "سبل الهدى والرَّشاد في سيرة خير العباد" الباب ١٣ في أقوال العلماء في عمل المولد الشريف، ١/ ٣٧٠ بتصرّف.

تحت مستحسنٍ في الشّرع فهي بدعةٌ حسنةٌ، وإن كانت ممّا يندرج تحت مستقبحٍ في الشَّرع فهي بدعةٌ قبيحة"[1].

محقّق دہلوی "شرحِ مشکاۃ" میں فرماتے ہیں: "بدانکہ ہر چہ پیدا شود بعد از پیغمبر ﷺ بدعت است، واز وانچہ موافق اصول وقواعدِ سنّت ست وقیاس کردہ شدہ است، بر آن آن را بدعتِ حسنہ گویند، وانچہ مخالف آن باشد بدعتِ ضلالت خوانند کلیۂ «كلّ بدعةٍ ضلالة»[2] محمول بر این است، وبعض بدعتہا است کہ واجب است، چنانکہ تعلّم وتعلیمِ صرف ونحو کہ بدان معرفتِ آیات واحادیث حاصل گردد، وحفظِ غرائبِ کتاب وسنّت ودیگر چیزہائیکہ حفظِ دین وملت بر آن موقوف بود، وبعض مستحسن ومستحب مثل بنائے رباطہا ومدرسہا، وبعض مکروہ مانند نقش ونگار کردن مساجد ومصاحف بقولِ بعض، وبعض مباح مثل فراخی در طعامہائے لذیذہ ولباسہائے فاخرہ، بشرطیکہ حلال باشند وباعثِ طغیان وتکبر ومُفاخرت نشوند، ومباحاتِ دیگر کہ در زمانِ آنحضرت ﷺ نبود چنانکہ بیری وغربال ومانند آن، وبعض حرام، چنانکہ مذاہبِ اہلِ بدع واہوا بر خلافِ سنّت وجماعت وانچہ خلفائے راشدین کردہ باشند، اگر چہ بآن معنی کہ در زمانِ آنحضرت ﷺ نبودہ بدعت است، ولیکن از قسم بدعتِ حسنہ خواہد بود، بلکہ در حقیقت سنّت است زیرا کہ آنحضرت ﷺ فرمودہ است: "بر شما باد کہ لازم گیرید سنّتِ مرا وسنّتِ خلفائے راشدین را"[3] رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین"[4]۔

---

(١) "عمدة القاري شرح صحيح البخاري" كتاب التراويح، باب فضل مَن قام رمضان، تحت ر: ٢٠١٠، ٨/ ٢٤٥ بتصرّف.

(٢) "صحيح مسلم" كتاب الجمعة، باب تخفيف الصّلاة والخطبة، ر: ٢٠٠٥، صـ٣٤٧.

(٣) "جامع الترمذي" أبواب العلم، باب [ما جاء في] الأخذ بالسنّة واجتناب البدعة، ر: ٢٦٧٦، صـ٦٠٧.

(٤) "أشعّة اللمعات" كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنّة، الفصل ١، ١/ ١٣٥ بتصرّف.

حاصل یہ کہ جو امر بعینہٖ زمانِ نبوت، بلکہ عصرِ صحابہ و تابعین میں بھی نہ پایا گیا، اگر شرعاً اچھا سمجھا جائے تو مستحسن اور بدعت حسنہ ہے، پھر اگر قواعدِ شرع سے اُس کی ضرورت مفہوم ہو تو واجب، جس طرح اہلِ عجم کے حق میں صرف و نحو کا سیکھنا؛ کہ قرآن و حدیث کا بدُون اس کے سمجھنا اور صحیح پڑھنا دشوار، اور قرآن مجید میں اعراب لکھنا، گو مُوجد اس کا حجاج بن یوسف ظالم ہے؛ کہ جاہل غیر حافظ بلا اعراب ہزار جگہ قرآن غلط پڑھے گا، تیسری مثال کتبِ حدیث کی تصنیف اور مسائلِ فقہ کی تدوین؛ کہ علماء کتابیں تصنیف نہ کرتے تو یہ علوم عالم سے مُندرس ہو جاتے، چوتھی مثال کتبِ فقہ کا پڑھنا کہ واجب کفایہ ہے، پانچویں مثال تقلیدِ ائمۂ اربعہ؛ کہ جو اس زمانے میں اُن کی پیروی نہ کرے گا عبادات و معاملات میں رائے کو دخل دیکر بہکتا پھرے گا، چھٹی مثال مجتہدین کا تقریر و تخریجِ اصول میں خَوض اور اُس سے ایک علم مستقل پیدا، اور اُس کی بنا پر فروع و حوادث استنباط کرنا؛ کہ اگر حضرات ائمہ ایسا نہ فرماتے تو عوام کے عبادات و معاملات سب خراب ہو جاتے، ساتویں مثال مُباحثہ و مُناظرہ مخالفانِ حق سے، اور تدوینِ علمِ کلام؛ کہ اہلِ حق اگر بدمذہبوں کا جواب نہ دیں، اور علمائے دین پادریوں اور اہلِ اَہواء کے رَد میں تصنیف نہ کریں، لاکھوں آدمی گمراہ ہو جائیں۔

دیکھو امرِ دُوم یعنی اعراب قرآنِ مجید میں لکھنا عہدِ نبوّت میں نہ تھا، باقی اُمور قرونِ صحابہ یا تابعین میں بھی رائج و معمول بہ نہ تھے، باوجود اس کے بالاتفاق واجبات سے ٹھہرے، سِوا امرِ ہفتم کے؛ کہ وجوب اُس کا مسلک ائمہ متاخرین کا ہے، اور اس زمانے میں یہی قول معتمَد و مختار للفتویٰ ہے۔

اور اگر بدعت اصول و قواعدِ شرع کی رُو سے اچھی سمجھی جائے، اور مقصودِ شرع سے موافق، اور مصلحت دینی پر مشتمل ہو، مگر حدِّ ضرورت کو نہ پہنچی ہو بدعتِ مستحبّہ ہے، مثالیں لیجیے: سرائیں، مسافر خانے، پُل، سڑکیں، منارے اذان کے واسطے، مدارس اور خانقاہیں طلبۂ علم و طالبانِ خدا کے لیے بنانا، راہوں پر سبیل پانی خواہ شربت خواہ دودھ کی لگانا، دقائقِ تصوف میں کلام، جو علم فی الجملہ نافع ہوں اُن کی تحصیل و تعلیم، مُباحثۂ مسائل کے واسطے مجلس منعقد کرنا، وعظ ہمیشہ یا اکثر بعد نمازِ جمعہ کے کہنا اور سننا، لوگوں کا مجلسِ وعظ میں جمع کرنا، علومِ نافعہ میں مانندِ اَخلاق و حساب کے تصنیف اور اُن کی ترویج، کتبِ دِینیہ میں

ابواب و فصول لکھنا اور اُن کی ترتیب و تہذیب، خطبۂ جمعہ و عیدین میں خلفائے راشدین و اَہلِ بیت طاہرین و عمّینِ مکرّمین کا ذکر شریف، اذانِ ثالثِ جمعہ، التزام و اہتمامِ جماعتِ تراویح، قرآنِ مجید میں علامات حمرت کی لکھنا، طریقۂ زُہد و مجاہدات و اَشغال میں نئی باتیں جو اکابر صوفیہ خصوصاً طریقۂ نقشبندیہ، بلکہ مجدّدیہ میں (کہ اکثر وہابیۂ ہند اُسی سے انتساب اپنا ظاہر کرتے ہیں) رائج و معمول ہیں، اور اُن کے سوا بہت کام کہ عصرِ رسالت، بلکہ قُرونِ ثلاثہ میں اس ہیئت و طریقۂ ملتزمہ کے ساتھ شائع نہ تھے، اور مخالفین بھی اُن کے حُسن و خوبی میں دَم نہیں مارتے، اَہلِ حق کا اَہلِ سنّت و جماعت اور دوسروں کا اَہلِ بدعت و اَہواء نام مقرّر کرنا اسی بدعت کے اَقسام سے ہے، اور جو مستحسناتِ علماء و مشائخ (بدُونِ لحاظ اس امر کے کہ مخالفین کو قبول ہوں یا نہیں) شمار کیے جائیں تو ایک کتاب جُداگانہ تیار کرنا پڑے۔

اور جس بدعت میں نہ کچھ دینی فائدہ نہ مضرت، نہ کسی اصلِ شرع سے اُس کی خوبی یا برائی ثابت، وہ مباح و جائز ہے۔ اور جس میں مضرتِ دینی ہو، اگر قواعدِ شرع اُس کی حرمت کو مقتضی ہوں تو حرام، ورنہ مکروہ۔ علمائے دین نے قرناً فقرناً اس قاعدے پر عمل کیا ہے، اور جس بدعت میں دینی ضرورت سمجھی اُسے واجب، اور جس امر کو فی نفسہٖ اچھا، اور کسی مقصودِ شرع کے مطابق، اور اُس کا مناسب و معین، اور مصلحتِ دینی پر مشتمل پایا (گو بعینہٖ اور بہیئتِ مخصوصہ عصرِ نبوت و زمانۂ صحابہ و تابعین میں بھی نہ ہوا) اُسے مندوب و مستحب فرمایا، وقِس على هذا.

خود مانعین امام حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: "فالمنارةُ عونٌ لإعلام وقت الصّلاة، وتصنيفُ الكتب عونٌ للتعليم والتبليغ، ونظمُ الدّلائل لردّ شبه الملاحدة والفِرق الضَّالّة نهيٌ عن المنكَر وذبٌّ عن الدّين، وكلُّ ذلك مأذونٌ فيه، بل مأمورٌ به". اسی

طرح صدہا علماء نے اس قاعدے پر اَحکام بِنا کیے، یہاں تک کہ "کافی" میں امام الائمہ، سراج العلماء والائمہ، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ تعریف میں منقول ہے: "إنّما هو حدثٌ أحدَثه النّاسُ فمَن فعله جاز"[1].

دیکھو! امامِ اعظم واکرم تعریف کو باوجود اعتراف اس امر کے کہ بدعتِ محدَث ہے، جائز فرماتے ہیں، اور متاخّرین تو صدہا اعمال کو (باوصف اس کے کہ قرونِ ثلاثہ میں نہ تھے، نہ مجتہدین سے ثابت ہوئے) اسی قاعدے سے مُباح یا مستحسن کہتے ہیں، اور اُن مسائل میں کلام (جیسا بعض مانعینِ مَولد سے واقع ہوا) مقام سے اجنبی اور خلافِ دابِ مُناظرہ، بلکہ نرا مُغالطہ ہے۔ ہم علماء کے اس قاعدے پر عمل کرنے سے اِستناد کرتے ہیں، گو وہ مسئلہ دوسروں کے نزدیک قاعدۂ اِباحت سے خارج، اور حُرمت خواہ کراہت میں داخل ہو، یا تصریحِ شرع خواہ اِستنباطِ مجتہد یا عمومِ نص قاعدے سے خارج کردے۔

یوں تو مجتہدین سے باوصف ملکۂ اجتہاد مطلق خطا واقع ہوتی ہے، اور دلیلِ شرعی ضعیف بمقابلہ دلیلِ شرعی قوی مضمحل ہوجاتی ہے، اور مجتہد خواہ اَصلِ مجتہد کی عموماً بے اعتباری لازم نہیں آتی۔ اس جگہ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ قائلینِ اِباحت واستحباب نے اُن اعمال کو اسی قاعدے سے مُباح یا مستحب کہا، اور یہ قاعدہ فقہاء میں معمول بہ رہا، اور اس قدر جمِ غفیر کا عمل کرنا، اور علمائے متقدّمین کا تصریح فرمانا ہمارے لیے دستاویز ہے یا نہیں؟! اور نیز علمائے دین بالاتفاق بدعت کے معنیٔ دُوم کو حسنہ وسیّئہ، اور اَقسامِ پنجگانہ کی طرف تقسیم کرتے، اور بعض اَفراد کو واجب، بعض کو مُباح، بعض کو مستحب کہتے رہے، باوجود اس کی تقسیم سے انکار، اور جملہ افراد کی گمراہی وضلالت ٹھہرانے پر اس درجہ اِصرار، جُمہور امت وسوادِ اعظم ملت سے مخالفت، اور بمقابلہ ایسے ثبوت کے کسی شیخ یا عالم کا قول بدُونِ دریافتِ حقیقتِ حال، اور اُس کے دوسرے اَقوال وافعال کے پیش کرنا، اور عوام کو دھوکا دینے کے لیے اَبلہ فریب تقریریں بنانا نری جہالت اور راہِ دین میں سخت بیباکی وجرأت ہے یا نہیں؟!

---

(۱) "الكافي" كتاب الصّلاة، باب العيدين، ۱/ ق۱۴۵.

اسی طرح یہ دعوی وہابیہ کا کہ "جو امر قُرونِ ثلاثہ میں نہ پایا گیا اصطلاحِ شرع میں بدعت ہے "محض بے اصل وغلط ہے، ثبوت اصطلاح کا اہلِ اصطلاح سے چاہیے، حدیث: «خير أمّتي قرني»[1]... إلخ سے (کہ اس باب میں منتہائے فکرِ مانعین ہے) انفراداً اور بانضمامِ دیگر احادیث کسی طرح معنیٔ شرعی ہونا اس کا ثابت نہیں، بلکہ اکثر احادیثِ صحیحہ وآثارِ صریحہ واَقوالِ علماء مُبطِل اس مدعا کے ہیں۔ باوجود اس کے اگر کسی کے کلام میں اس کا کچھ پتا بھی چلا تو وہ اصطلاح اُس قائل کی قرار پائے گی، نہ معنیٔ شرعی، بلکہ اس مادہ میں تصریح بعض اشخاص کی کسی معنی کی نسبت کہ "یہ شرعی ہیں اس وجہ سے کہ کبھی اصطلاحِ علماء کو بھی معنیٔ شرعی کہتے ہیں" غیر کافی، حضراتِ وہابیہ استعمال لفظِ بدعت کا اس معنی میں بدُون پھیر پھار کے، اور شرعی ہونا اُس کا کتاب وسنّت سے ثابت کردیں! ورنہ آیت وحدیث وآثارِ صحابہ سے یہ معنی مراد لینا اور بدلیلِ: «كلُّ بدعةٍ ضلالةٌ» وغیرہا احادیث کے اُسے بدعت وضلالت علی العموم ٹھہرا دینا ایسا ہے جیسا زِنا، سَرقہ، رِبا کسی اچھے یا مباح فعل کا نام رکھ لیں، اور آیتیں حدیثیں کہ ان الفاظ کے معانیٔ شرعیہ کی مذمت میں وارد ہیں پیش کرکے کہہ دیں: "دیکھو ہم نے اس فعل کی برائی آیت، حدیث سے ثابت کردی"۔

لطف یہ ہے کہ باعتبار اس معنی کے بھی تقسیمِ بدعت سے چارہ نہیں، اور اُسے علی العموم گمراہی وضلالت ٹھہرانا مخالفین کے طور پر بھی (خواہ مقلد ہوں یا خود مجتہد بن بیٹھیں) قطعاً باطل؛ کہ حوادث ووَقائع میں (کہ بعد قرونِ ثلاثہ کے ہوئے، یا آیندہ ہوں، بلکہ جملہ مسائلِ جزئیہ فرعیہ میں کہ اس عصر تک کسی نے استخراج نہ کیے، نہ قرآن وحدیث میں مصرّح کوئی حکم شرع سے استنباط کیا جائے گا، اور اُس کے مطابق حکم وعمل

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، ر: ۳٦٥٠، صـ٦١٢.

جاری ہو گا) یہ استنباط اور قول وفعل خواہ مخواہ ضلالت سے خارج کرنا پڑے گا، اور اُس کے لیے حدیث: «کلُّ بدعةٍ ضلالةٌ» وغیرہا میں تاویلات وتخصیصات کی ضرورت، اور تقسیم[1] بدعت کا قائل ہونا پڑے گا۔

بالجملہ تقریرات حضرات وہابیہ بیان معنیٔ بدعت میں نہایت مضطرب، اور احادیث واقوالِ صحابہ وتابعین ومجتہدین وائمۂ دین وعلمائے متقدّمین ومتاخّرین کے صریح مخالف ہیں، لاأقل عدمِ مطابقتِ احادیث وآثار واقوالِ علمائے کبار اُن کے طور پر قطعاً لازم، اور انکارِ تقسیم متفق علیہ، جس پر ہزار برس تک باعترافِ متکلّمینِ وہابیہ بھی علماء کا اتفاق رہا، اور مخالفِ سوادِ اعظمِ امت وجمہورِ اہلِ ملّت کا الزام اُن پر قائم، بخلاف تقریرِ رسالہ "اُصول الرّشاد" کے کہ بفضلِ الٰہی جملہ احادیث وآثار میں اُس کی رُو سے توفیق، اور تفسیراتِ علماء میں (کہ بظاہر مختلف ہیں) تطبیق حاصل، اور اُس کے ساتھ دفعِ خبط وخلطِ مخالفین اور جملہ مُغالطات وتشکیکِ وہابیہ کے رَد میں وافی ہے۔

مگر بایں خیال کہ شاید عوام کالانعام کہیں: "جس طرح اہلِ سنّت وجماعت تحقیقِ معنیٔ بدعت میں احادیث وآثار واقوالِ علماء پیش کرتے ہیں، اور اس معنیٰ کو صحیح اور شرع سے ثابت فرماتے ہیں، اسی طرح وہابیہ بھی کتابوں کا حوالہ دیتے اور اپنے معنیٰ کو صحیح بتاتے ہیں، ہم لوگ بے علم ہیں، کسے صحیح جانیں؟ اور کس کی بات مانیں؟" یا متعصّبانِ لیام عوام کو بہکائیں کہ "ہمارے مصنّفین بھی تو کتابوں سے اپنا مطلب ثابت کرتے ہیں"، اور وہ عبارتیں کتب کی (کہ اُن کے متکلّمین اور عمائدِ مذہب نے جہلاً خواہ عناداً مفیدِ مدعا قرار دیں) عوام کو دکھائیں کہ "ہم بھی ثبوت اس مدعا کا کتاب سے رکھتے ہیں" مخالفوں کی تقریر سے تعرضِ تفصیلی

---

(۱) اقول وباللہ التوفیق: اور یہاں عمومات واطلاقات ونظائر سے تمسک من حیث لا یشعر حق کا قبول، اور قُرونِ ثلاثہ میں وجودِ شئے بخصوصہٖ کی ضرورت سے عدول ہوگا، بات وہی قرار پائے گی کہ جو عمومات اجازت کے تحت میں داخل، جائز، ورنہ ممنوع۔ اب قُرونِ ثلاثہ کی تخصیص بھی باطل، اور تقسیمِ بدعت بھی صراحۃً حاصل۔ (امام احمد رضا خان)

ضرور؛ کہ حقیقت اُس کی خواصّ وعوام پر ظاہر ہو، اور جو عیاریاں اور چالاکیاں اور حوالۂ احادیث وآثار واقوالِ علمائے نامدار میں غلطیاں اور بے باکیاں کیں ہر ایک کو اچھی طرح معلوم ہوجائیں۔

اور ازانجا کہ مقدمۂ رسالہ "غاية الكلام" مولوی بشیر الدین صاحب قنّوجی اپنے عمائد اور مقتداوں کی تقریرات کو جامع ومتضمن، اور بیان "ایضاح الحق" مؤلفۂ اسماعیل صاحب دہلوی کو (کہ اس باب میں اصل ہے) حاوی ہے؛ کہ مؤلّفِ رسالۂ مذکورہ نے "ایضاح الحق" ودیگر رسائل وکتبِ عمائدِ وہابیہ وتالیفاتِ نجدیہ میں جوبات مفید اس مدعا کے سمجھے اُٹھانہ رکھی، تواُس کا رَد بعینہٖ کل تقریراتِ وہابیہ کا رَد ہے، لہٰذا اُسی سے تعرّض کافی ہے، والله الموفّق، وبه نستعين، نعم المولى، ونعم المعين.

واضح ہو کہ مؤلّفِ رسالہ "غاية الكلام" نے جس خبر یا اثر یا عبارتِ کتابِ فقہ میں لفظ بدعت یا محدَث کا پایا، بلا تأمّل وتکلف نقل کرکے آخر مقدمہ میں بڑا ناز فرمایا کہ "انچہ درین مقدمہ در تفسیرِ بدعت مذکور شدہ قلیلے ازانست کہ نزد راقم حاضر درین باب است"۔

میں کہتا ہوں: اکثر تفاسیر آپ کے مخالف اور بعض مدعا سے محض بے علاقہ، تو اُن کے جمع کرنے میں سِوا اس کے کہ مُوافق شرمائیں، اور مخالف ہنسیں، اور خاص وعام کہیں: "ذاتِ شریف مفید ومضر میں تمیز نہیں رکھتے، جو چاہتے ہیں بے سمجھے بوجھے لکھ دیتے ہیں" کیا فائدہ حاصل ہوا؟! جو بقیہ عبارات ومضامین کے (کہ اس باب میں مکنونِ خاطر یا نظرِ گرامی میں حاضر ہیں) ظاہر کرنے سے ہوگا۔

اب تفسیر شریف کی کیفیّت دیکھیے! بعد کَیت وذَیت کے یہ قرار پایا: "البدعة أمرٌ محدَثٌ في الدِّين لم يثبت عن كتابِ الله وهديِ سيّد المرسَلين". واہ حضرت! اس قدر تفحّص وتلاش اور مسافتِ بعیدہ قطع کرنے کے بعد بھی ناک تو اپنی ہی جگہ پر ٹھہری، پھر یہ مشقت کس غرض سے کی؟! اگر "ما لم يثبت"... إلخ سے یہ مراد ہے کہ وہ چیز بعینہٖ اور بہیئتِ کذائی وصورتِ مخصوصہ کتاب وسنّت

سے ثابت نہ ہو، تو یہ حاصل ہمارے معنیٔ دُوم کا ہے، تقسیم اُس کی بدعتِ حسنہ وسیئہ کی طرف باتفاقِ علمائے دین ثابت، اور انکارِ تقسیم صریح مخالفتِ سوادِ اعظمِ ملّت، بلکہ اِجماعِ امت کے ہے، کما حققنا سابقاً.

اور جو یہ مراد کہ کتاب وسنّت سے اصلاً ثابت نہ ہو، یعنی نہ کسی قاعدۂ شرع سے مطابق، نہ عام کے تحت میں داخل، نہ مقصودِ شرع کے مُوافق، نہ معین، نہ شرع سے اُس کی اجازت کسی وجہ پر حاصل، تو بدعاتِ واجبہ ومستحبہ ومُباحہ اس مفہوم سے خارج، اور صرف محدَثاتِ مکروہہ ومحرّمہ ہی داخل رہیں گے، اور وہ مخالفِ سنتِ ہُدیٰ ہیں، تو ماحصل اس تفسیر کا ہمارے معنیٔ اوّل کی طرف راجع ہو جائے گا۔ کسی نے سچ کہا ہے:

انچہ دانا کند کند نادان لیک بعد از فضیحت بسیار

بایں ہمہ تفسیر ذات شریف کے طَور پر مانع نہیں، بہت اُمور کہ آپ کے نزدیک بھی گمراہی وضلالت سے خارج ہیں اس میں داخل رہے، جن کے اِخراج اور سنّت میں داخل کرنے کے لیے تکلّفاتِ بارِدہ اور اُمورِ خارجہ کی طرف محتاج ہوئے، شاید آپ کو معلوم نہیں کہ تفسیر وتعریف میں تبادُر شرط ہے، اور بُر ظاہر کہ سیرتِ تابعین ومسائلِ قیاسیہ مجتہدین ہَدیِ سیّد المرسلین سے ہرگز متبادِر نہیں۔

اب اُن تکلّفاتِ بارِدہ کا حال سنیے! حدیثِ مسلم: «خير الحديث كتابُ الله»[1]... إلخ کے بعد لکھا: "ازین حدیث مستفادست کہ انچہ از اُمورِ دِینیہ ثابت از کتاب اللہ وہَدیِ رسول اللہ نیست از محدَثاتِ اُمور ست ومحدَثات اُمورِ بدعت اند، چنانچہ در حدیثِ آیندہ منصوص است"۔

أقول: یہ محض اِفتراء ہے، حدیث میں اس مضمون کا (کہ جو امر کتاب وسنّت سے ثابت نہیں مطلقاً محدَثاتِ اُمور میں داخل ہے) کہاں پتا ہے؟ بالفرض اگر کل محدَثات کتاب وسنّت سے خارج مانے جائیں، ہنوز دہلی دُور ہے؛ کہ ہر اُس شَے کا کہ کتاب وسنّت سے خارج ہو محدَثاتِ اُمور میں داخل ہونا کیا ضرور

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الجمعة، باب تخفيف الصّلاة والخطبة، ر: ۲۰۰۵، صـ۳۴۷.

ہے ؟!اور تقابلِ خیر وشر اور مقابلہ کتاب وسنّت کا محدَثات سے ذکر میں آپ کو کچھ مفید نہیں؛ کہ خیر اور اسی طرح شر اسمِ تفضیل ہے، بالخصوص اس جگہ کہ اُمور کی طرف اِضافت اور مقامِ ذَم ومدحت ہے، تو جو اُمور کہ نہ شَر ہیں، نہ کتاب وسنّت کے مرتبہ میں خیر، واسطہ واقع ہو کر سب دفترِ گاؤ خورد کردیں گے ؟!۔

غرض سَوقِ حدیث اور اُس کے مضمون سے آپ کے مقدّمہ کا کچھ پتا نہیں چلتا، نہ حدیث میں قَید دِینیہ کی صراحۃً خواہ اشارۃً مذکور الفاظِ حدیث نقل کرنا، اور اس کی بحث میں طبع زاد اور خیالی مضامین جن کا کسی طرح پتا لفظوں میں نہ ہو لکھ دینا، حضراتِ وہابیہ کا مدارِ مذہب ومنتہائے سعی ہے، شاید مؤلّفِ رسالہ نے لفظِ محدَث سے دھوکا کھایا، اور اس قدر بھی خیال نہ فرمایا کہ محدَث لُغت میں نئی چیز کو کہتے ہیں، یہ معنی اس جگہ باتفاقِ فریقین مراد نہیں، ناچار قَیدِ دِینیہ کی بڑھائی، اب بھی وہی آش کاسے میں رہے کہ علمائے دین بالاتفاق نئے اُمور کو (جو صاف صریح قرآن وحدیث میں مذکور نہیں، اور زمانۂ نبوت میں بہیئتِ کذائی وصورتِ مخصوصہ موجود، بلکہ عصرِ صحابہ وتابعین میں بھی مروج ومعمول نہ تھے) حسَنہ وسیّئہ کی طرف منقسم سمجھتے ہیں، اور آپ لوگ بھی اُن اُمور کو جن کا زمانۂ صحابہ وتابعین میں رَواج ہوا، گو اس خصوصیّت کے ساتھ قول وفعلِ حضرتِ رسالت وکتاب اللہ سے ثابت نہ ہوں، اور مجتہداتِ ائمۂ اربعہ کو اچھا جانتے ہیں، ولہٰذا بدَلالتِ حدیث: «عليكم بسُنّتي»[1]... إلخ وغیرہا معمولاتِ صحابہ وتابعین واستنباطِ مجتہدین کو باجود اعتراف اس امر کے کہ محدَثات اُمور سے ہیں حقیقتِ محدَثات سے خارج اور ملحق بسنّت ٹھہرایا۔

اس تقدیر پر آپ کے نزدیک محدَث حقیقۃً وہ امر قرار پایا، جس کا وجود کتاب وسنّت میں اصلاً نہ ہو، نہ باعتبار اصل کے، نہ بہیئتِ کذائی، اور جس کی اصل شرع سے پائی جائے وہ محدَث سے خارج اور اپنی اصل کے حکم میں ہے، اور یہ آپ کے خصم کو مضر نہیں، بلکہ مفید ہے۔

---

(۱) "جامع الترمذي" أبواب العلم، باب [ما جاء في] الأخذ بالسنّة واجتناب البدعة، ر: ۲٦۷٦، صـ٦۰۷.

ہمارے نزدیک بھی اس جگہ محدَث سے وہی باتیں مراد ہیں جو بعینہٖ وبہیئتِ کذائی شرع سے ثابت نہیں، نہ کسی اصل اور قاعدۂ شرعیہ کے تحت میں داخل، اور یہی امور مفہومِ محدَث کے افرادِ کاملہ ہیں، اور اسی صورت میں حمل شَر کا محدَثاتِ اُمور پر، اور حمل بدعت وضلالت کا کل محدَثات پر بلا کلفت صحیح ہے، اور معمولاتِ صحابہ وتابعین خواہ مجتہداتِ ائمۂ مجتہدین ومستحسناتِ علمائے متقدّمین ومتأخّرین کو محدَث کہہ کر حکمِ سنّت میں داخل کرنا، اور باوجود اس کے حقیقتِ محدَثات سے خارج ٹھہرانا، جیسا کہ مؤلّفِ رسالہ وواضعِ مقدمۂ مذکورہ سے واقع ہوا، اور اس قسم کے تصرّفات وتاویلات کی حاجت نہیں۔

اور جب معنیٔ محدَث (کہ اس جگہ مراد ہیں) ظاہر ہوئے تو بدعت کو بمعنیٔ مخالف ومُزاحمِ سنّت لینے سے کلامِ بلاغت نظامِ حضرتِ رسالت علیہ الصلاۃ والسلام کا: «كلُّ محدَثةٍ بدعةٌ، وكلُّ بدعةٍ ضلالةٌ»[1] ظاہر پر محمول رہے گا، اور جس غرض کے واسطے اس ذی شعور نے مسافتِ بعیدہ قطع کی اور تقسیمِ اِجماعی غلط ٹھہرائی، تفسیراتِ علماء ناقص وبے کار سمجھ کر بدعت کی نئی تفسیر بنائی، احادیث وآثار واقوالِ علمائے نامدار بے محل نقل کیے، بہت پھیر پھار کی ٹھہرائی کہ کسی طرح لفظ: «کُل» تاویل سے سالم اور حدیثِ مذکور شکلِ اوّل سے منتج رہے، بعنایتِ الٰہی ہماری تقریر سے بدُون ان خرابیوں کے حاصل، ذلك فضلُ الله يُؤتيه مَن يَشاءُ واللهُ ذو الفَضل العظيم، اور اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ تقسیم بدعت ہرگز تاویل وتصرّف خواہ عدمِ انتباح حدیثِ مسطور کو مستلزم نہیں؛ کہ حدیث میں بدعت بمعنیٔ اوّل ہے، اور محدَث کے جو معنی یہاں مراد ہیں اُن کا بھی یہی مآل ہے۔

---

(۱) "سنن أبي داود" كتاب السنّة، باب في لزوم السنّة، ر: ٤٦٠٧، صـ٦٥١.

محققِ دہلوی "شرح صراط المستقیم" میں حدیثِ مذکور کے تحت میں لکھتے ہیں: "ہر امرِ محدَث وبدعت کہ مخالفِ سنّت ومغیرِ آن باشد گمراہی است"[1]۔ اور ملّا علی قاری "مرقاۃ"[2] میں "ازہار" سے نقل کرتے ہیں:
"«كلُّ بدعةٍ» أي: سيئةٍ «ضلالةٌ» لقوله عَلَيْهِ السَّلَام: «مَن سَنّ في الإسلام سنةً حَسنةً»"[3].

پس سارا واویلا اس دانشمند کی ایک بے اصل بات پر مبنی ہے، اور جس قدر محنت وعرق ریزی کہ اس مبحث میں کی فضول ولایعنی ہے۔ علاوہ ازیں بعض افعال پر بدعت کا اِطلاق اور اس کے ساتھ اُن کا استحسان صحابۂ کرام سے ثابت، عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے تراویح کو بدعت کہا ہے، اور اُس کی مدحت کی: «نعمتِ البدعةُ هذه»[4]. ابنِ عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے نمازِ چاشت کو بدعت کہہ کر اُس کی خوبی وفضیلت کی تصریح فرمائی[5]، ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ تعالی عنہ نے تراویح کو محدَث فرما کر اُس کی مُداومت اور نہ چھوڑنے پر تاکید کی[6]، اور احادیث سے بھی تقسیم کا پتا ثابت، اور علمائے دین کا قرناً فقرناً اُس پر اتفاق رہا ہے، تو وجہ اِستنکاف کی تقسیم سے کیا ہے؟ اور اس قدر واویلا اور شور وغوغا سراسر بے جا ہے! کیا "کُل" بمعنی اکثر نہیں آتا ہے؟! یا احادیث کا شکلِ اوّل پر ہونا ضروری ٹھہرا ہے؟!۔

پھر لکھتے ہیں: "اما محدَثاتیکہ در قرونِ ثلاثہ بلا نکیر مروّج شدند بدلالتِ دیگر احادیث در حقیقت از محدَثاتِ امور نیستند، بلکہ ملحق بہدی رسول اللہ صلعم اند"۔ **أقول:** بعد اعتراف اس کے کہ وہ اُمور محدَثات

---

(۱) "شرح صراط المستقیم" باب دربیانِ نمازِ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، فصل در خطبۂ نبویہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم در روزِ جمعہ، ص۲۰۲ ملتقطاً بتصرّف۔

(٢) "مرقاة المفاتيح" كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنّة، الفصل ١، تحت ر: ١٤١، ١/ ٣٦٨.

(٣) "صحيح مسلم" كتاب الزكاة، باب الحثّ على الصدقة...، ر: ٢٣٥١، صـ٤١٠.

(٤) "الموطّأ" كتاب الصّلاة في رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان، ر: ٢٥٢، صـ٧٠.

(٥) "المعجم الكبير" وممّا أسند عبدالله بن عمر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، ر: ١٣٥٦٣، ١٢/ ٣٢٤.

(٦) "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد، ر: ٧٤٥٠، ٥/ ٣١٤.

سے ہیں مجرد اِلحاق بسنّت انہیں حقیقتِ محدَثات سے خارج نہیں کر سکتا، اور حکمِ سنّت میں ہونے سے حقیقۃً سنّت ہونا اُن کا ثابت نہیں ہوتا۔ خدا جانے آپ حقیقت کس شے کو سمجھتے ہیں! البتہ باعتبار ہمارے معنی کے معمولاتِ صحابہ و تابعین، بلکہ رَواجِ عام ہر قرنِ اسلام اور بدعاتِ واجبہ و مستحبہ و مُباحہ سب مفہومِ محدَث سے خارج ہیں، دوسری حدیثوں سے اِستشہاد کی ضرورت نہیں۔

پھر لکھتے ہیں: "واز حدیثِ سابق مستفاد ست کہ انچہ از محدَثاتِ اُمور نیست داخل کتاب اللہ وہدیٰ رسول اللہ است، والحاقِ سنّت بسنّت مناسب بُود"۔۔۔ الخ۔ **اَقول:** دیکھو حدیث نقل کرکے اَیسی جھوٹ بات لکھنا، اور اُسے حدیث سے مستفاد قرار دینا کیسی بے باکی ہے۔۔۔! ع

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

حدیث میں اس مضمونِ مخترع اور طبع زاد ڈھکوسلے کا کہاں پتا ہے؟! شاید آپ یہ سمجھے کہ جب اس مقدمہ کو کہ "انچہ از اُمورِ دینیہ ثابت از کتاب وہدیٰ رسول اللہ ﷺ نیست از محدَثاتِ اُمور ست" بزورِ زبان حدیث سے ثابت ٹھہرا ہی دیا ہے تو لامُحالہ اُس کا عکس بھی ثابت قرار دیا جائے گا، اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ بفرضِ تسلیم کلّیتِ اصل مُوجبہ کا عکس جزئیہ ہی نکلتا ہے، سوا اس کے کوئی ذات شریف سے دریافت کرے کہ مُباحات سنّتِ ہُدیٰ ہیں یا شرّ الاُمور سے؟ پھر حدیث: «خير أمّتي قرني»... إلخ ذکر کرکے سیرتِ تابعین کو شرّ الاُمور سے خارج اور سنّتِ ہُدیٰ میں داخل کرتے ہیں۔

اور ہم نے رسالہ "اُصول الرّشاد"[1] میں بوُجوہ ثابت کیا ہے کہ اِستدلال وہابیہ کا اس باب میں محض بے جا ہے، البتہ خیریتِ سیرت و معمولاتِ تابعین بدلالتِ آیت سراپا ہدایت: ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ

---

(۱) "اصول الرّشاد"، فائدۂ رابعہ ۴: لفظِ بدعت باصطلاحِ شریعت دو ۲ معنی میں مستعمل ہوتا ہے، ص۸۰-۸۷۔

﴿الْمُؤْمِنِينَ﴾(١)... الآية، اور حديث: «اتّبعوا السّوادَ الأعظم»(٢)... إلخ، اور اثرِ ابنِ مسعود: «مَا رَآه المسلمون»(٣)... إلخ سے ثابت، تو یہ دلائل ہر قرنِ اسلام کے خیریتِ سیرت وعادت و معمولات پر دلالت کرتے ہیں، اور نیز آیتِ سراپابشارت: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾(٤) اور کریمہ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا﴾(٥)... الآية اور احادیثِ صحیحہ سے کُل امت کی خیریت ثابت، اور جو اُمور کہ قرونِ ثلاثہ میں نہ تھے لیکن عموماتِ شرع کے تحت میں مُندرِج، یا کسی اصلِ شرع سے مستفاد، یا مقصودِ شرعی کے مُوافق، یا اس کی تحصیل میں معین ومفید ہیں، اُن کی خوبی خواہ اِباحت بھی دلائل وقواعدِ شرع سے بخوبی ظاہر۔

بایں ہمہ معمولاتِ قرنِ تابعین کی خیریت پر اس درجہ اِصرار، اور اُن اُمور پر یہ انکار صریح خلافِ انصاف اور نِرا اعتساف ہے! جس طرح معمولاتِ صحابہ وتابعین بدلالتِ بعض احادیث اور مجتہداتِ ائمۂ اربعہ باعتبار اپنی اصل وسند کے سنّت سے ملحَق ہوسکتے ہیں، اسی طرح یہ اُمور بھی بدلالت آیات واحادیث وقواعدِ شرع شریف واجب، خواہ مستحب، خواہ مُباح ہیں۔ بعض آیات واحادیث پر نظر اور بعض سے اِغماض شیوہ اَہلِ بدعت واَہواء کا ہے؛ کہ یہود سے (جن کے حق میں ﴿أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾(٦) وارد) سیکھ لیا ہے۔

---

(١) پ٥، النسآء: ١١٥.

(٢) "المستدرَك" كتاب العلم، ر: ٣٩٥، ١/ ١٦٩.

(٣) "المستدرَك" كتاب معرفة الصحابة، ر: ٤٤٦٥، ٥/ ١٦٨٥ بتصرّف.

(٤) پ٤، آل عمران: ١١٠.

(٥) پ٢، البقرة: ١٤٣.

(٦) پ١، البقرة: ٨٥.

پھر تحریر کرتے ہیں: "وچُون در اُصول مقرر ست کہ جموع واسمائے جموع"۔۔۔ الخ۔ حاصل اس تقریر کا یہ ہے کہ اِضافت «أصحابي» اور «قرني» میں بقاعدۂ اصول عموم واستغراق کو مفید ہے، تو خیریت ونَجات قول وفعلِ کل اصحاب واَہلِ قَرن یا اکثر سے اگر بعض آخر سکوت کریں، اور انکار واعتراض کے ساتھ پیش نہ آئیں، متعلق ہوتی ہے، اسی کو خُلق وسیرتِ قَوم کہتے ہیں، اور یہی مضمون حدیثِ زَرّیں سے مستفاد ہے۔

اَقول: یہ صورت تعامُل کی ہے، اور سب قُرونِ اسلام کا حکم اس میں برابر؛ کہ تعامُل ہر زمانے کا حجّتِ شرعی اور معتبر ہے، بخلاف قرنِ صحابہ؛ کہ امامِ اَعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قول وفعل ہر صحابی کا حجّت ہے، اور ترکِ احتجاج بعض اَقوال خواہ افعال سے بوجہِ معارضِ قوی حجّت ہونا اُس کا باطل نہیں کرتا کما لا یخفی. اور جماہیر ائمۂ سلَف وخلف کا اتفاق ہے کہ ہر واحد صحابۂ کِرام سے عادل اور اَفرادِ امت سے مرتبہ میں فائق، اور وہ سب خیر وبہتر ہیں، اور حوالہ اُصول کا بھی بے اصل ہے، سلّمنا کہ جموع اِضافت کے ساتھ مفیدِ استغراق ہیں، لیکن استغراقِ جمع بتصریح علمائے اصول مجموع اَفراد کے حکم میں نہیں، بلکہ کلُّ واحدٍ من الأفراد کے معنی میں ہے، "مطوّل"[1] وغیرہ کتب میں دیکھ لیجیے!۔

باوجود اس کے واسطے اتباعِ قولِ صحابہ کے اتفاقِ اکثر خواہ کل کے شرط لگانا، اور ایک دو صحابی کے قول کو اعتبار واعتماد کے لیے کافی نہ ٹھہرانا جُنون ہے، ظاہراً اس نظر سے کہ بہت اقوال وافعالِ صحابۂ کرام میاں اسماعیل صاحب وغیرہ اَسلافِ مستدِل کے طَور پر شرک وبدعت میں داخل ہیں، اس قید کو اختیار اور اِتباعِ صحابہ کے لیے اِجماع یا اتفاق، وہ بھی سُکوتِ باقین کے ساتھ اعتبار کیا ہے، ملاّ صاحب! کسی کی حمایت بمقابلہ اصحابِ حضرت رسالت شعبہ رفض کا ہے۔

---

(۱) "المطوَّل" الباب ۲ أحوال المسند إليه، صـ۸۷.

ایک اور لطیفہ سنیے! کہ ذات شریف خود اسی رسالہ کے خطبے میں لکھتے ہیں: "«بأيّهم اقتدَيتم اهتدَيتم»"[1]. سبحان اللہ! حمایتِ میاں اسماعیل صاحب وغیرہ کا یہ جوش ہے کہ اپنا لکھا اور مسلّم مقدمہ بھی فراموش ہے!۔ پھر لکھا: "اما مسائل قیاسیہ"۔۔۔ الخ یعنی مسائلِ قیاسیہ و اِجماعیہ مجتہدین باعتبار اپنی اصل وسند کے کتاب اللہ یا ہَدیِ رسول اللہ سے ملحَق ہیں۔

اقول: اکابر واصولِ مؤلّفِ رسالہ ہزار جگہ عدمِ فعلِ شارع، بلکہ مجرّد عدمِ نقل کو قرونِ ثلاثہ سے مدارِ بدعت وحرمت وضلالت ٹھہراتے ہیں، اور خود مؤلّف بھی دوسری جگہ بعض مسائلِ قیاسیہ مُجتہدین کو بتصریح بدعت وضلالت میں شمار کرتے ہیں، خدا جانے اس جگہ مجتہدینِ امت پر کیا نظرِ عنایت ہے؟!

خیر حضرت صبح کا بُھولا شام کو گھر آئے، اُسے بُھولا نہیں کہتے! مگر یہ تو فرمائیے کہ باعتبار اصل وسند کے سنّت سے ملحَق ہونا اقوالِ مجتہدین کے لیے مخصوص ہے، یا جس کے لیے اصل وسند پائی جائے سنّت سے ملحق ہے؟! دوسری شق میں مجلسِ میلاد اور فاتحہ وسوم وغیرہا اُمورِ مروجہ اپنی اصل وسند کے اعتبار سے محدثاتِ اُمور وبدعتِ سیئہ سے خارج، اور پہلی صورت میں وجہِ تخصیص وہی ہے جو آپ نے بعد میں بیان فرمائی کہ فُلاں چیز فُلاں چیز کی اصل ہے، یہ مجتہدینِ امت کے سوا دوسروں کو معلوم نہیں ہوسکتا۔

ہم نے اس کا جواب تفصیلی رسالہ "اُصول الرَّشاد"[2] میں لکھا ہے، اور آپ کے مقصود کو اس تقریر سے بخوبی باطل کردیا ہے، کیا بلا ہے! کبھی آپ لوگ دائرۂ اجتہاد کو اس قدر وسعت دیتے ہیں کہ ہر کس وناکس کو قرآن وحدیث سے استخراج واستنباط کی اجازت دیتے ہیں! یہاں تک کہ ہر جاہل عامی کتاب وسنت سے جو بات جس طرح سمجھ لے اسی پر عمل کرنا اور تقلید امام چھوڑ دینا واجب ہے! اگر اُس وقت تقلید نہ

---

(۱) "المشكاة" كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب الصحابة، الفصل ۳، ر: ۶۰۱۸، ۳/ ۳۳۵.

(۲) "اصول الرَّشاد" "فائدۂ رابعہ ۴: لفظ بدعت باصطلاحِ شریعت دو ۲ معنی میں مستعمل ہوتا ہے، ص۸۶-۸۹۔

چھوڑے گا، وعیدِ شدید: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَ رُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾[1] میں داخل ہوگا، اور اس حرکت ناشائستہ کا عمل بالحدیث نام رکھتے ہیں! تمام ہمّت مولائے قوم کی "تنویر العینین" اور شروع "تقویۃ الایمان"[2] میں اسی طرف مصروف۔

اور کبھی استدلال بدلالۃ النص وعلّتِ منصوصہ وعمومِ آیات واحادیث وغیرہا امور کو بھی مجتہدِ مطلق سے خاص ٹھہراتے ہیں! اس اضطراب ونا انصافی کی کیا حد ہے؟! استدلال بدلالۃ النص وبعلّتِ منصوصہ، اور اجرائے حکمِ کلّی جزئیات پر، اور استخراجِ جزئیات بدلالتِ مساوات، اور اِستناد بعمومِ احادیث وآیات، اور فہمِ اَحکامِ صریحہ عبارۃُ النص و اشارۃُ النص سے، اور تحصیلِ نتائج مقدماتِ منصوصہ اور بدیہیاتِ شرعیّہ سے برعایتِ قیاسِ اِقترانی واِستثنائی مخصوص بمجتہدین نہیں، علمائے مقلدین میں قرناً فقرناً بلا نکیر جاری ہے، بلکہ استنباط اصولِ مجتہد سے یا مطابق اصولِ مجتہد کے دلائلِ شرع سے جن اَحکام میں مجتہد سے نص نہیں، یا واسطے تائید مجتہد کے شائع اور رائج۔

کیا "شرحِ وِقایہ" و "ہدایہ" و "فتح القدیر" وغیرہا کتبِ متداولہ مشہورہ بھی ان صاحبوں کی نظر سے نہیں گزریں؟! یا اُن کے استنباط واستدلال مجتہدین سے بعینہٖ ثابت کر سکتے ہیں؟! کاش! یہ حضرات اسی بات پر قائم ہو جائیں تو "تقویۃ الایمان" کے عقائد واَحکام سے (کہ بے محل آیت وحدیث کے تحت میں لکھ دیے ہیں، اور ان صاحبوں کے اکثر ڈھکوسلوں اور خُرافات سے جن کے ثبوت کا کتاب وسنّت سے غلط دعوی کرتے ہیں) بلا دِقّت نجات ملے، اور جواب میں صرف یہ بات کہ "مصنّفِ "تقویۃ الایمان" اور نیز اپنے لیے منصبِ اجتہاد ثابت کردو، ورنہ آیت وحدیث سے ثبوت کا دعویٰ اور سب تقریر تمہاری اور تمہارے پیشوا کی محض فضول ولَایعنی ہے، کفایت کرے۔ حرمت وکراہت، استحباب وحلّت کی طرح اَحکامِ شرعیّہ ہیں، اور

---

(۱) پ ۱۰، التوبة: ۳۱.

(۲) "تقویۃ الایمان" ص ۱۷، ۱۸۔

اُمورِ متنازع فیہا کی حرمت و کراہت نہ قرآن و حدیث میں مصرّح، نہ تصریح اُس کی کسی مجتہد سے منقول، باوجود اس کے خود قرآن و حدیث کا حوالہ دینا اور دوسروں کو اسی امر سے روکنا وہی بات ہے کہ ع

ہم تو کہیں جو ہے سو ہے　　　　تم نہ کہو جو ہے سو ہے

اسی طرح یہ حضرات آپ تو فرضی علماء اور خیالی کتابوں سے بھی سند لانے میں باک نہیں رکھتے، اور جب اِس طرف سے علمائے محققین اور کتبِ معتبرہ کا (جن سے صدہا جگہ خود سند لاتے ہیں اور اپنے مطلب کے وقت اُنہیں علمائے محقّقین وائمۂ دین اور اسی قسم کے الفاظِ تعظیم سے یاد کرتے ہیں) حوالہ دیا جاتا ہے تو یوں گولی بچاتے ہیں کہ "ان کتابوں اور علماء سے استناد بے کار ہے، ثبوت قرآن و حدیث سے چاہیے"، بلکہ اُن حضراتِ ائمہ و علماء کی طرح طرح سے توہین کرتے ہیں، یہاں تک کہ نَوبت تا بہ تکفیر پہنچاتے ہیں۔

مصنّفِ "کلمة الحق" نے چند ورق علمائے دنیا کی برائیوں اور نِکوہش میں سیاہ کیے، اور حضراتِ ائمۂ سابقین و علمائے لاحقین کہ اس مجلسِ متبرک کو مستحسن سمجھتے اور مستحب کہتے، اُن کے مصداق قرار دیے، اس قدر بھی لحاظ نہ فرمایا کہ خود آپ کے اُستاد مفتی صدر الدین خان صاحب نے (جنہیں خود اسی رسالے میں سند العالمین فی العالمین کا خطاب عنایت کیا ہے، اور اُن سے تلمذ و تعلّم پر بڑا ناز فرمایا ہے) استحبابِ مولد میں لکھا ہے، اور مولانا رفیع الدین خاں صاحب مراد آبادی سے (جن کی کوشش و حسنِ سعی سے اس محفلِ مبارک نے ملک ہندوستان میں زیادہ رَواج پایا، اور بیانِ مولدِ اقدس میں انہیں نے ایک رسالہ بزبانِ فارسی تحریر فرمایا) استناد کیا ہے، شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی کہ مَولائے قَوم میاں اسماعیل دہلوی کے جدِّ امجد و شیخ المشائخ واستاذ الاستاذ ہیں، اس عملِ خیر کی خوبی پر کس شدّ و مد کے ساتھ شہادت دیتے ہیں! اور علاّمہ سخاوی اور امام سُیوطی وغیرہما بہت اکابرِ دین کہ شاہ عبد العزیز صاحب و شاہ ولی اللہ صاحب و میاں اسماعیل و مَولوی اِسحاق صاحب کے اساتذہ و شُیوخِ حدیث سے ہیں، اُسے کس طرح ثابت کرتے ہیں؟!

مگر ان حضرات کی عادتِ مستمرہ ہے کہ جس عالم امام عارف کا قول اپنے مشرَب کے خلاف ہوتا ہے اسے ایک مردِ لایعنی ٹھہراتے ہیں، اور اپنے مَولویوں کو آسمان پر چڑھاتے ہیں، متکلّم قنّوجی نے

شیخ عبد الحق دہلوی وملا علی قاری کی نسبت لکھ دیا: "ہر دو در سلکِ فقہاء منتظم نیستند"، اور نذیر حسین دہلوی کو اور دوسرے متکلّم خود ان حضرت اور ان کے آقا کو کیسے کیسے کلمات سے یاد کرتے ہیں! واہ ری دیانت! کہ شیخِ محقّق وملا علی قاری تو زُمرۂ فقہاء سے خارج کیے جائیں، اور نذیر حسین وبشیر الدین وامداد علی ڈپٹی کلکٹر زبدۃُ الفقہاء وعمدۃُ المحدثین لکھے جائیں! إذا لم تستحي فاصنع ما شئت.

حاصل اس تحکم کا یہ ہے کہ "ہمیں منصبِ اجتہاد واستنباط بھی حاصل ہے، اور علماء سے اگرچہ مجاہیل وغیر معتبر ہوں، بلکہ کتب ورسائلِ مفروضین سے اِستناد واِستشہاد پہنچتا ہے، اور تم نہ آیت وحدیث سے سند لانے کی لیاقت رکھتے ہو! نہ علمائے سابقین ولاحقین سے ہمارے مقابلے میں اِستناد کر سکتے ہو! تمہیں ہمارے ساتھ مُباحثہ کا کوئی طریق نہیں! جو ہم کہیں خواہ مخواہ مان لو!" پھر لکھتے ہیں: "اما تقیید اُمور وتعریف بدعة بدینیہ"۔۔۔الخ، یعنی اُمورِ دینیہ کی قید تعریفِ بدعت میں اس لیے ہے کہ حدیثِ صحیحین میں وارد: «مَن أحدَث في أمرِنا هذا ما ليس منه فهو ردّ»[1] اور امرِ دین ہی حظر سے اختصاص رکھتا ہے۔

اَقول: گو حدیث شریف میں: «أمرِنا هذا» سے امرِ دین ہی مراد ہو، مگر اس طریقہ سے ثابت کرنا حضرت ہی کا کام ہے، کیا یہ بھی نہ دیکھا کہ اِضافت جمع متکلّم کی طرف ہے، قطع نظر اس سے حمل مطلق کا مقیّد پر کب جائز ہے؟! آپ تو اپنا حنفی ہونا ظاہر کرتے ہیں! تو حدیث: «شرُّ الأمور محدَثاتها»[2] میں یہ تقیید کس طرح اعتبار کر سکتے ہیں! اور جو خواہ مخواہ وہاں قید امرِ دین کی اعتبار کرنا ہی (گو اصلِ حنفی سے مخالفت

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور... إلخ، ر: ٢٦٩٧، صـ٤٤٠. و"صحيح مسلم" كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام...، ر: ٤٤٩٢، صـ٧٦٢.

(٢) "صحيح البخاري" كتاب الاعتصام بالكتاب والسنّة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ر: ٧٢٧٧، صـ١٢٥٢.

لازم آئے) منظور ہے، تو قید: «ما ليس منه» پر بھی نظر کرنا ضرور ہے؛ کہ علی الاعلان ہمارے مدّعا کی شہادت دیتی ہے، یعنی مطلق محدَث مردود نہیں، بلکہ جو امرِ دینی نہ ہو اور دین سے کچھ علاقہ نہ رکھے، نہ بخصوصہ، نہ باعتبارِ اصل وسند، نہ کسی عامِ شرعی کے تحت میں مُندرِج، نہ کسی امرِ دینی میں مفید ومُعین، نہ کسی قاعدۂ شرع سے اُس کی خوبی ثابت، نہ اجازت حاصل، اور ایسا امر مخالف ومُزاحِم سنّت ہی ہوگا، تو گویا ارشاد ہوتا ہے: جو شخص ہمارے دین میں کوئی امر مخالف ومُزاحِم امرِ دینی اِحداث کرے وہ مردود ہے۔

صاحبِ "مَظاہرِ حق" کو بھی (کہ عمائدِ فرقہ سے ہے) اس مطلب کا اعتراف ہے: "اور لفظ «ما ليس منه» میں اشارہ ہے اس کی طرف کہ نکالنا اُس چیز کا کہ مخالفِ کتاب وسنّت نہ ہو بُرا نہیں"[1] وكفى به حجّةً على المخالفين، والحمد لله ربّ العالمين!. اور حدیثِ مسلم: «مَن عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردّ»[2] بھی اسی مطلب پر محمول، اور حدیثِ رافع بن خدیج: «إذا أمرتُكم بشيءٍ من أمرِ دينِكم فخُذوا به، وإذا أمرتُكم بشيءٍ من رأيِي، فإنّما أنا بشرٌ»[3] تو مدّعائے مؤلّفِ رسالہ واضعِ مقدمہ سے اصلاً تعلق نہیں رکھتی، اسی طرح تائیدِ تفسیر میں جو احادیث وآثار واقوالِ علمائے کبار نقل کیے ہیں، نہ تفسیر شریف کی اُن سے کچھ تائید، نہ کسی طرح اِس بزرگوار کو مفید، بعض محض بے علاقہ، بعض صریح مضر۔ حیرت ہے کہ یہ حضرات بایں اِدّعائے علم ودانش مطلب فہمی سے بہرہ نہیں رکھتے! یادانستہ عوام کو مغالطہ دیتے ہیں کہ ہم نے اپنا دعویٰ اس قدر حدیثوں اور کتابوں سے ثابت کردیا، گو خواصّ اس حرکت پر ہنسیں۔

---

(۱) "مظاہرِ حق" "كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنّة، الفصل ۱، تحت ر: ۱، ۱/۱۹۱۔

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة وردّ محدثات الأمور، ر: ٤٤٩٣، صـ٧٦٢.

(٣) "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما... إلخ، ر: ٦١٢٧، صـ١٠٣٩.

صاحبو! کیا آیت، حدیث یا کسی صحابی، تابعی، مجتہد، عالم کا قول صرف نقل کر دینا کافی ہوتا ہے؟! اگرچہ محض بے محل؟! اگرچہ نرا بے علاقہ؟! بلکہ اگرچہ صراحۃً مخالف؟! حضرات ذرا خوفِ خدا کیجیے! دعوے کا ثابت ہونا چاہیے، نمائش کے واسطے آیتیں حدیثیں بے محل لکھ دینا اور امرِ دین میں عیاری اور دھوکا بازی کرنا شیوۂ اہلِ اَہوا ہے، یہ تو فرمائیے! حدیث حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (کہ بخاری و مسلم سے آپ نے نقل کی) تفسیر شریف کی کیا تائید ہوئی؟ اُس کا حاصل تو صرف اس قدر ہے کہ ایک قوم غیرِ سنّت کے ساتھ استنان کرے گی، تو مخبرِ صادق علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمانا پورا ہوا۔

بعض بے باکوں نے انبیاء اَولیاء کی جناب میں طرح طرح کی گستاخی، خدا اور سول کے کلام میں تصرّفِ معنوی، غلط حوالے دینا، اَبلہ فریبیوں سے عوام کو بہکانا، اپنا عقیدہ ومذہب سالہا چھپانا، اور اُس کے بر خلاف تحریر وتقریر کرنا، نئے عقیدے اور نئے مسئلے جن کا دین میں وجود نہیں، نہ اس صدی سے پہلے کسی نے کتابوں میں دیکھے سنے تھے گڑھنا، مسلمانوں کو مشرک، سنیوں کو بدعتی ٹھہرانا، ظاہر یہ معتزلہ خوارج کے عقیدے اختیار کرنا، اور وہی آیتیں حدیثیں جو یہ بدمذہب دلیل لائے، ثبوت میں لانا، باوجود اس کے اپنے فرقے کو اَہلِ سنّت وجماعت کہنا، اور اسی قسم کی حرکتوں اور امرِ دین میں بے باکیوں کی عادت کی ہے، اور ان بدعاتِ شنیعہ وافعالِ قبیحہ کا (کہ صریح مخالفِ سنّت وخلافِ شریعت ہیں) نام اِتباعِ سنّت رکھا ہے، اور حدیثِ مسلم میں کہ "حواریوں اور اصحابِ انبیاء کے بعد اَیسے ناخلف ہوتے رہے کہ جو کہتے نہ کرتے، اور جو کرتے اُس کے ساتھ حکم نہ کیے جاتے"[1]۔

بعد اِتمامِ تقریب **اولاً:** فعل بے امر کی مذمت نہیں، ورنہ سب مُباحات ممنوع ہو جائیں، ہاں فعل بر خلاف امر کی مذمت ہے، اور یہ عین ہمارا مدعا اور تمہیں کچھ مفید نہیں۔

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر... إلخ، ر: ١٧٩، صـ٤٢.

ثانیاً۲: امر سے صریح مراد تو محدَثاتِ قرنِ تابعین واستنباطاتِ مجتہدین بھی مذموم ٹھہرائیے! اور ضمنی واستنباط کو عام تو اُمورِ نزاعیہ بھی مامور بہا ہیں، ہاں اپنی خبر لیجیے کہ منہ سے اتباعِ سنّت کا دعویٰ اور اعمال وہ جو اوپر بیان ہوئے۔۔۔! یہ اعمال (کہ کارِ دین میں آپ صاحبوں نے داخل کیے) کس امرِ شرعی کے مطابق ہیں؟! اگر ہوں تو پیش کیجیے! ورنہ اس تشنیع میں داخل ہونے کا اقرار فرمائیے!۔

احادیث کا (کہ مؤلّفِ "غایۃ الکلام" نے تائیدِ تفسیرِ مخترع میں ذکر کیں) یہ حال تھا، اب آثار کی کیفیّت ملاحظہ کیجیے! **اوّلاً۱:** مستدِل کے نزدیک نَجات وخیریّت صرف سیرتِ صحابہ کے ساتھ (کہ اُس کے نزدیک عبارت ہے اِجماع یا اتفاقِ اکثر سے، باوجودِ سکوتِ باقی اَشخاص کے) مخصوص ہے، ایک دو صحابی کے انکار سے بدُونِ اِثبات اِجماع، یا اتفاقِ اکثر انکار پر اِستناد اپنی قرارداد کے خلاف ہے، کیا وہ قاعدہ جسے ایک دو ورق پہلے بنایا تھا نسیاً منسیاً ہوگیا؟! وہاں اپنے اَسلاف کی حمایت اور اَحکامِ "تقویۃ الایمان" کی رعایت ملحوظ تھی، اور یہاں تفسیرِ مخترع کی تائید اور ذمِ بدعت کی تکثیر منظور ہے، اپنا قلم اپنا مذہب، جس جگہ جو چاہا لکھ دیا، کسی کا کیا اجارہ ہے۔۔۔؟!

ثانیاً۲: فاعلین اِن افعال کے جن پر بعض صحابہ سے انکار نقل کرتے ہیں، صحابی تھے یا تابعی، پہلی صورت میں تو قول انکار کرنے والے کا مصنّف کے طَور پر سیرتِ صحابہ ہرگز نہیں ہوسکتا؛ کہ اتفاقِ اکثر مع سکوت الباقین نہ پایا گیا، قطع نظر اس سے اُن انکار کرنے والے صاحب کو صحابیٔ فاعل پر کیا ترجیح ہے، کہ صرف اُن کے کہنے سے انہیں (عیاذاً باللہ) مرتکبِ بدعت وضلالت کہا جائے، اور دوسری شق میں بھی مؤلّف کے طَور پر فعلِ صحابی وتابعی ایک حکم میں ہے؛ کہ بحالتِ انفراد دونوں غیر معتبر، اور بعدِ اجماع واتفاق دونوں ملحق بسنّت، علاوہ ازیں فعلِ تابعیٔ مجتہد[1] کا (گو بعض صحابۂ کرام سے انکار ثابت یا من حیث الدلیل وہی جانب قوی ہو) بدعت وضلالت نہیں ہوسکتا، اختلافاتِ صحابہ ومسئلۂ مجتہد فیہا میں ایک جانب کو ضلالت وگمراہی سمجھنا کھلی تقلیدِ روافض وغیرہم مبطلین کی ہے۔

---

(۱) الوصف ملحوظٌ كما لا يخفى.

"شرحِ مقاصد" میں بعد ذکرِ اَشعریہ ماُتریدیہ کے لکھا ہے: "المحقّقون من الفريقَين لا ينسب أحدُهما الآخرَ إلى البدعة والضَّلالة خلافاً للمُبطلين، حتّى ربما جعلوا الاختلافَ في الفروع أيضاً بدعةً وضلالةً كالقول بحلّ متروكِ التسمية عمداً"[1]... إلخ، اور حدیثِ بخاری سے کہ باوجود ارشادِ ہدایت بنیاد: «لا يصلّينّ أحدٌ العصرَ إلاّ في بني قريظة»[2]... إلخ، یعنی "کوئی نمازِ عصر نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں"، بعض صحابہ نے یہ سمجھ کر کہ مقصودِ جناب تعجیل کے ساتھ پہنچنا ہے نہ حقیقتِ کلام، راہ میں نمازِ عصر پڑھ لی، اور حضور نے کچھ عتاب وانکار نہ فرمایا، بخوبی ثابت کہ مجتہد پر بوجہِ مخالفتِ ظاہرِ نُصوص طعن وتشنیع کی گنجائش نہیں، ایک دو صحابی کے قول سے اُسے مبتدِع اور گمراہ ٹھہرانا کب جائز ہوگا؟!۔

ثالثاً: آثارِ مستندۂ مؤلّف میں جن افعال پر بعض صحابہ سے نکیر نقل کی، بعض مجتہدین نے اُن کے جواز خواہ استحباب کی تصریح فرمائی، مثلاً تثویب[3] کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اُمرائے عصر کے لیے جائز رکھا، اور امام محمد نے مطلقاً[4]، اور رکعتینِ فجر کے بعد اضطجاع[5] جس کی ممانعت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں[6]، امام شافعی اور بہت صحابہ تابعین اُسے مندوب وسنّت کہتے ہیں[7]، اور

---

(۱) "شرح المقاصد" الفصل ٣ في الأسماء والأحكام، المبحث ٨، الجزء ٥، صـ٢٣٢ ملتقطاً بتصرّف.

(٢) "صحيح البخاري" أبواب صلاة الخوف، باب صلاة الطالب والمطلوب راكباً وإيماءً، ر: ٩٤٦، صـ١٥٢.

(۳) اذان کے بعد دوبارہ اطلاع دینا، نماز کو بلانا۔

(٤) انظر: "النهر الفائق" كتاب الصّلاة، باب الأذان، ١/ ١٧٧.

(۵) بر پہلوئے خوابیدن، یعنی فجر کی سنّتیں پڑھ کر کچھ دیر لیٹ کر فرض پڑھنا۔

(٦) "المصنَّف" لعبد الرزاق، كتاب الصّلاة، باب الضجعة بعد الوتر... إلخ، ر: ٤٧٢٠، ٣/ ٤٢.

(٧) "عمدة القاري" كتاب التهجّد، باب الضجعة... إلخ، تحت ر: ١١٦٠، ٥/ ٥١٥.

پیشوائے ملتِ نجدیہ ابنِ حزم ظاہری فرض ٹھہراتا ہے[1]، کیا بلا ہے کہ اِن حضرات کو سخن پروری میں اپنے مقتدیانِ مذہب کا بھی خیال نہیں رہتا! بے تکلف انہیں بھی گمراہ و مبتدع ٹھہرایا جاتا ہے، اور قنوت کو جس کا بدعت ہونا ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ[2] سے نقل کیا، امام مالک و امام شافعی[3] رحمہما اللہ تعالٰی سنّت فرماتے ہیں، اسی طرح اکثر مسائلِ مذکورہ میں ائمۂ مجتہدین سے تصریح موجود، اور یہ بات ثابت ہو چکی کہ مسئلہ مجتہد فیہا میں ایک جانب کو بدعت و ضلالت ٹھہرانا محض بے جا ہے، بلکہ بطورِ مؤلّف یہ افعال سنّت میں داخل ہیں، تو انہیں بدعت ٹھہرانا بطورِ مؤلّف ہدیٰ کو ضلالت کہنا ہے، افسوس کہ یہ بزرگوار اپنے اصول و طرقِ مخترعہ بھی یاد نہیں رکھتے! آپ وضع کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے! اب انصاف کریں کہ «يقولون ما لا يفعلون» کا (کہ حدیثِ مسلم میں گزرا) کون مصداق ہے؟!

رابعاً: عصرِ صحابۂ کرام میں اطلاق بدعت ایسے اُمور پر کہ عہدِ نبوّت میں نہ تھے (گو شرع سے خوبی خواہ جواز اُن کا ثابت ہو) ثابت ہے، ولہٰذا بعض افعال کو بدعت کہتے اور بدعتِ حسنہ کا ارادہ کرتے، اور کبھی باوجودِ اطلاقِ بدعت اُن کے حُسن و خوبی کی تصریح بھی فرمادیتے، یا بعض حضرات اقتصاد فی العمل پسند کرتے، اور حقوقِ نفس کی رعایت اور نشاط فی العبادۃ کی تحصیل، خواہ تعلیم و بیانِ جواز وغیرہ اُمور ملحوظ رکھتے، یا رخصت پر عمل کرتے۔

اور کبھی کسی امر کو اُس وقت امرِ دین میں محل پاتے، یا کوئی اصلِ شرعی جواز و استحسان کی خیال میں نہ آتی تو فُضول ولایعنی سمجھ کر ترک کرتے، یا اُس وقت ضرورت خواہ بھلائی اُس فعل میں نہ سمجھتے، یا فرصت نہ

---

(۱) "المحلّى" كتاب الصّلاة، ۳٤١ مسألة كلّ مَن ركع ركعتي الفجر لم تجزه صلاة الصبح، إلاّ بأن يضطجع على شقه الأيمن... إلخ، ۳/ ۱۹٦، ۱۹۷.

(۲) "السنن الكبرى" كتاب الصّلاة، باب من لم ير القنوت في صلاة الصبح، ۲/ ۲۱۳.

(۳) "شرح صحيح مسلم" كتاب المساجد ومواضع الصّلاة، باب استحباب القنوت [illegible] الصّلاة، الجزء٥، صـ۱۷٦.

ہوتی، اُس سے بہتر کام میں مشغول ہوتے، یا آسانی وتسہیل پر نظر فرماتے، یا بدیں خیال کہ لوگ نَو عہدانِ اسلام اس فعل کو واجب نہ سمجھ لیں، اور اُمّت کو دشواری میں ڈالدیں، یا کسی شے کی تعظیم میں اِفراط کر کے حدِ پرستش کو پہنچادیں، اور بوجہِ قُربِ عہد کے زمانۂ کفر سے پھر اُسی عقیدے کی طرف مَیل کر جائیں، فعلِ جائز یا مستحب کے اِلتزام پر تشدّد و نکیر فرماتے۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر قطعِ شجرہ ثابت ہوجائے، اور نیز ممانعت نبی ﷺ کے نماز پڑھنے کے مقام میں نماز پڑھنے سے، اور حجرِ اسوَد سے فرمانا کہ "تو ایک پتھر ہے! اگر نبی ﷺ استلام نہ فرماتے، میں بھی نہ فرماتا"[1]، سب اسی نظر سے ہے، ورنہ تبرک مَشاہدِ انبیاء سے بتصریحِ کتاب وسنّت ثابت، اور نیز یہی وجوہ باعثِ اختلاف ہیں؛ کہ اَیسے امر کو مناسب وقت یا مَنفعتِ دینی پر مشتمل سمجھا، یا اب وہ حرجِ شرعی مرتفع ہوگیا، یا اَساً نہ پایا گیا، مستحب اور جائز کہا، بلکہ خود کسی وقت ایک امر سے انکار فرمایا اور دوسرے وقت خود کیا، یا جائز بتایا، جیسے مسئلۂ زیادت میں ابنِ عمر وابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے انکار وعمل دونوں ثابت[2]۔

اگر ممانعتِ صحابہ نسبت افعال کے اِسی قاعدے پر مبنی ہوتی کہ یہ افعال عصرِ نبوت میں نہ تھے، نہ ہمارے زمانے میں رائج ومعمولِ بہا ہوگئے، تو بدعت وضلالت ہیں، اور یہ قاعدہ شرع میں مصرّح ومعلومِ اہلِ شرع ہوتا تو متروکاتِ صحابہ کا عصرِ تابعین میں رَواج نہ ہوسکتا، نہ کوئی مجتہد اُس کے خلاف حکم دے سکتا؛ کہ جس کا ضلالت وگمراہی ہونا شرع سے ثابت ہوگیا اُس میں اجتہاد کو کیا دخل؟!

بالجملہ ترک وانکارِ صحابہ اِن وجوہ اور اِن کی اَمثال پر (کہ بعض "غنیۃ الطالبین" و "غنیۃ المتملّی" وغیرہما کتبِ مستندۂ مؤلِّف میں بھی مصرّح ہیں) مبنی ہے، تو بلا دریافت حقیقتِ حال ووجہِ انکار انہیں پیش

---

(۱) "صحیح البخاري" کتاب الحجّ، باب الرمل في الحجّ والعمرة، ر: ١٦٠٥، صـ٢٦٠ ملتقطاً.

(۲) "جامع الترمذي" أبواب الحجّ، باب ما جاء في التلبية، ر: ٨٢٥، صـ٢٠٦. و"نصب الراية" کتاب الحجّ، باب الإحرام، ٣/ ٢٩.

کرنا محض نافہمی و مُغالطہ دہی ہے، اور باوجود اعتراف اس امر کے کہ مجتہدات ائمہ حکمِ سنّت میں ہیں ایسے افعال کو گمراہی وضلالت ٹھہرانا، اور اختلافاتِ صحابہ میں ایک جانب کو بدعتِ سیئہ اور فاعلین کو مبتدع وگمراہ کہنا شعبۂ رفض اور بڑی گستاخی ہے۔

خامساً: سب سے زیادہ جرأت و بے باکی متکلّم قنّوجی کی یہ ہے کہ بعض آثار واقوال میں لفظِ بدعت کے ساتھ اُس فعل کی خوبی بھی بتصریح مذکور ہے، ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول در بابِ نمازِ چاشت نقل کیا: «إنها بدعةٌ»، اور کچھ خبر نہیں کہ اطلاقِ بدعت کے ساتھ حضرت ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُس کی مدح فرمائی۔

مجاہد ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں: «بدعة ونعمتِ البدعة»، "غنیۃ الطالبین" میں بروایتِ ابنِ عمر اس قدر زیادہ ہے: «وإنّها لمن أحسنِ ما أحدَثه النّاسُ»[1]، اور یہ بھی ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے وارد ہوا: «ما ابتدع المسلمون أفضلَ من صلاة الضُّحى»[2]، تو ارشادِ ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اس مسئلہ میں تقسیمِ بدعت کی کھلی دلیل ہے، معترض کو مفید ٹھہرانا اور بے تکلّف مُباحثۂ علماء میں پیش کرنا ذات شریف ہی کا کام ہے، اور صرف لفظ: «إنها بدعةٌ» نقل کرنا اور ان تصریحات کو ہضم کر جانا، امرِ دین میں کیسی چالاکی وجرأت ہے؟! اَیسے لوگ اگر نمازِ فرض سے منکر ہو بیٹھیں اور ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾[3] قرآن سے نقل کر کے ﴿وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾[4] اُڑا دیں، کچھ عجب نہیں۔

---

(١) "الغنية لطالبي طرق الحقّ ﷻ" القسم ٤ في فضائل الأعمال، باب في ذكر فضائل أيّام الأسبوع... إلخ، فصول أوراد النهار، فصل وقد ورد عن بعض الصحابة... إلخ، ٢/ ١٦٤.

(٢) "عمدة القاري" أبواب التطوّع، باب صلاة الضحى في السفر، تحت ر: ١١٧٥، ٥/ ٥٤١.

(٣) پ٥، النسآء: ٤٣.

(٤) پ٥، النسآء: ٤٣.

اور سنیے! خود قولِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ در باب جمعِ مصحف: «قلت لعمر: كيف تفعل شيئاً لم يفعله رسولُ الله ﷺ؟! فقال عمر رضي الله تعالى عنه: هو والله! خيرٌ، فلم يزل عمرُ يراجعني حتّى شرح اللهُ صدرِي لذلك، ورأيتُ في ذلك الذي رأى عمرُ»[1].

اور قولِ زَید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی باب میں: «قلت، يعني لأبي بكرٍ: كيف تفعلون شيئاً لم يفعله رسولُ الله ﷺ؟ قال: هو واللهِ! خيرٌ، فلم يزل أبو بكرٍ يراجعني»[2]... إلخ، "بخاری شریف" سے نقل کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! حضرت ابوبکر وزَید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پہلے کلام سے تو استدلال ہوتا ہے، اور اس طرف اصلاً نظر نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قول سے رائے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع فرمائی، اور حضرت زَید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انہیں الفاظ سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائے تھے ترغیب دی، اور ان کی ترغیب واِصرار کے بعد یہ شُبہ حضرت زَید کی طبیعت سے بھی رفع ہوا، یہاں تک کہ قرآن جمع کیا، اور سب صحابہ نے اتفاق فرمایا۔

وہابی صاحبو خدارا انصاف! اس حدیث شریف کا مضمون ہمارے تمہارے مُباحثہ پر ھُوَ ھُوَ بِلا کمی وزیادت منطبق ہے، بڑی دَوڑ تمہاری مسائلِ متنازع فیہا میں یہی ہے کہ یہ افعال زمانۂ رسالت خواہ قُرونِ ثلاثہ میں نہ پائے گئے، اور ہم بعینہ وہی جواب دیتے ہیں جو حضرت عمر نے حضرت صدیقِ اکبر، پھر صدیقِ اکبر نے حضرت زَید بن ثابت کو دیا کہ "یہ کام اچھا ہے، گو اگلے زمانے میں واقع نہ ہوا، اور حضرت صدیقِ اکبر اور زَید بن ثابت نے اس جواب کو کافی وافی سمجھ کر شُبہ سے رجوع فرمائی، اور سب صحابہ نے بالاتفاق جمعِ مصحف باوجود ترکِ حضرت رسالت علیہ الصلاۃ والتحیہ پسند کیا، تو یہ بحث عصرِ صحابہ میں بخوبی

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ر: ٤٩٨٦، صـ٨٩٤، بتصرّف.

(٢) "صحيح البخاري" كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ر: ٤٩٨٦، صـ٨٩٤.

طے ہولی، اور اس شُبہ کی بے اصلی پر صحابہ نے اِجماع کرلیا"۔ کیا یہ جواب جس پر اتفاق و اجماع صحابہ منعقد ہوا اس شُبہ کے دفع میں کفایت نہیں کرتا؟! سچ ہے: تعصب عقل وحیا کھودیتا ہے، اور ہوائے نفس بصیرت کو اندھا کرتی ہے کہ حق بات نظر ہی نہیں آتی ومَن لم يجعل اللهُ له نوراً فما له من نور.

اب رواياتِ فقہ کی (کہ مؤلِّف نے مفیدِ مدّعا ومؤیّدِ تفسیر قرار دیں) کیفیت سن لیجیے! حاصلِ استدلال یہ کہ "فقہاء نے بعض اُمور کو بدیں جہت کہ قرونِ ثلاثہ سے منقول نہ ہوئے بدعت ومکروہ فرمایا"۔

اوّلاً: مؤلِّف کے نزدیک بھی اس قدر سے کراہت ثابت نہیں ہوتی، خود اسی رسالہ میں لکھا ہے: "ہرچند عدمِ ماثُوریت یا عدمِ منقولیّت عملے از قُرونِ ثلاثہ مُوجِب سیئہ بُودن آن نیست، لیکن عدمِ ماثُوریت یا عدمِ منقولیتِ آں از مجتہدین البتہ مُوجبِ سیئہ بُودن آن ہست"، تو رواياتِ مستندۂ مؤلِّف کے بھی خلاف ہیں، اور اس قاعدۂ مسلّمۂ مؤلِّف سے منقوض، اور پچھلے فقرے کے رَد میں بعض بیانات ہمارے رسالہ "أصول الرَشاد"(۱) کے کفایت کرتے ہیں۔

ثانیاً: ابھی بیان ہوا کہ یہ شُبہ زمانۂ صحابہ میں طے ہوگیا، اور یہ بات ٹھہر گئی کہ امرِ خیر کا زمانۂ سابق میں نہ ہونا اس کی خیریت وخوبی میں کچھ خلل نہیں ڈالتا، اور صحابہ نے برخلاف اس شُبہ کے عمل کرکے قرآن کے جمع ہونے پر اپنی رضامندی ظاہر کی، تو اس کی بے اصلی پر اتفاق ہولیا، بایں ہمہ اگر کسی فقیہ کو یہ شبہ عارض ہو تو برخلاف قول وفعلِ صحابۂ کرام کب قابلِ التفات ہے؟! غضب تو یہی ہے کہ یہ حضرات اگر ایک بات کسی کتاب میں مفیدِ مطلب اپنے زعم کرلیتے ہیں، اُس کے مقابلے میں تمام شرع سے منہ پھیرتے ہیں! نہ خدا سے خوف، نہ رسول سے شرماتے ہیں، نہ صحابہ وتابعین وائمۂ مجتہدین کا ارشاد کچھ خیال میں لاتے ہیں۔

ثالثاً: انہیں اقوالِ فقہاء میں (کہ مفیدِ مطلب ومؤیدِ تفسیرِ مخترع سمجھے گئے) اکثر اقوال میں صرف عدمِ نقل پر حضرت رسالت وصحابۂ آنحضرت ﷺ سے کفایت کی، اور یہ تو نہایت ظاہر کہ فقہاء سو جگہ

---

(۱) "اصول الرَشاد" مقدمہ، ص۷۹-۸۱۔

عدمِ نقل پر جنابِ رسالت سے اقتصار فرماتے ہیں، اور اُسے وجہ ممانعت وکراہت کی ٹھہراتے ہیں، اور یہ صریح مخالف مقصودِ مستدِل ہے؛ کہ اس تقدیر پر معمولاتِ زمانۂ تابعین، بلکہ عصرِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین بھی بدعت ومکروہ ٹھہریں گے، پھر ان اقوالِ پریشان کو مفیدِ مدّعا ومؤیّدِ تفسیر سمجھنا اور اس طمطراق کے ساتھ مُباحثۂ علماء میں ذکر کرنا نافہمی نہیں تو کیا ہے ؟!

رابعاً: یہی فقہاء[1] اور اِن کے اَمثال یا اِن سے اَمثَل اور اکثر کبرائے مؤلِّف اور اُن کے مستندین صدہا اُمورِ خیر کو (جن کا وجود قُرونِ ثلاثہ میں نہ تھا، نہ مجتہدینِ مِلّت نے تصریح فرمائی) مستحسن اور بعض کو واجب کہتے ہیں، یہاں تک کہ صاحبِ "عین العلم" بطورِ قاعدہ کلیہ فرماتے ہیں: "والإسرارُ بالمساعدة فيما لم يُنهَ عنه وصار معتاداً بعد عصرهم حسنٌ، وإن كان بدعةً"[2] یعنی مُوافقت کے ساتھ قوم کو خوش کرنا ایسے فعل میں جس کی ممانعت شرع سے نہ ہوئی، اور اُن کے زمانے کے بعد اُس کی عادت ہوگئی، گو وہ فعل بدعت ہو اچھا ہے۔ اور "فتح القدیر" کے آدابِ زیارتِ بابرکت میں لکھا ہے: "وكلّ ما كان أدخَل في الإجلال كان حسَناً"[3] یعنی "جو بات نبی ﷺ کی تعظیم میں زیادہ دخل رکھتی ہو اچھی ہے"۔

---

(۱) **أقول:** بظاہر کہ یہ تقریرِ منیر استدلالِ وہابیہ کے ردّ وجواب میں ہے، حاصل اس کا منع ہے؛ کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ فقہاء مجرّد عدمِ نقل کو مثبتِ منع جانتے ہوں، سند یہ کہ یہی فقہاء اور ان کے اَمثال۔۔۔ الخ۔ اور حل وہ ہے جو حقیقۃ الامر میں افادہ ہوگا، خواہ اسی نقضِ اِجمالی کے رنگ پر تقریر کیجیے، یعنی یہ تمہارا تمسک صحیح ہو، تو فساد لازم آئے، فقہاء قائل بالمتنافیین ٹھہریں، اپنا کلام آپ رَد کریں، یا مُعارضہ ہے، اور وہ ظاہر ہے، بہر حال بجوابِ سوال پھر اعادۂ استدلال صریح جہل وضلال۔ یہ نکتہ خوب یاد رکھنے کا ہے!؛ کہ مخالف کو ان عبارات کے مقابل اپنے اُسی تمسّکِ مردود کے پیش کرنے کا کوئی حق نہیں، ولكنّ الوهابيّة قومٌ يجهلون. (امام احمد رضا خان)

(۲) "عين العلم" الباب ۹ في الصمت وآفات اللسان، ۱/ ۵۰۹، ۵۱۰ بتصرّف.

(۳) "فتح القدير" كتاب الحجّ، باب الهدي، مسائل منثورة، ۳/ ۹۴ ملتقطاً.

وفي "البحر الرائق": "ذكر الخلفاء الراشدين مستحسن، بذلك جرى التوارُث ويذكر العمَّين"[١]، وفي "الدرّ المختار": "يُندب ذكرُ الخلفاء الراشدين والعمَّين"[٢]، وفيه أيضاً: "التسليم بعد الأذان حدث في ربيع الآخر، سنة٧٨١ سبعمئة وإحدى وثمانين في عشاء ليلة الاثنين، ثمّ يوم الجمعة، ثمّ بعد عشر سنين حدث في الكلّ إلاّ المغرب، ثمّ فيها مرّتَين، وهو بدعة حسنة"[٣]، وأيضاً فيه[٤] في المسألة المصافَحة بعد العصر: "قولهم: إنّه بدعة، أي: حسنة مباحة كما أفاده النَوَوي في "أذكاره"[٥] وغيرُه في غيره"[٦]... إلخ. وفيه أيضاً: "(والتلفّظ عند الإرادة بها مستحبّ) وهو المختار، (وقيل: سنّة) يعني أحبّه السلَف، أو سنّه علماؤنا؛ إذ لم ينقل عن المصطفى والصحابة والتابعين، بل قيل: بدعة"[٧]. قال الطحطاوي: "لكنّها

---

(١) "البحر الرائق" كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة، ٢/ ٢٥٩.

(٢) "الدرّ المختار" كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة، ٥/ ٤٢، ٤٣.

(٣) "الدرّ" كتاب الصّلاة، باب الأذان، ٢/ ٥٩٦، ٥٩٧ بتصرّف.

(٤) أي: في "الدرّ" كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، ٥/ ٢٤٤.

(٥) "الأذكار" كتاب السلام والاستئذان...، باب في مسائل تتفرّع على السلام، فصل في المصافَحة، تحت ر: ٧٤٥، صـ٤٣٥.

(٦) انظر: "القواعد الكبرى" قاعدة في المستثنيات من القواعد الشرعيّة، فصل في البدَع، أمثلة للبدَع المباحة، ٢/ ٣٣٩.

(٧) "الدرّ" كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، ٣/ ٥٤، ٥٦، ٥٧ ملتقطاً.

حسنةٌ على المعتمَد لا سيئة"[1]، وفي "الدرّ المختار" أيضاً: "(و) جاز (تحليّة المصحف) لما فيه من تعظيمه"[2]... إلخ.

وأيضاً فيه: "وعلى هذا لا بأسَ بكتابة أسامي السُّوَر وعدّ الآي والعلامات، فهي بدعةٌ حسنة"[3]... إلخ، وصرّح باستحسان علامات الحمرة وتحسين الكتابة في "الإحياء"[4] أيضاً، وفي "الدرّ المختار"[5] أيضاً: "ولا بأسَ به عقب العيد؛ لأنّ المسلمين توارثوه، فوجب اتّباعُهم، وعليه البَلخيّون، ولا يمنع العامّة من التكبير في الأسواق في الأيّام العشر، وبه نأخذ، "بحر"[6] "مجتبى"[7] وغيره"[8].

قال الطحطاوي[9] في فصل الجمعة: "سُئل العلاّمة محمّد البرهمتوشي عن حكم الترقية، فقال: إنّها بدعةٌ حسنةٌ استحسنها المسلمون، وقال ﷺ: «ما رآه

---

(١) "حاشية الطحطاوي على الدرّ" كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، ١/ ١٩٤.

(٢) "الدرّ" كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، ٥/ ٢٤٧.

(٣) "الدرّ" كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، ٥/ ٢٤٧ ملتقطاً.

(٤) "إحياء علوم الدين" كتاب آداب تلاوة القرآن، الباب ٢ في ظاهر آداب التلاوة، ١/ ٣٢٦.

(٥) "الدرّ" كتاب الصّلاة، باب العيدين، ٥/ ١٥٠، ١٥١.

(٦) "البحر" كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ٢/ ٢٨٩.

(٧) "المجتبى" كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، تكبير التشريق، ١/ ق٧٣، ٧٤.

(٨) انظر: "حاشية الشّلبي" كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، الجزء ١، صـ٢٢٤.

(٩) أي: في "ط" كتاب الصّلاة، باب الجمعة، ١/ ٣٤٧.

المسلمون حَسناً فهو عند الله حَسن»"[١]... إلخ. قال القاري في "شرح الأربعين" في صلاة الرغائب: "فصلاة مئة ركعة بأيّ طريقٍ لا يكون من البِدَع المذمومة مع ما ورد عن ابن مسعود رضي الله عنه أنّ ما رآه المسلمون"[٢]... إلخ.

وفي "شرح الطحاوي": "الأفضل أن يشتغلَ بقلبه بالنيّة ولسانه بالذكر ويده بالرفع"[٣]، في "المنية": "والمستحبّ في النيّة أن ينويَ بالقلب ويتكلّم باللسان، وهذا هو المختار"[٤]. قال في "البحر": "وصحّحه في "المجتبى""[٥]. وفي "الهداية"[٦] و"الكافي"[٧] و"التبيين" أنّه "يحسن لاجتماع عزيمته"[٨]، وفي "الاختيار"[٩] معزيّاً إلى محمّد بن الحسن أنّه سنّة، وهكذا في "المحيط"[١٠] و"البدائع" -إلى أن قال بعد نقل خلافه-: وزاد في

---

(١) "المعجم الأوسَط" باب الزاي، من اسمه زكريا، ر: ٣٦٠٢، ٢/ ٣٨٤.

(٢) "المبين المعين لفهم الأربعين" تحت الحديث ٥، صـ٦٧ ملتقطاً بتصرّف.

(٣) "شرح الطحاوي" باب صفة الصّلاة، قـ٣٩.

(٤) "منية المصلّي" الشرط ٦ النيّة، صـ١٥٤ بتصرّف.

(٥) "المجتبى" كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، ١/ ق٣٣.

(٦) "الهداية" كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة التي تتقدّمها، الجزء ١، صـ٥٥.

(٧) "الكافي" كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، ١/ ق٥٩.

(٨) "التبيين" كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، الجزء ١، صـ٩٩.

(٩) "الاختيار" كتاب الصّلاة، باب ما يفعل قبل الصّلاة، الجزء ١، صـ٥٢.

(١٠) "المحيط" كتاب الصّلاة، باب النيّة، صـ٤٧ من المخطوط.

"شرح المنية"[1] أنّه لم ينقل عن الأئمّة الأربعة أيضاً فتحرّر من هذا أنّه بدعةٌ حسنة عند قصد جمع العزيمة، وقد استفاض ظهور العمل بذلك في كثير من الأعصار في عامّة الأمصار، فلعلّ القائل بالسنّيّة أراد بها الطريقة الحسَنة لا طريقة النبي ﷺ"[2]. وفي "الغنية"[3] بعد نقل أنّها لم تنقل عن القرون الثلاثة: "لكن عدم النقل وكونه بدعةً لا ينافي كونه حسناً لقصد اجتماع العزيمة على ما أشار إليه في "الهداية"، وصرّح به في "التجنيس""[4].

وفي "شرح المشكاة" لعلي القاري: "أنّ الأكثرين على أنّ الجمع بينهما مستحبّ؛ لتسهيل تعقّل معنى النيّة واستحضارها"[5]... إلخ. وفي "المواهب اللدُنية": "والذي استقرّ عليه أصحابنا استحباب النطق بها"[6] وفي "شرح الوقاية": "واستحسن المتأخّرون التثويبَ في الصّلوات كلّها"[7]، وفي "الدرّ المختار": "(يثوّب)

---

(١) أي: "حلبة المجلّي" كتاب الصّلاة، الشرط ٦: النيّة، ٢/ ق٤١.

(٢) "البحر" كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، ١/ ٤٨٣، ٤٨٤.

(٣) "غنية المتملّي" الشرط ٦: النيّة، صـ٢٥٤.

(٤) "التجنيس والمزيد" كتاب الصّلاة، باب فيما يتقدّم الصّلاة من الشروط، فصل في النيّة، ١/ ٤١٤.

(٥) "المرقاة" حديث النيّة المسمّى بطليعة كتب الحديث، ١/ ٩٤ بتصرّف.

(٦) "المواهب اللدُنيّة" المقصد ٩ في عباداته ﷺ، النوع ٢، القسم ١ في الفرائض، الباب ١: الصلوات الخمس، الفصل ٣، الفرع ١، ٤/ ٧٣.

(٧) "شرح الوقاية" كتاب الصّلاة، باب الأذان، ١/ ١٥٤ بتصرّف.

بين الأذان والإقامة للكلّ بما تعارفوه (إلاّ في المغرب)"[1]. قال الباقاني في مسألة التعريف: "لو اجتمعوا لشرَف ذلك اليوم (أي: عرفة) لسماع الوعظ بلا وقوفٍ وكشفِ رأسٍ جاز، بلا كراهة اتّفاقاً"، وفي "الجامع الصغير" و"شرح الظهيري": "ويكره التعشير والنقط"[2] والمشايخ لم يرَوا به بأساً؛ لأنّ العجم لا يمكن لهم التلاوة إلاّ بالنقط، وأمّا كتابة أسامي السوَر وعدّ الآي ونحوهما فهي بدعةٌ حسنة، وقال شرف الأئمّة المكّي رحمه الله: القراءة على القبر بدعة حسَنة.

وفي "شرح الوقاية": "استحسن المتأخّرون العمامةَ"[3]، وفي "الهنديّة" عن "جواهر الأخلاطي"[4]: "لا بأسَ بكتابة أسامي السوَر وعدد الآي، وهو وإن كان إحداثاً فهو بدعةٌ حسنة، وكم من شيءٍ كان إحداثاً وهو بدعةٌ حسنة، وكم من شيءٍ يختلف باختلاف الزّمان والمكان"[5]. وفي "فتاوى قاضي خانْ": "تكلّموا في الدّعاء عند ختم القرآن في شهر رمضان بالجماعة، واستحسنة المتأخّرون، فلا يمنع عن ذلك"[6] إلى غير ذلك من المسائل.

---

(١) "الدرّ" كتاب الصّلاة، باب الأذان، ٢/ ٥٩٤، ٥٩٥ ملتقطاً.

(٢) "الجامع الصغير" كتاب الوصايا، مسائل متفرّقة ليست لها أبواب، صـ٥٣٤.

(٣) "شرح الوقاية" كتاب الصّلاة، باب الجنائز، ١/ ٢٥٢.

(٤) "جواهر الأخلاطي" كتاب الأضحِية، قـ٢٣٣.

(٥) "الهندية" كتاب الكراهية، الباب ٥ في آداب المسجد والقبلة... إلخ، ٥/ ٣٢٣.

(٦) "الخانية" كتاب الصّلاة، باب الحدث في الصلاة...، الجزء ١، صـ٨٠ ملتقطاً.

دیکھو! ان کتبِ کثیرہ میں ان جماعاتِ فقہائے کرام نے خطبوں میں خلفائے راشدین و عمّین مکرّمین کا ذکر شریف، اذان کے بعد موذّن کا باآواز بلند نبی ﷺ پر عرضِ صلاۃ وتسلیم، نمازِ عصر کے بعد مصافحہ، زبان سے نماز کی نیت، مصحف پر سونا چڑھانا، قرآنِ عظیم میں سورتوں کے نام آیتوں کا شمار، وقف وغیرہ کے علامات لکھنا، نمازِ عید کے بعد تکبیر کہنا، عام آدمیوں کا بازاروں میں باآواز عشرۂ ذی الحجہ میں تکبیریں کہتے پھرنا، جب امام روزِ جمعہ منبر پر جائے موذّن کا آیۂ کریمہ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾[1] اور حدیثِ انصات[2] پڑھنا، رجب کی پہلی شبِ جمعہ میں سو رکعت نمازِ رغائب ادا کرنا، نمازوں کے لیے اذان بعد اذان کہنا، روزِ عرفہ تشبّہِ حُجاج کے لیے مسلمانوں کا جمع ہو کر جنگل کو جانا، قرآنِ عظیم میں ہر دس ۱۰ آیت پر علامت لکھنا، نقطے اور اعراب لگانا، قبر پر حافظ کو تلاوت کے لیے بٹھانا، میّت کے عمامہ باندھنا، ماہِ مبارک رمضان میں وقتِ ختمِ قرآن جمع ہو کر دعا مانگنا وغیر ذلک اُمورِ کثیرہ کو نَوپیدا مان کر حکمِ جواز واستحباب دیا۔

تسلیم بعد الاذان میں تصریح فرمائی کہ وہ ۷۸۱ھ میں عشائے دوشنبہ، پھر اذانِ جمعہ پھر ۷۹۱ھ میں بجز مغرب سب اذانوں، پھر اذانِ مغرب میں بھی حادث ہوئی، اس قدر نَوپیدا ہے، مگر بدعتِ حسَنہ ہے، زبان سے نیّت کو فرمایا: نبی ﷺ وصحابہ وتابعین حتی کہ ائمۂ اربعہ میں بھی کسی سے منقول نہیں، بایں ہمہ مستحب ہے، حسَنہ ہے، سنّتِ علماء ہے، نامِ سوَر وشمارِ آیات لکھنے کو فرمایا: اگرچہ نَوپیدا ہے مگر بدعتِ حسَنہ ہے؛ کہ بہت نَوپیدا چیزیں حسَن ہوتی ہیں، اور بہت اَحکام اختلافِ زمان ومکان سے مختلف ہو جاتے ہیں، اگر

---

(١) پ٢٢، الأحزاب: ٥٦.

(٢) أخرجه عبد الرزّاق في "المصنَّف" كتاب الجمعة، باب ما يقطع الجمعة، ر: ٥٤١٨، ٣/ ٢٢٣، عن معمر عن همام بن منبّه أنّه سمع أبا هريرة يقول: قال رسول الله ﷺ: «إذا قلتَ للنّاس: أنصِتوا يومَ الجمعة وهم ينطقون والإمام يخطب، فقد لغوتَ على نفسِك».

مجرّد عدمِ نقل مُوجب کراہت ہوتا توان اَحکام وبیانات کی کیا گنجائش تھی؟! کیا وہ بھی آپ لوگوں کی طرح (معاذاللہ): «يقولون ما لا يفعلون، ويفعلون ما لا يؤمَرون»[1] میں داخل تھے؟!۔

حقیقۃ الامر یہ ہے کہ عدمِ نقل کسی فعل کا قرونِ ثلاثہ خواہ حضرتِ رسالت وصحابہ سے عدمِ وقوع کو مستلزم نہیں، کما قال في "فتح القدير": "وبالجملة عدم النقل لا ينفي الوجود"[2] بلکہ اس سے عدمِ وجدانِ نقل ہی مراد ہوتا ہے؛ کہ استقرائے تام کا دعویٰ نقل کی نسبت بھی دشوار کام، توکسی کا یہ کہہ دینا کہ "یہ فعل قرونِ ثلاثہ میں نہ تھا" مقامِ تحقیق میں محلِ کلام ہے، کیا یہ بزگوار اس قدر بھی نہیں سمجھتے کہ ایسے کلام اَحکام کے مبنیٰ نہیں ہوسکتے، اور جب کلامِ فقہاء کا یہ حال ہے تو مخالفین کو ایسے بڑے دعوے کی کیا مجال ہے؟!

"بخاری شریف" میں وارِد ہوا: کسی نے ابنِ عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نمازِ چاشت پڑھتے تھے؟ فرمایا: «لا إخاله»[3] دیکھو ایسے صحابیِ جلیل الشان باعظمت متتبّع ومتفحّصِ سنّت تو عدمِ وقوع وترک پر جزم نہ کرسکے! اور یہ حضرات بایں بضاعتِ مزجات جس امر کی نسبت چاہتے ہیں بے تکلف عدمِ وقوع وعدمِ نقل کا دعویٰ کرتے ہیں، قطع نظر اس سے مجرّد ترک وعدمِ وقوع دلیلِ کراہت نہیں؛ کہ ترک[4] دوسری جہت سے بھی ہوتا ہے۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر... إلخ، ر: ۱۷۹، صـ۴۲.

(۲) "فتح القدير" كتاب الطهارات، ۱/ ۲۰.

(۳) "صحيح البخاري" أبواب التطوّع، باب صلاة الضحى في السفر، ر: ۱۱۷۵، صـ۱۸۷، ۱۸۸ ملتقطاً.

(۴) **فائدہ جلیلہ:** اَقول وباللہ التوفیق: بلکہ ترک جب تک بمعنیٰ کف وبازماندن واحترازِ قصدی واجتنابِ عمدی نہ لیا جائے، سرے سے افعالِ مکلّفین ہی سے نہیں، نہ زیرِ قدرتِ بشری داخل، تواس میں اتباع کیونکر متصوّر؟! "اَشباہ والنظائر" میں تعریفِ نیت میں فرمایا: "هي في اللغة القصد. وفي الشرع كما في "التلويح": "قصد الطاعة

=

البتہ اجتنابِ جناب واصحاب و احترازِ قصدی کسی فعل سے اُس کی کراہت پر دلالت کرتا ہے، بشرطیکہ کوئی اصلِ شرعی خوبی واجازت پر دالّ، اور کراہت کے سوا کوئی امر ترک پر باعث، اور فعل کا مانع نفس الامر میں متحقق، اور عمل بالرخصہ وتعلیمِ جواز ورعایتِ حقوقِ نفس وخلق وغیرہا امور مذکورہ سابقہ کا احتمال نہ ہو، توبدُون تحقیق وتفتیش اِن اُمور کی صرف کسی کے کہہ دینے، خواہ لکھ دینے سے فعلِ متروک کو مکروہ ٹھہرانا سراسر خلافِ تحقیق ہے، اور جس حالت میں اُن افعال کی (جن کی کراہت کلامِ بعض فقہاء میں مصرّح) یہ کیفیت ہے توتفریعاتِ مخالفین وقیاساتِ مانعین کس شمار میں ہیں؟! خصوصاً جن افعال کا استحباب خواہ جواز اصلِ شرعی سے ثابت، انہیں مکروہاتِ فقہاء پر قیاس کرنا نری دانائی ہے۔

والتقرّب إلى الله تعالى في إيجاد الفعل" ["التلويح" الركن ١ في الكتاب، التقسيم ٢، فصل، مسألة لا بدّ للمجاز من قرينة، ١/ ٢٠٩] اهـ. ولا يرد عليه النيّة في التروك؛ لأنّه كما قدّمناه، لا يتقرّب بها إلاّ إذا صار الترك كفّاً، هو فعل، وهو المكلّف به في النهي، لا الترك بمعنى العدم؛ لأنّه ليس داخلاً تحت قدرة العبد، كما في "التحرير" ["الأشباه والنظائر" الفنّ ١: القواعد الكلّية، القاعدة ٢: الأمور بمقاصدها، صـ٢٤ ملتقطاً بتصرّف].

سیّدِعالم ﷺ سے ایک فعل واقع نہ ہوا، اب جب تک یہ ثابت نہ کرو کہ حضور اقدس ﷺ نے بالقصد اُس سے اجتناب فرمایا، تم اتباع کس طور پر کرو؟ بالقصد اُس سے بچو گے؟ یایوں کہ تمہارا کوئی قصد بچنے کا نہ ہو، مگر فعل تم سے واقع نہ ہو؟ ثانی میں تمہیں کیادخل جب تمہارے قصد کا قدم درمیان نہیں؟ تواب فعل کا وجود وعدم محض ارادۂ الٰہیّہ پر رہا، تم نے اتباع کاہے میں کیا؟ اور اوّل پر اتباع نہ ہوا، ابتداع ہوا؛ کہ مصطفی ﷺ سے توبالقصد اُس فعل کا چھوڑنا ثابت نہ تھا، اور تم نے قصداً چھوڑا، توتم نے وہ کیاجو حضور سے اصلاً ثابت نہ تھا، کیااسی کواتباع کہتے ہیں؟! توثابت ہواکہ مجرّد ترک پر بالقصد بچنا خود ہی اُس فعل میں پڑنا ہے، جو ہرگز مصطفی ﷺ سے ثابت نہیں۔ ع ہمیں اِلزام دیتے تھے قصور اُن کا نکل آیا۔ هكذا ينبغي التحقيق، والله تعالى وليّ التوفيق!. (امام احمد رضا خان)

بالجملہ مدارِ کار اجتناب واحترازِ قصدی پر ہے، نہ مجرد ترک خواہ عدمِ نقل وعدمِ وجدانِ نقل پر، البتہ اس اجتناب واحتراز کو بعض فقہاء نے ترک خواہ عدمِ وقوع وعدمِ نقل وغیرہا سے مُسامحۃً تعبیر کیا، لاحقین نے بھی وہی تعبیر برقرار رکھی، جس طرح تمثیلِ عرضی کے ضحک وتعجب کے ساتھ فنِ میزان میں شائع ہوگئی، بعض نے اسی کو حقیقۃً مبنیٰ سمجھ کر اَحکام بِنا کیے کہ محققین نے رَد کردیے، لطف تو یہ ہے کہ متکلمینِ مخالفین بھی اس امر پر متنبہ ہوکر کسی جگہ وجودِ مقتضی وعدمِ موانع کی قید ملحوظ رکھتے ہیں، اور دوسرے مقام پر بھول جاتے ہیں، کاش! ہر جگہ ملحوظ رکھتے تو اکثر مواردِ نزاع طے ہوجاتے، اور وجہ اضطراب واختلافِ اقوال کی ظاہر نہ ہوتی؛ کہ جس نے فعل کے لیے کوئی اصلِ شرعی اور ترکِ جناب واصحاب کے لیے خارج سے کوئی باعث خواہ اُس وقت فعل کے لیے مانع پایا، فعل کو بحسب مقتضائے اصل خواہ بنظرِ مصالحِ دینیّہ جائز یا مستحب یا واجب فرمایا، اور جسے کوئی دلیل ہاتھ نہ آئی اور وہاں ترک کو اجتناب واحترازِ قصدی سمجھا، یا مطلق ترک واجتنابِ قصدی میں فرق نہ کیا، کراہت کا حکم دیا، اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ اَیسی جگہ کثرتِ مانعین کے ساتھ بھی حق بجانبِ مجوّز و مُبیح ہے؛ کہ حکم اُس کا دلیل کے ہاتھ آنے اور حکم مانعِ دلیل نہ پانے اور انعدامِ اصل پر مبنی ہے، بلکہ حقیقۃً اختلاف ہی نہیں؛ کہ اگر مانع دلیلِ مجوّز پاتا اُس کے ساتھ اتفاق کرتا، تو یہ بیانِ مخالفین (کہ در صورتِ اختلاف احتیاط ترک میں ہے) اَیسی جگہ نری مغالطہ دہی ہے، یہ صرف اُسی مقام میں مسلّم ہے کہ طرفین دلائل پیش کریں اور دلیلِ مجوّز دلیلِ مانع سے قوی نہ ہو، اور ایک وجہ اختلاف کی ارتفاعِ علّت حرج یا حُدوث اقتضائے مصلحت ہے، اور اختلافِ زمان اسی سے عبارت ہے، یہ بھی قاعدۂ مستندۂ مخالفین کے (کہ موردِ اختلاف میں خواہ مخواہ جانبِ منع کو ترجیح ہے) مخالف ومُنافی ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ مصنّفِ "غایۃ الکلام" نے اسی مقدّمہ میں موردِ قسمت قائلینِ تقسیم کے نزدیک بدعتِ لُغوی یا معنیٔ شرعی قریبِ لُغوی یعنی المحدَث بعد رسول الله ﷺ کو ٹھہرایا ہے، اور اپنی تفسیر کے مفاد کو سب کے نزدیک بدعتِ مذمومہ قرار دے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ قائلینِ تقسیم بھی بدعتِ حسنہ اسی کو کہتے

ہیں جو کسی دلیلِ شرعی سے ثابت ہو، اور منکرینِ تقسیم اُسے سنّت میں داخل کرتے ہیں، تو نزاع تقسیم وعدمِ تقسیم میں محض لفظی ہے، اور جو محدَث کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہیں بالاجماع حُسن وخوبی سے خالی ہے۔

أقول وباللہ أستعین [اوّلاً]: معنیٔ مخترعِ مصنّف میں عدمِ ثبوت سے اگر عدمِ تصریحِ جزئیاتِ ہیآتِ مخصوصہ کے ساتھ مراد، تو یہ معنیٰ بالاَصالۃ خواہ ضمنِ معنیٔ عام میں قطعاً منقسم؛ کہ قائلینِ تقسیم صدہا اُمور کی نسبت (کہ کتاب وسنّت میں بخصوصہا مصرّح نہیں) جواز واستحباب کا حکم کرتے ہیں، اور جو عدمِ ثبوت سے عام مراد ہے تو ہر چند یہ معنیٰ قابل قسمت نہیں، لیکن اس تقدیر پر اُمورِ متنازع فیہا مفہومِ بدعت سے خارج، اور اُن کے جواز واستحباب کا اعتراف واجب، اور یہ سب عرق ریزی وجانفشانی (کہ معنیٔ لُغوی کو مقسم اور معنیٔ شرعی کو غیر منقسم ٹھہراتے ہیں) بے کار وضائع ہوگئی، فتبصّر!۔

اور عبارتِ تفتازانی وابنِ حجر مکّی وملاّ علی قاری کہ مصنّف نے تفسیرِ بدعتِ مذمومہ میں نقل کیں، اُن کا بھی مآل ومرجع اسی طرف ہے کہ جو حادث کسی دلیلِ شرع سے اصلاً ثابت نہ ہو بدعتِ مذمومہ ہے، دیکھو! ابنِ حجر مکّی وملاّ علی قاری خاص عملِ مولد کو باوجودِ انعدامِ تصریح مستحب کہتے ہیں، تو وہ کس طرح امرِ غیرِ مصرّح کو عموماً بدعتِ سیّئہ کہتے؟! ملاّ علی قاری وابنِ حجر مکّی رحمہما اللہ تعالی کا قول کون سمجھے؟!۔

جناب مصنّف کو اپنی بھی خبر نہیں! خود عدمِ ثبوت وعدمِ نقل کو قرونِ ثلاثہ سے معیار ومدارِ کراہت وگمراہی نہیں ٹھہراتے، بلکہ صاف اِقرار کرتے ہیں کہ "صرف اس قدر سے کراہت اور بدعتِ ضلالت ہونا ثابت نہیں ہوتا"۔ اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ "جس کی اصل کتاب وسنّت سے ثابت، کتاب وسنّت سے ملحق"، اور اصل کا ثبوت مصنّف کے طور پر دو ۲ طریق سے ہوتا ہے: یا اُس کا اعتبار شرع سے عام طور پر ظاہر ہو جائے، جس طرح معمولاتِ قرنِ صحابہ ورَسم ورواجِ قرنِ تابعین، یا وہ جزئی کسی اصلِ شرعی سے ثابت ہو، جیسے مجتہداتِ مجتہدین، سو کل اُمورِ متنازع فیہا ایسے ہی ہیں، اور اُن کے لیے دونوں یا ایک طریق سے اصلِ شرعی موجود۔

ہم نے رسالہ "أصول الرَشاد"[1] میں بیان کیا ہے کہ مآل ومرجع اِس اِنعدامِ اصل کا مخالفت ومزاحمت کی طرف ہے، تواس تقدیر پر معنیٔ دُومِ شرعی کا عدمِ انقسام ثابت ہوا، جو ہمیں بھی مسلّم، اور اب بے شک نزاعِ لفظی آپ کی طرف سے قائم ہوئی۔

اسی طرح تفسیرِ بدعت سے کہ نواب صدیق حسن خان بہادر اپنے رسالے میں اختیار کرتے ہیں: ("بدعت آنست کہ بعد قرونِ ثلاثہ مشہود لہابوجود آمد واصلش از کتاب وسنّت معلوم نشد، وسندش بہ ثبوت نہ پیوستہ چہ ظاہر، چہ خفی، چہ ملفوظ، چہ مستنبط"، اور اُسی رسالہ میں جو چیزیں بالاِجمال ماذُوناتِ شرعیّہ میں داخل اور مقاصدِ شرع کے مُوافق اور اُن کے معین ہیں، گو خصوصیت اُن کی بالتصریح شرع سے ثابت اور صحابۂ کرام سے ماثور نہ ہو، مانند تعمیرِ منارۂ مسجد وتصنیفِ کتب ونظمِ دلائل وغیرہا، اور بحوالہ "فتح الباری"[2] و "شرحِ اربعین معین بن صفی" و "شرحِ ملّاعلی قاری" و "فوز المبین حاجی رفیع الدّین خان مراد آبادی" وغیرہ، ہر اس چیز کو جس کے لیے شرع سے اصل ہے، مفہوم بدعتِ شرعی سے خارج ٹھہراتے ہیں، اور خود تفسیرِ بدعت میں نقل کرتے ہیں: "والمراد بها ما أحدَث وليس له أصلٌ في الشَّرع سُمّي في عُرف الشَّرع بدعة، وما كان له أصلٌ يدلّ عليه الشَّرع فليس ببدعةٍ، فالبدعةُ في عُرف الشَّرع مذمومةٌ بخلاف اللّغة"). ہمارا مدعا ثابت، تو یہ بحث (کہ موردِ تقسیم بدعتِ لُغوی ہے نہ بدعتِ شرعی) ہمارے مقابلے اور اس مُناظرے میں محض لاطائل وفضول ہے۔

بالجملہ یہ دونوں متکلّم مانعین ہماری طرح اُمورِ متنازعہ کے حُسن واباحت کے معترف ہو گئے، اور سِوا اس کے کہ اصل کا دریافت کرنا، اور ایسے حوادث ووقائع میں کتاب وسنّت سے استناد مجتہدین کے سِوا

(۱) "اصول الرَشاد"، فائدۂ رابعہ ۴: لفظ بدعت باصطلاحِ شریعت دو ۲ معنی میں مستعمل ہوتا ہے، ص ۶۹، ۷۱، ۷۲۔

(۲) "فتح الباري" كتاب الاعتصام بالكتاب والسنّة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ... إلخ، تحت ر: ۷۲۷۷، ۱۳/ ۲۸۸ بتصرّف.

دوسروں کو بھی پہنچتا ہے یا نہیں، کچھ نزاع نہ رہا، سو یہ امر بھی ہمارے رسالہ "اصول الرَّشاد" میں بخوبی طے ہوگیا ہے، اور اس مقدمہ میں بھی بالاِجمال بیان کیا ہے، قطع نظر اس سے، یہ دوسری بحث ہے، مقسم میں کلامِ مقام سے اجنبی اور بلاریب لایعنی۔

ایک اَور لطیفہ سنیے! جو تعریفیں علماء سے نقل کیں اُن میں تحدیدِ زمانی کا اصلاً پتا نہیں، اور نہ فی الواقع تحدیدِ زمانی اور وجود (خواہ عدمِ فعل کسی زمانے میں) اس میں دخل رکھتا ہے، بلکہ اخذ اُس کا تعریف میں خلل کرتا ہے، ولہٰذا تعریف ذات شریف کی مانع نہ رہی، اور مذہبِ رفض وخروج وقدر وغیرہا (کہ اُسی زمانے میں پیدا ہوئے) بدعت سے خارج ہوگئے۔ کیا نواب صاحب بہادُر اِن باطل فرقوں کو اَہلِ اَہواء وبدعت سے نہیں سمجھتے؟!

ایک اَور تماشا ہے! یہ فرقِ باطلہ تو باعتبار تعریف کے بدعتی نہ ٹھہرے، اور فرقۂ وہابیہ ضرور بدعتی قرار پایا، جس کا وجود قرونِ ثلاثہ میں نہ تھا، نہ اُن کے عقائد کتاب وسنت میں مصرّح، نہ کوئی سند ظاہر خفی ملفوظ مستنبط اُن کے لیے شرع سے ثابت ہوسکے؛ کہ حضراتِ وہابیہ کے نزدیک اِدراکِ اصل وسند مخصوص بمجتہدین ہے، اور بانیانِ مذہب سے لے کر اب تک اِن صاحبوں کے لیے مرتبۂ اجتہاد کسی دلیل سے کہیں ثابت نہ ہوا، اس تعریف کا کیا کہنا ہے کہ معرّف کا گھر ڈھاتی ہے، مخالف کو مدد پہنچاتی ہے!۔

ثانیاً۲: نواب صاحب حافظ ابن حجر عسقلانی اور ملا علی قاری کو صرف بدعتِ لُغوی کی تقسیم اور بدعتِ شرعی کی علی العموم ضلالت ہونے کا قائل بتاتے ہیں، اور کچھ خبر نہیں کہ یہ دونوں فاضل اجل کس شدّ ومدّ کے ساتھ مَولد کو مستحسن فرماتے ہیں! تو وہ اگر کسی ایسے معنیٔ شرعی کو جس سے مسائلِ متنازع فیہا خارج رہیں عموماً سیئہ وضلالت فرمادیں، نواب صاحب کو کیا مفید؟ اور ہمیں کب مضر ہے! اور مولوی رفیع الدین خان مراد آبادی نے تو خاص بیانِ مولد میں ایک رسالہ بزبانِ فارسی لکھا ہے، اور ملک کشمیر میں اس عملِ مقدّس نے اُن کی وجہ سے زیادہ رَواج پایا ہے۔

ثالثاً۳: ملا علی قاری فرماتے ہیں: "أصلُ البدعة ما أحدث على غير مثالٍ سابق، ويطلَق على ما يقابل السنّةَ، أي: ما لم يكن في عهدِ رسول الله ﷺ، ثمّ ينقسم إلى الأحكام الخمسة، كذا ذكره الحافظ السُّيوطي"[1].

دیکھو! معنیٔ شرعی بالتصریح بیان کر کے اُس کی تقسیم کی، باوجود اس کے اُنہیں تقسیمِ بدعتِ لُغوی کا قائل ٹھہرانا کس درجہ خوش فہمی ہے! اور ما لم يكن في عهد رسول الله ﷺ کو بدعتِ لُغوی ٹھہرانا اور ﴿بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾[2]، ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا﴾[3] سے آنکھ بند کر لینا، اُس سے زیادہ عجیب! پھر دوسرے وقت اُسی معنی کو قریب بمعنیٔ لُغوی کہتے ہیں، اضطرابِ بیان کی کچھ حد ہے؟! اور جب کیفیتِ رسالہ "کلمۃ الحق" ومقدمہ "غایۃ الکلام" ظاہر ہوگئی توسب تقریر "ایضاح الحق" میاں اسماعیل دہلوی کی بھی بعنایتِ الٰہی دفع ہوئی؛ کہ اصل ان کی وہی ہے، بلکہ مصنّفِ "غایہ" نے اُس مضمون کے ساتھ کسی قدر تلمیع اور رنگ آمیزی زیادہ کی ہے، اور کُل تقریریں حضراتِ وہابیہ کی (کہ آج تک اس باب میں سنی، دیکھی ہیں) باطل ہوگئیں؛ کہ انہیں تقریروں سے ماخوذ ہیں، اور جس عامی نے اِن کے سِوا کچھ اپنی طرف سے کہا ہے اصلاً قابلِ اِلتفاتِ علماء نہیں، پس یہ مقدمہ واسطے تحقیقِ بدعت اور اِبطالِ جملہ خرافات وہَذیاناتِ وہابیہ کے کافی ہے، اور اُن کے اِبطال سے بعنایتِ الٰہی نصف وہابیت باطل ہوتی ہے، بلکہ نصف سے زیادہ؛ کہ معانیٔ

---

(١) أي: في "زهر الربى على المجتبى" كتاب صلاة العيدين، باب كيف الخطبة، تحت ر: ١٥٧٤، الجزء ٣، صـ١٨٥، ١٨٦.

(٢) پ١، البقرة: ١١٧.

(٣) پ٢٧، الحديد: ٢٧.

مخترعہ بدعت پر مبنی ہے، ولذلك أطنبنا الكلامَ في هذا المقام، ولله الحمد والمنّة على ما هدانا إلى حقيقة المرام، والصّلاة والسّلام على نبيّنا وآله وأصحابه هداة الأنام.

بابِ اوّل اِثباتِ مجلسِ ملائکِ اِنس میں

ہم نے رسالہ "اُصول الرشاد"[1] کے قاعدۂ دُوم میں عقلاً ونقلاً ہر طرح ثابت کردیا ہے کہ مجموع اُمور مستحسنہ کا مستحسن ہوتا ہے؛ کہ جس طرح مجموع اسوَد واسوَد کا اسوَد، اور ابیَض وابیَض کا ابیَض ہی رہتا ہے، اسی طرح وہ امرِ حسن کے اجتماع سے کوئی حکم مُنافیٔ حکمِ آحاد کے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ حسن اُس کا حسن ہر واحد سے زیادہ ہوجاتا ہے، جیسے بالوں کی رسّی ہر بال سے زیادہ قوت رکھتی ہے، اور بڑی جماعت کی خبر باوجود ظنّیتِ آحاد کے مفیدِ یقین ہوجاتی ہے۔

اب صرف یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ محفلِ مولد کیسے اُمور پر مشتمل ہے، اور حکم اُن کا کیا ہے؟ سو حقیقت اُس کی یہ ہے کہ ایک شخص یا چند آدمی شریک ہوکر بخلوصِ عقیدت ومحبت حضرتِ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ ولادتِ اقدس کی خوشی، اور اس نعمتِ عظمیٰ اعظم نعمِ الٰہیہ کے شکر میں ذکر شریف کے لیے مجلس منعقد کریں، اور حالاتِ ولادتِ باسعادت، ورَضاعت وکیفیتِ نزولِ وحی، وحصولِ مرتبۂ رسالت، واحوالِ معراج وہجرت، وارہاصات ومعجزات واَخلاق وعاداتِ آنحضرت ﷺ، اور حضور کی بڑائی اور عظمت کہ خدائے تعالی نے عنایت فرمائی، اور حضور کی تعظیم وتوقیر کی تاکید، اور وہ خاص معاملات وفضائل وکمالات جن سے حضرتِ اَحدیت جلّ جلالہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کو مخصوص اور تمام مخلوق سے ممتاز فرمایا، اور اسی قسم کے حالات وواقعاتِ احادیث وآثارِ صحابہ وکتبِ معتبرہ سے مجمع میں بیان کیے جائیں، اور اَثنائے بیان میں کتاب خواں وواعظ درود پڑھتا جائے، اور سامعین وحاضرین بھی درود پڑھیں، بعد ازاں ما حضر تقسیم کریں، یہ سب امور مستحسن ومندوب ہیں، اور ان کی خوبی دلائلِ قاطعہ وبراہینِ ساطعہ سے ثابت۔

---

(۱) "اصول الرّشاد" قاعدہ ۲، ص ۹۵-۹۹۔

پہلی دلیل صرف کلامِ ربانی وآیاتِ قرآنی سے ماخوذ و مستفاد: قال الله العليّ الجوّاد: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾(۱) "بے شک اللہ عزّوجل نے احسان کیا ایمان والوں پر کہ بھیجا اُن میں رسول انہیں میں سے، کہ پڑھتا ہے اُن پر اُس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے کتاب وحکمت، اگرچہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"۔

اور ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾(۲) "اور نہ بھیجا ہم نے تمہیں مگر رحمت سارے جہاں کے لیے"۔ اور فرماتا ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾(۳) یعنی "خدا کی کیسی بڑی مہربانی سے تو اُن کے لیے نرم ہوا اور جو درشت خو سخت دل ہوتا تو وہ تیرے گرد سے پریشان ہوجاتے"۔ اور ارشاد ہوا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾(۴) یعنی "اللہ تعالیٰ اُن پر عذاب نہ کرے گا جب تک تو اُن میں ہے"۔

---

(۱) پ٤، آل عمران: ١٦٤.

(۲) پ١٧، الأنبياء: ١٠٧.

(۳) پ٤، آل عمران: ١٥٩.

(٤) پ٩، الأنفال: ٣٣.

اور ارشاد ہوتا ہے: ﴿لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ﴾[1] حاصل یہ کہ "بتحقیق تمہارے پاس ایک رسول آیا جس پر تمہارا مشقّت میں پڑنا ناگوار ہے، تمہاری بھلائی پر حریص ہے، مسلمانوں پر مہربان ہے مہربان"۔

اور فرماتا ہے: ﴿يَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ﴾[2] یعنی "وہ نبی اُنہیں اچھے کام کا حکم دیتا ہے، اور بُرے کام سے منع کرتا ہے، اور پاک چیزیں اُن کے لیے حلال اور ناپاک چیزیں اُن پر حرام فرماتا، اور اُن سے اُن کے بوجھ اور طوق کہ اُن پر تھے اُتارتا ہے"۔

ان آیات اور ان کے اَمثال سے آفتابِ نیم روز کی طرح ظاہر کہ وجودِ باجود حضور پُر نور سیّد عالَم ﷺ کا بہت بڑی نعمت اور ہمارے حق میں سراسر رَحمت ہے، اور کون نعمت اس سے زیادہ ہوگی کہ اُن کے سبب کفر وشرک سے بچے، دینِ حق وصراطِ مستقیم سے واقف ہوئے، بہشت ہاتھ آئی، دوزخ سے نجات پائی، اِجماع ہمارا حجت ہُوا، مرتبہ ہمارا اگلی امتوں سے بڑھ گیا، بے شمار فضیلتیں، بے انتہاء خوبیاں، اور دِین میں برکتیں شریعت میں آسانیاں ہمارے لیے خاص ہوئیں؛ کہ اگلی امتوں کو نہ ملیں، یہاں تک کہ نعمتِ الٰہی

(۱) پ۱۱، التوبۃ: ۱۲۸.

(۲) پ۹، الأعراف: ۱۵۷.

ہم پر تمام ہوئی، اور ہمارے دِین میں کسی طرح کی تنگی نہ رہی، اور ہر نعمت کا تذکرہ وتحدیث بحکم [1]: ﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾[2] مامور بہ۔

تو شکلِ اوّل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ولادتِ باسعادت کا تذکرہ اور مسلمانوں کو اُس کا بیان سنانا مامور بہ ہے، اور امر اس جگہ لا اقل نُدب واستحباب کے لیے ہے، تو ذکرِ ولادتِ باسعادت کا استحباب خدا کی کتاب سے بشکل بدیہیُ الانتاج ثابت ہوا، اور جو مانعین باوجود تصریح "تفسیرِ مدارک" وغیرہ کے: "والصّحيح[3] أنّها تعمّ جميعَ نِعم الله"[4] اس جگہ عموم وکلیّتِ کبریٰ میں کلام کریں گے، اور نعمت کو خاص مذکورات میں منحصر ٹھہرا دیں گے، تاہم ہمارے اصل مدعا میں کچھ حرج لازم نہ آئے گا؛ کہ تحدیثِ مذکورات اُنہیں اَذکارِ شریفہ سے ہے کہ مجلسِ مَولِد میں بیان ہوتی ہیں، اور ما حضر محتاجوں کو دینا

---

(۱) دوسری آیت میں ارشاد ہوا: ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ﴾ [پ ۱۳، إبراهيم: ٥]. "اُنہیں یاد دلا خدا کے دن!" اور اللہ کے دنوں میں کون سا دن اعظم ہے روزِ ولادتِ اقدس سے جس کے صدقے میں سب دن ہوئے؟! تو اس دن کا مسلمانوں میں ذکر کرنا نصِ قرآن سے مامور بہ ہے، یہ دوسری مستقل دلیل کلامِ جلیل سے ہے۔ (امام احمد رضا خان)

(۲) پ ۳۰، الضحى: ۱۱.

(۳) بلکہ بیہقی نے "شُعب الایمان" میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «التحدّث بنعمة الله شكر، وتركها كفر» ["شعب الإيمان" باب في تعديد نعم الله عزّ وجلّ وشكرها، ر: ٤٤١٩، ٤/ ١٦٢٢ بتصرّف] "اللہ عزّوجلّ کی نعمت کو بیان کرنا شکر ہے اور اُس کا ترک کفر ہے"۔ (امام احمد رضا خان)

(٤) "مدارك التنزيل" سورة الضُحى، تحت الآية: ١١، ٢/ ٨١٥.

تصدق اور اَغنیاء کو ہدیہ ہے، پہلے امر کی خوبی تو قرآنِ مجید کی اکثر آیات میں صریح وارد، اور[1] دوسرا بمقتضائے «تہادُوا[2] تحابُّوا» اور بحکمِ تجربہ باعثِ مُوافقت، اور مُوافقت عقلًا اور بمنطوق ﴿رُحَمَآءُ

---

(۱) أقول: بلکہ اَغنیاء کو دینا بھی ایک نوعِ صدقہ وحسنہ ہے، اگرچہ محتاج پر تصدق افضل واعلی ہے، "بحر الرائق" ["البحر الرائق" كتاب الوقف، ٥/ ٣١٣] پھر "ردّ المحتار" میں ہے: "الصدقة تكون على الأغنياء أيضاً وإن كانت مجازاً عن الهبة عند بعضهم، وصرّح في "الذخيرة" [كتاب الوقف، الفصل الفصل ٣ في الوقف المضاف، ٢/ ق١٩٠] بأنّ في التصدّق على الغنيّ نوع قربة دون قربة الفقير" ["ردّ المحتار" كتاب الوقف، مطلب: لو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز، ١٣/ ٣٧٣]. (امام احمد رضا خان)

(۲) یہ حدیث ابو یعلیٰ [أي: في "المسند" مسند أبي هريرة، ر: ٦١٤١، ٤/ ٤٦٥] وابنِ عساکر [أي: في "تاريخ دِمشق" ر: ٧٧٦٠- موسى بن وردان أبو عمرو القريشي، ٦١/ ٢٢٥] نے بسندِ جیّد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، اور ابنِ عساکر کی حدیث میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «تهادوا تزدادوا حبّاً» ["تاريخ دِمشق" ر: ٤٤٧٥- عبيد الله بن العيزار المازني البصري، ٣٨/ ٨٠ بتصرّف] "ایک دوسرے کو ہدیہ دو، آپس میں محبت بڑھے گی"۔ "معجم کبیر طبرانی" میں ام حکیم بنت وداع رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «تهادوا؛ فإنّ الهديّة تضعف الحبّ» ["المعجم الكبير" باب، أمّ حكيم بن وداع الخزاعية، ر: ٣٩٣، ٢٥/ ١٦٣]، "باہم ہدیہ دو کہ ہدیہ محبت کو دو چند کرتا ہے"۔ احمد وترمذی کی روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «تهادوا؛ فإنّ الهديّة تُذهب وحر الصدر» ["المسند" مسند أبي هريرة، ر: ٩٢٦١، ٣/ ٣٧١ بتصرّف. و"جامع الترمذي" أبواب الولاء والهبة، باب في حثّ النبي ﷺ على الهدية، ر: ٢١٣٠، صـ٤٨٩] "آپس میں ہدیہ دو کہ ہدیہ سینہ سے کینہ کو دُور کردیتا ہے"۔ یہی مضمون بیہقی نے

﴿بَیْنَھُمْ﴾[1] وغیرہا آیات محمود، تو اُسی شکل سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہدیہ دینا تحصیلِ مُوافقت ہے، اور تحصیلِ مُوافقت مقبول ومندوب، توہدیہ دینا مقبول ومندوب، وھو المطلوب.

اور درود وسلام کا مطلوب ومامور بہ ہونا تو نصِ قاطع سے ثابت، اور اُس کے حسن وخوبی پر اِجماعِ امّت ہے، اور اِن عمدہ اور مستحب کاموں کے لیے جمع ہونا اور جمع کرنا خیر کی طرف جانا اور خیر کی طرف بلانا ہے، بلکہ تحدیث تنہائی میں متصوّر نہیں، اور جس قدر اجتماع زیادہ تحدیث زیادہ، اور اجتماع تداعی اور تعینِ یوم ووقت سے ہوتا ہے، تو تداعی اور اسی طرح تعین وغیرہ تکمیلِ مامور بہ میں مُداخلت رکھتے ہیں، تو وہ بھی تحدیث کی طرح مستحب اور مندوب ہیں؛ کہ وسائل حُسن وقبح میں مقاصد کے تابع ہوتے ہیں، اور تجربۂ کامل شاہد عادل کہ بہت لوگ جن کے اکثر اوقات مَعاصی وفضولیات میں ضائع وبرباد ہوتے ہیں، مجلسِ مولِد میں حاضر ہوکر درود وسلام کی کثرت کرتے ہیں، تو یہ مجلس کرنا اور اِس نیت سے لوگوں کو بلانا، بالبداہۃ خیر کی طرف دعوت اور شر سے روکنا ہے، جس کی تاکید وترغیب کلامِ الٰہی میں جابجا ہے۔

اور کریمہ: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ میں حضور کا تمام عالم کے لیے رحمتِ الٰہی ہونا مصرّح، دوسری آیت سراپا بشارت میں فرماتا ہے: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾[2] یعنی "اے نبی! انہیں حکم دے کہ اللہ کے فضل اور اُس کی رَحمت ہی پر خوشی کریں"۔ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ بالبداہۃ حاصل کہ وجودِ باجود حضرتِ رسالت اور خدا کی اس بڑی نعمت پر خوشی کرنا مطلوب

= "شُعب الایمان" [باب في مقاربة أهل الدّين ومودّتهم وإفشاء السّلام بينهم، ر: ۸۹۷۷، ٦/ ۲۹۸۳] میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (امام احمد رضا خان)

(۱) پ۲٦، الفتح: ۲۹.

(۲) پ۱۱، یونس: ۵۸.

شارع، اور لا اقل مستحسن اور اچھا ہے، سوا[1] اس کے تذکرِ نعمت عقلاً مستلزمِ سرُور وفرحت ہے، اور مولوی اسحاق صاحب کو بھی خاص مانحن فیہ میں اس امر کا اعتراف ہے، "مأة مسائل" میں لکھتے ہیں: "زیرا کہ در مولد شریف ذکرِ ولادت حضرت خیر البشر ﷺ است وآن موجبِ سرورست"[2]۔

اور عقل ونقل حاکم کہ الشيءُ إذا ثبتَ ثبتَ بجميع لوازمِه، بلکہ گویا یہ فرحت وقتِ ذکرِ ولادت اُمورِ طبعیہ اہلِ اسلام سے ہے، جس میں قصد واختیار کو مدخل باقی نہ رہا، اور تخصیص ماہِ ربیع الاوّل اس مجلس کے ساتھ اصلِ مولد میں دخل نہیں رکھتی، نہ اہلِ مولد کو اس کا التزام، بلکہ ہر مہینے میں مجالس ہوتی ہیں، البتہ ماہِ مبارک اس عملِ متبرک سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، سو اس قدر قرآن سے ثابت ہوسکتا ہے، کریمہ: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾[3]... الآية میں ماہِ رمضان کی ظرفیّت روزہ کے لیے نزولِ قرآن پر حرف "فا" کے ساتھ مرتّب فرمائی، اور نیز قاعدہ مسلّمہ ہے کہ صلہ موصول میں معنئ تعلیل مفہوم ہوتے ہیں، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ "تفسیرِ کبیر" میں تصریح فرماتے ہیں کہ قوله تعالی: ﴿اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ علّتِ تخصیص کا بیان ہے، یعنی نزولِ قرآن ماہِ رمضان میں اس ماہِ مبارک کو روزہ کے ساتھ خاص کرنے کے لیے علّت ہے، اور صَوم ونزولِ قرآن میں مناسبت بیان کر کے

---

(۱) اعلیٰ حضرت تاج المحققین قدس سرہ یہاں جزئیاتِ اُمورِ موجودہ فی المجلس کا فرداً فرداً اثبات فرما رہے ہیں، انہیں میں سے سُرور وفرحت ہے، جس پر ایک دلیلِ قطعی آیۂ کریمہ سے ارشاد ہوئی، یہ دوسری دلیل عقلی ہے، اور ممکن کہ اسی آیتِ فرحت کو تیسری مستقل دلیل اثباتِ مجلسِ مبارک کی قرار دیجیے؛ کہ ہمیں قرآن رحمتِ الٰہی پر خوشی منانے کا حکم دیتا، اور مصطفی ﷺ کو خود رحمتِ الٰہی بتاتا ہے، تو اُن کی ولادتِ پاک کی خوشی منانا، شادی رچانا مطلوبِ قرآن ہے، اور مجلسِ میلادِ مبارک اسی مجلسِ شادی کا نام ہے۔ (امام احمد رضا خان)

(۲) "مأة مسائل" س ۱۵: مقرّر کردن یوم عرس، ص ۵۵ ملتقطاً بتصرّف۔

(۳) پ ۲، البقرة: ۱۸۵.

لکھتے ہیں: جب یہ مہینہ قرآن کے نُزول سے مختص ہوا تو اس کا اختصاص روزہ کے ساتھ مقتضائے حکمت ہے، عبارته هكذا: "أنّه تعالى لما خصّ هذا الشّهر لهذه العبادة بين العلّة لهذا التخصيص، وذلك هو أنّ اللهَ سبحانه خصّه بأعظم آيات الرَّبوبيّة، وهو أنّه أنزل فيه القرآن، فلا يبعد تخصيصُه بنوعٍ عظيم من آيات العَبوديّة وهو الصَّوم، وممّا يحقّق ذلك أنّ الأنوار الصمَديّة -إلى أن قال-: فثبت أنّ بين الصَّوم وبين نزول القرآن مناسبةٌ عظيمة فلمّا كان هذا الشّهر مختصّاً بنزول القرآن، وجب أن يكونَ مختصّاً بالصَّوم"[1].

پس آیت سے باشارۃ النص ثابت کہ نزولِ قرآن مُوجبِ تعیین وتخصیصِ رمضان ہے، اور یہ علّت ماہِ ربیع الاوّل میں بھی موجود؛ کہ ماہِ ولادت حضرتِ رسالت ہے، تو اُسے بھی کسی اچھے کام کے ساتھ جو نعمتِ ولادت سے مناسب ہو خاص کرنا لائق وبجا ہے، اور مناسب تر اس سے ذکرِ ولادت باسعادت، اور اُس پر سُرور وفرحت ہے، اور قیامِ مولد بغرضِ تعظیم وتوقیر عمل میں لاتے ہیں، اور ہر تعظیم وتوقیرِ حضور بنصِ قرآن مستحب ومندوب، صغریٰ اس قیاس کا بدیہی ہے، ہر بچہ بھی جانتا ہے کہ یہ فعل تعظیمی ہے، اور بقصدِ تعظیم ہی کیا جاتا ہے، اور اسی غرض کے لیے حرمینِ شریفین ودیگر بلادِ دار الاسلام میں رائج ومعمول ہے، اور علمائے اہل سنّت وفضلائے ملّت نے پسند ومقبول کیا ہے، اور کلّیتِ کبریٰ اس وجہ سے کہ آیت سراسر ہدایت: ﴿عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ﴾[2] وکریمہ: ﴿لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾[3] وغیرہا آیات کہ تعظیم وتوقیرِ سرورِ کائنات پر دلالت کرتی ہیں، کسی ہیئت ووقت کے ساتھ

---

(۱) "التفسير الكبير" البقرة، تحت الآية: ۱۸۵، ۲/ ۲۵۱، ۲۵۲.

(۲) پ۹، الأعراف: ۱۵۷.

(۳) پ۲٦، الفتح: ۹.

مخصوص نہیں، تو مفادِ آیات عام رہے گا، اور ہر فعلِ تعظیمی کہ بغرضِ تعظیم نبوی عمل میں آئے، اُس کا فرد، اور اُس کے تحت و حکم میں داخل ہو کر بحالتِ عدمِ مُزاحمت و ممانعتِ شرع شریف مستحب و مستحسن ٹھہرے گا، وسيجيء لهذا الوجه زيادة تحقيق ومزيد تفصيل، والله يهدي مَن يشاء إلى سواء السبيل.

دوسری ۲ دلیل صرف مضامینِ احادیث سے مرکّب وماخوذ ہے: أخرج البخاري رحمه الله في "صحيحه" عن عائشة رضي الله عنها، قالت: كان رسول الله ﷺ يضع لحسّان بن ثابتٍ منبراً في المسجد يقوم عليه قائماً، يفاخر عن رسول الله ﷺ، أو ينافح، ويقول رسول الله ﷺ: «إنّ الله تعالى يؤيِّد حسّانَ برُوح القُدس ما نافَح أو فاخَر عن رسول الله ﷺ»[1]

یعنی حضورِ والا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مسجدِ نبوی میں منبر رکھتے، وہ اُس پر کھڑے ہو کر حضور کی جانب سے مفاخَرت و مدافَعت کرتے، اور حضور فرماتے: "بے شک اللہ تعالیٰ حسان کی مدد جبریل سے فرماتا ہے جب تک وہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے مدافَعت یا مُفاخَرت کرتا ہے"۔

اس صحیح حدیث میں خود حضور کا اپنے ذکرِ جمیل کے لیے مجلس کرنا، اور حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے منبر رکھنا، اور اُن کا سرِ منبر کھڑے ہو کر حضور کے محامد و مَناقب بیان کرنا، اور دشمنوں کو حضور کی طرف سے جواب دینا، اور شعرائے کفار کے مَطاعِن حضور سے دَفع کرنا، اور خود بدَولت کا اُس مجلس میں تشریف رکھنا، اور قصائدِ حسان کا سننا اور خوش ہونا، اور انہیں خدا کی عنایت اور جبریلِ امین کی تائید و اِعانت کے ساتھ بشارت دینا بتصریح مذکور، اور تشکیکِ مانعین کہ "جب راوی نے شک کیا تو بیان محامد و فضائل کب ثابت ہوا؟! قطع نظر اس سے کہ مُدافَعت و مُخاصَمت حضور کی جانب سے مدحت کو متضمن "خود بنظر[2] واقع مدفوع؛

---

(۱) انظر: "مشكاة المصابيح" كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل ۳، ر: ٤٨٠٥، ۳/ ۳۷، نقلاً عن البخاري.

(۲) تو انصافاً تردید بوجہِ تردّد نہیں، بلکہ بروجہِ تنویع ہے۔ (امام احمد رضا خان)

کہ بعض اَشعار اُن کے دونوں امر یعنی مُباہات ومُفاخَرت اور مُدافعت ومُخاصَمت پر مشتمل، اور بعض صرف نعت میں ہیں، کما قال: ع

هجوتَ محمّداً برّاً تقيّاً رسول الله شيمته الوفاء

وقال الله: قد أرسلتُ عبداً يقول الحقّ ليس به خفاء[1]

اور حدیثِ ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں جسے ترمذی[2] ودارمی[3] نے روایت کیا: «جلس ناسٌ من أصحاب رسول الله ﷺ، فخرج حتّى إذا دنا منهم سمعهم يتذاكرون، قال بعضهم: إنّ اللهَ اتّخذ إبراهيم خليلاً»[4]... إلخ.

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم، باب فضائل حسّان بن ثابت رضي الله عنه، ر: ٦٣٩٥، صـ١٠٩٦ ملتقطاً.

(٢) أي: في "الجامع" أبواب المناقب، باب [«سَلُوا اللهَ لي الوسيلةَ...»] ر: ٣٦١٦، صـ٨٢٤ ملتقطاً.

(٣) أي: في "السُّنن" المقدّمة، باب ما أعطي النّبي ﷺ من الفضل، ر: ٤٧، ١/ ٣٩ ملتقطاً بتصرّف.

(٤) تمام الحديث: وقال آخَر: موسى كلّمه تكليماً، وقال آخر: فعيسى كلمة الله وروحه، وقال آخر: آدم اصطفاه الله، فخرج عليهم -رسول الله ﷺ- وقال: «قد سمعتُ كلامَكم وعجبكم، إنّ إبراهيم خليل الله وهو كذلك، وموسى نجيُّ الله وهو كذلك، وعيسى رُوحه وكلمته وهو كذلك، وآدم اصطفاه الله وهو كذلك، ألا وأنا حبيبُ الله ولا فخر! وأنا حاملُ لواء الحمد يومَ القيامة تحته آدم فمَن دونه ولا فخر! وأنا أوّلُ شافعٍ وأوّلُ مشفَّعٍ يومَ القيامة ولا فخر! وأنا أوّلُ مَن يحرِّك حلقَ الجنّة فيفتح اللهُ لي فيُدخلنيها ومعي فقراءُ المؤمنين ولا فخر! وأنا أكرمُ الأوّلين والآخِرين على الله ولا فخر!» ["جامع الترمذي" أبواب المناقب، باب [«سلُوا الله لي الوسيلةَ...»] ر: ٣٦١٦، صـ٨٢٤، ٨٢٥ ملتقطاً بتصرّف] یعنی صحابۂ کرام ایک مجلس

صحابۂ کرام کا مجلس میں جمع ہو کر انبیائے کرام کے فضائل ذکر کرنا، اور حضورِ والا کا مجلسِ صحابہ میں اپنے محامدِ جلیلہ وفضائلِ فخیمہ بیان فرمانا کس تصریح سے موجود! اور اس مضمون کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ ہمارے فضائل و محامد پر تو نظر کرو! انبیائے سابقین کا ذکر کرتے ہو! خوب ہے مگر ہمارے ذکرِ اقدس سے (کہ اُن سب میں سیّد الاذکار ہے) غافل نہ ہو[1]!۔

=

میں جمع تھے، سیّدِ عالم ﷺ تشریف لائے جب نزدیک آئے سنا کہ باہم انبیا علیہم السلام کا ذکر کر رہے ہیں، ایک نے کہا: اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل کیا، دوسرا بولا: موسیٰ سے کلام فرمایا، تیسرے نے کہا: تو عیسیٰ کلمۃ اللہ و رُوح اللہ ہیں، چوتھا بولا: آدم خدا کے برگزیدہ ہیں، اب حضورِ اقدس ﷺ اُن پر جلوہ فرما ہوئے اور ارشاد کیا: "میں نے تمہاری باتیں اور تمہارے تعجب سنے، کہ ابراہیم خدا کے خالص پیارے ہیں اور وہ اَیسے ہی ہیں، اور موسیٰ سے خدا نے سرگوشیاں فرمائیں اور وہ اَیسے ہی ہیں، اور عیسیٰ رُوح اللہ و کلمۃُ اللہ ہیں اور وہ اَیسے ہی ہیں، اور آدم صفیُ اللہ ہیں اور وہ اَیسے ہی ہیں، سنتے ہو اور میں اللہ کا محبوب ہوں اور کچھ فخر نہیں! قیامت میں لواء الحمد کا صاحب میں ہوں جس کے نیچے آدم و جملہ انبیاء ہوں گے اور کچھ فخر نہیں! روزِ قیامت سب سے پہلے میں شَفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شَفاعت قبول ہوگی اور کچھ فخر نہیں! سب سے پہلے دروازۂ جنّت کی زنجیر میں ہلاؤں گا، اللہ عزّوجلّ میرے لیے دروازہ کھول کر مجھے اندر لے گا، اور میرے ساتھ فقیر مسلمان ہوں گے اور کچھ فخر نہیں! اور خلاصہ یہ کہ اللہ عزّوجلّ کی بارگاہِ عزّت میں تمام اَگلوں پچھلوں سے میرا مرتبہ میری عزّت بلند و بالا ہے اور کچھ فخر نہیں!" ﷺ۔

(۱) حدیث جلیل ابنِ عساکر حضرت کعب اَحبار رضی اللہ عنہ سے راوی: "اللہ عزّوجلّ نے آدم علیہ السلام کو عصا بقدرِ شمار جملہ انبیاء بھیجے، آدم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سیّدنا شیث علیہ السلام سے فرمایا: اے فرزند! تو میرے بعد خلیفہ ہوگا، انہیں لے اور تقویٰ و عروہ وثقیٰ آباد رکھنا، وكلّما ذكرتَ الله فاذكر إلى جنبه اسم محمّد، اور جب کبھی اللہ کی یاد کرے اُس کے برابر محمد ﷺ کی یاد کرنا؛ کہ میں نے اُن کا نام ساقِ عرش پر لکھا دیکھا جب میں رُوح اور مٹی کے بیچ میں تھا، پھر میں سب آسمانوں میں پھرا کسی آسمان میں کوئی مقام اَیسا نہ پایا جس پر محمد ﷺ کا نامِ پاک نہ لکھا ہو، اور میرے رب نے مجھے جنّت میں بَسایا تو میں نے جنّت میں کوئی محل کوئی بالاخانہ نہ دیکھا جس پر محمد ﷺ کا نامِ پاک نہ ہو، اور بے شک میں نے

=

اور اجتماع بتقریب ولیمہ وعیدین ودعوتِ مسلمانان قرونِ ثلاثہ میں رائج، اور شرع شریف سے ثابت ہے، اور مجلس واسطے درس وتذکرۂ علم کے خود حضور سے ثابت، اور قرونِ ثلاثہ ومَن بعدهم میں برابر رائج ومعمول بہ ہے، بلکہ تذکرۂ علم کے لیے حلقہ بھی آیا ہے[1] كما في "البخاري": «أمّا أحدهما فرأى فرجةً في حلقة فجلس فيها»[2]. اور خود حضور کا مجمع ومجلسِ اصحاب میں منبر پر ذاتِ والاکی

=

یہ نامِ پاک حُوروں کے سینوں، اور درختانِ جنّت کے پتّوں، اور طُوبیٰ کے پتّوں، اور سِدرہ کے پتّوں، اور پردوں کے کناروں، اور ملائکہ کی آنکھوں پر لکھا دیکھا، فأكثِر ذكرَه؛ فإنّ الملائكةَ تذكّره في كلّ ساعاتها" ["تاريخ دِمشق" ذكر من اسمه شيث، ر: ٢٧٨١ شيث ويقال: شبيث بن آدم واسمه هبة الله، ٢٣/ ٢٨١] "تو محمد ﷺ کا ذکر بکثرت کرنا؛ کہ ملائکہ ہر گھڑی ہر ساعت اُن کا ذکر کرتے ہیں" ﷺ۔

(۱) اور حلقۂ ذکر بھی حدیثِ صحیح میں ہے کہ فرمایا: «إذا مررتم برياض الجنّة فارتعوا» "جب تم جنّت کی کیاریوں پر گزرو تو اُن میں چرو"، صحابہ نے عرض کی: وہ کیاریاں کیا ہیں؟! فرمایا: «حلق الذكر» "ذکر کے حلقے" رواه أحمد [أي: في "المسند" مسند أنس بن مالك بن النضر، ر: ١٢٥٢٥، ٤/ ٣٠٢] والترمذي [أي: في "الجامع" كتاب الدعوات، باب [حديث في أسماء الله الحسنى مع ذكرها تماماً]، ر: ٣٥١٠، صـ٨٠٠] والبيهقي في "الشعب" [أي: "شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، ر: ٥٢٩، ١/ ٣٤٢] عن أنس ﷺ. دوسری حدیث میں ہے: فرمایا: «مجالس العلم» "وہ کیاریاں علم کی مجلسیں ہیں" رواه الطبَراني في "الكبير" [أي: "المعجم الكبير" وما أسند ابن عبّاس، مجاهد عن ابن عبّاس، ر: ١١١٥٨، ١١/ ٧٨] عن ابن عبّاس ﷺ. (امام احمد رضا خان)

(۲) "صحيح البخاري" كتاب العلم، باب مَن قعد حيث ينتهي به المجلس ومن رأى فرجة في الحلقة فجلس فيها، ر: ٦٦، صـ١٦.

فضیلت وخوبی، اور اپنے نسب کی بزرگی اور بڑائی بیان کرنا حضرت عبّاس بن عبد المطلب کی حدیث میں بروایتِ ترمذی[1] وارد، اور صدہا روایاتِ معتبرہ واحادیثِ معتمدہ اس امر کی شاہد کہ حضور نے اپنے فضائل وکمالات جلسہ عام میں، اور بدُون اس کے اجمالاً اور تفصیلاً بیان فرمائے۔

اور "قصیدہ بانت سعاد" کا (کہ نعت شریف میں ہے) مجلسِ اقدس میں پڑھا جانا، اور خود بدَولت کا ایک شعر میں دو ۲ جگہ اصلاح فرمانا، اور صاحبِ قصیدہ کعب بن زہیر کا قصور مُعاف کرنا، اور چادر مبارک انعام دینا بھی ثابت ہے، مجمع میں خصوصاً بر سرِ منبر حضور کے اَوصافِ حمیدہ ومَناقبِ جلیلہ وفضائل وکمالات ومَحامد ومقامات کا مذکور ہونا مجلسِ ذکرِ رسالت نہیں تو کیا ہے؟! خدا جانے جو امر کہ سنّت اور صحابہ کے لیے ثواب وہدایت تھا، ہمارے حق میں کس وجہ سے (العیاذ باللہ) بدعت وگناہ وضلالت ٹھہرا ہے!

"دلائل الخیرات" میں ہے: "روي[2] عن بعض الصحابة -رضوان الله عليهم أجمعين- أنّه قال: "ما من مجلسٍ يصلّى فيه على محمّد ﷺ إلاّ قامت منه رائحةٌ طيّبة حتّى تبلغَ عنان السماء، فتقول الملائكة: هذا مجلسٌ صُلّي فيه على محمّد ﷺ""[3].

"شرح عین العلم ملّا علی قاری"[4] میں ہے: "ابو بکر بن ابی شَیبہ اپنے "مصنِّف" اور ابو بکر بن

---

(۱) أي: في "الجامع" أبواب المناقب، باب مَا جاء في فضل النبي ﷺ، ر: ۳۶۰۸، صـ۸۲۳.

(۲) ترجمہ: یعنی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے فرمایا: "جس مجلس میں محمد ﷺ پر درود پڑھا جاتا ہے اُس سے خوشبو کی مہک اُٹھ کر آسمان تک پہنچتی ہے، فرشتے اُس خوشبو سے پہچان کر کہتے ہیں: یہ وہ مجلس ہے جس میں محمد ﷺ پر درود بھیجی گئی" ﷺ۔

(۳) "دلائل الخيرات" فضل في الصّلاة على النّبي ﷺ، صـ۲٦، ۲۷.

(٤) "شرح عين العلم" الباب ۱ في الورد، حقّ الدعاء أن يرتصد، ۱/ ۱۰۰، ۱۰۱.

ابي داود "کتاب المصاحف" میں حکم بن عتیبہ سے روایت کرتے ہیں: "قال[1]: كان مجاهد وعبدة بن أبي لبابة وأناس يعرضون المصاحف، فلمّا كان اليوم الذي أرادوا أن يختموا أرسلوا إليّ وإلى سلمة بن كهيل، فقالوا: إنّا كنّا نعرض المَصاحف، فأردنا أن نختمَ اليوم، فأحببنا أن تشهدونا، فإنّه كان يقال: إذا ختم القرآن نزلت الرّحمة عند خاتمته"[2].

شاید کوئی نادان قواعد واصولِ شرع سے جاہل، اور اِطلاق وعموم کے اَحکام سے غافل یہ عذر کرے کہ "اِن احادیث سے انعقادِ مجلسِ ذکر شریف کے لیے ثابت، لیکن کلام ذکرِ ولادت میں ہے!" تو اُس کی دہن دوزی وصفرا شکنی کے لیے حدیثِ مشکاۃ بروایت احمد[3] وبغوی[4] کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں: «سأخبركم[5] بأوّل أمري، دعوة إبراهيم، وبشارة عيسى، ورؤيا أمّي التي رأت

(۱) ترجمہ: یعنی حضرت عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما کے شاگرد "امام مجاہد اور حضرت ابو لبابہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بیٹے وغیرہا قرآنِ مجید کا ورد کرتے تھے، جب ختم کا دن آیا مجھے اور سلمہ بن کُہیل کو بلا بھیجا کہ آج ختم کا دن ہے، ہم چاہتے ہیں تم بھی آؤ؛ کہ کہا جاتا تھا: ختمِ قرآن کے وقت رَحمتِ الٰہی نزول فرماتی ہے" اللّهمّ ارزقنا، آمین!.

(۲) "المصنَّف" كتاب فضائل القرآن، في الرجل إذا ختم ما يصنع، ر: ۳۰۰۴۰، ٦/ ۱۲۸.

(۳) أي: في "المسند" مسند الشاميّين، حديث العرباض بن سارية، ر: ۱۷۱۵۰، ۱۷۱۵۱، ٦/ ۸٤، ۸۵.

(٤) أي: في "شرح السنّة" كتاب الفضائل، باب فضائل سيّد الأوّلين والآخِرين محمّد صلوات الله وسلامه عليه وعلى آله أجمعين وشمائله، ر: ۳٦۲٦، ۷/ ٤۱۵.

(۵) ترجمہ: "میں اب تمہیں بتاؤں گا کہ میری ابتدا کیا ہے، ابراہیم کی دعا، اور عیسیٰ کی بشارت، اور میری ماں کا خواب جو اُنہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا اور میری پیدائش کے وقت ایک نور میری ماں کے لیے ظاہر ہوا جس سے ملکِ شام کے محل اُن کے سامنے رَوشن ہو گئے"۔

حين وضعتني وقد خرج لها نور أضاء لها منه قصور الشّام»[1]، اور قوله ﷺ: «وُلدتُ مِن نكاح لا مِن سفاح»[2]، اور بہت احادیث و اخبار ہیں جن میں ذکرِ ولادت اور اُس وقت کے واقعات وغرائب حالات بتصریح مذکور، اور کتبِ احادیث میں مسطور ہیں۔

ترمذی نے "جامع" میں ایک باب بعنوان: "ما جاء في ميلاد النّبي ﷺ"[3] وضع کیا، اور ایک کتاب خاص شمائل شریفہ میں لکھی، اور حدیث کی اکثر کتابوں میں معراج ومعجزات وبدءِ وحی وفضائلِ سرورِ کائنات علیہ أفضل الصلوات والتحیات، اور حضور کے اَخلاق وعادات واکثر حالات کے لیے ابواب جُداگانہ موضوع، اور احوالِ رَضاعت وہجرت وغیرہا بھی کتبِ فن میں اِجمالاً وتفصیلاً ہر طرح مذکور ہیں، بلکہ جو حالات وواقعات کہ خاص مجلسِ مولد میں پڑھے جاتے ہیں، خود حضرتِ رسالت ﷺ نے بیان فرمائے، اور صحابۂ کرام نے تابعین کو پہنچائے، اور قرناً فقرناً مجامع ومجالسِ تحدیث میں بیان ہوتے رہے، یہاں تک کہ مؤرّخین ومحدّثین نے اپنی کتابوں میں درج کیے۔

تو ان خاص اذکارِ شریف کا سننا سنانا، اور مجالس ومجامع میں بیان ہونا، اور اُن کے لیے مجلس منعقد کرنا خود سیّد المرسلین وصحابہ وتابعین، بلکہ قرونِ مابعد سے بھی بخوبی ثابت، بے اصل روایات وموضوع قصص وحکایات کا بیان کرنا، اور سننا ہم کب جائز رکھتے ہیں؟! اور جب خیریت ذکرِ ولادت وجملہ اَذکار شریفہ

---

(١) "مشكاة المصابيح" كتاب الفضائل، باب فضائل سيّد المرسَلين صلوات الله وسلامه، الفصل ٢، ر: ٥٧٥٩، ٣/ ٢٥٦.

(٢) "تلخيص الحبير" كتاب النكاح، باب نكاح المشركات، ر: ١٥٣٧، ٣/ ١٧٦.

(٣) "جامع الترمذي" أبواب المناقب، صـ٨٢٥.

کی (کہ اس مجلس میں پڑھے جاتے ہیں) سنّت وعملِ عامۂ مقتدایانِ ملّت سے ثابت ہولی، اور بنظرِ ارشادِ ہدایت بنیاد: «ليبلّغِ الشاهدُ الغائبَ»[1] ایسے اُمور کا پڑھنا سنانا مامور بہ کے حکم میں ہے۔

تو لوگوں کو اس کے لیے بلانا خیر کی طرف دعوت ہے، جس کی خوبی واستحسان پر آیات واحادیث بکثرت ناطق، اور جس حالت میں سننا اَذکار شریفہ کا مسنون اور مسلمانوں کے حق میں نافع ہے تو انہیں اطلاع دینا اور بلانا بھلائی کی طرف دلالت اور اُن کی خیر خواہی ونصیحت، جس کی تاکید احادیثِ صحیحہ میں موجود ومتحقّق، اور جس قدر زیادہ مسلمان بلائے جائیں گے اُسی قدر خیر خواہی ودعوت الی الخیر زیادہ ہوگی، تو تداعی میں اہتمام بھی بہتر ہے، اور مجلسِ ذکر کی خوبی شرع سے ثابت۔

اور اجتماع ختمِ قرآنِ مجید کے وقت "عالمگیری"[2] میں بھی بحوالہ "ینابیع" مستحب لکھا ہے: اسی وجہ سے وقت ومکان معیّن کرتے ہیں کہ اُسے زیادتیِ مجمع میں مُداخلت ہے، اور "بخاری شریف" کی حدیث میں وارد کہ حضرت رسالت علیہ الصلاۃ والتحیہ نے بدرخواست ایک عورت کے عورتوں کو تعلیم وتحدیث کے واسطے ایک دن اور مکان مقرر کیا، اور انہیں اُس دن اُس مکان میں جمع ہونے کا حکم دیا کہ وہ حسبُ الارشاد جمع ہوئیں، اور حضور نے انہیں دین کی باتیں سنائیں، عبارت اُس کی یہ ہے:

"جاءت امرأةٌ إلى رسول الله ﷺ، فقالت: يا رسول الله! ذهب الرّجال بحديثك، فاجعل لنا من نفسك يوماً نأتيك فيه تعلّمنا ممّا علّمك الله، فقال: «اجتمعن في يوم كذا

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب العلم، باب قول النّبي ﷺ: «ربّ مبلّغٍ أوعى [من] سامع» ر: ٦٧، صـ١٦.

(٢) أي: "الهندية" كتاب الكراهية، الباب ٤ في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن... إلخ، ٥/ ٣١٧.

وکذا، في مکان کذا وکذا» فاجتمعن، فأتاهنّ رسولُ الله ﷺ فعلّمهنّ ممّا علّمه الله"[1]. اور نیز "بخاری شریف" میں ابووائل سے روایت ہے: "قال[2]: کان عبد الله یذکّر النّاس في کلّ خمیس"[3].

اصل اجتماع کی شرع میں تقریبِ ضیافتِ ولیمہ، اور عیدَین واسطے سُرور ادائے فرائض اللہ کے، اور تذکیر ومذاکرہ وسماع حدیث ہیں، اور احادیثِ صحیحہ کا نبی ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور اس کی تاکید میں عموم واِطلاق کے ساتھ وارد ہونا استحسانِ قیام کے لیے؛ کہ تعظیم مخصوص وفردِ تعظیم ہے، ایک عمدہ شہادت ہے، اور شیرینی وغیرہ محتاجوں کو تقسیم کرنا تصدّق ہے، جس کی ترغیب وتاکید بہت احادیثِ صحیحہ میں وارد، اور اغنیاء کو دینا ہدیہ یا ضیافت ہے، اور یہ دونوں امر اور ضیافت کے واسطے بلانا اور جانا سب سنّت سے ثابت ہے۔

اور "صحیح مسلم" میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: "أنّ رسول الله ﷺ سئل عن صوم یوم الإثنین فقال: «فیه وُلدتُ وفیه أُنزل عليّ»"[4] یعنی رسول اللہ ﷺ سے روزۂ دو شنبہ کی وجہ وعلّت دریافت کی گئی، فرمایا: "اِس دن میں پیدا ہوا، اور مجھ پر وحی اُتری"، اور یہ علّت منصوصہ ماہِ ربیع الاوّل میں بھی موجود، اور اعتبار دوسری وجہ کا بعض روایات میں مُنافی اس وجہ کے نہیں، اور ہم مجلسِ ذکر شریف کو روزے پر قیاس نہیں کرتے، بلکہ طُرقِ شکر شرع میں متعدّد، اور ہر ایک مامور بہ اور

---

(۱) "صحیح البخاري" کتاب الاعتصام بالکتاب والسنّة، باب تعلیم النّبي ﷺ أمّته من الرجال والنساء ممّا علّمه الله... إلخ، ر: ۷۳۱۰، صـ۱۲۵۸.

(۲) یعنی "حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے وعظ ونصیحتِ خلق کے لیے پنجشنبہ کا دن مقرر فرمایا تھا، ہر پنجشنبہ کو وعظ فرماتے"۔

(۳) "صحیح البخاري" کتاب العلم، باب مَن جعل لأهل العلم أیاماً معلومة، ر: ۷۰، صـ۱۷.

(٤) "صحیح مسلم" کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة أیّام من کلّ شهر وصوم یوم عرفة وعاشوراء والاثنین... إلخ، ر: ۲۷۵۰، صـ۴۷۸.

مستحسن، اور حدیث شریف سے یہ امر (کہ ماہِ ربیع الاوّل بایں وجہ کہ ماہِ ولادت وظہورِ رسالت حضرت خاتم النبوّۃ ہے) تکثیرِ حسنات واہتمامِ عبادات کے واسطے سزاوار ہے۔

ظاہر تو تخصیص اُس کی فعلِ مولد کے ساتھ (کہ اُس کے شرف سے مناسبتِ تامّہ رکھتا ہے) نہایت مناسب وبجا ہے، اس حدیث اور دیگر احادیثِ صحیحہ سے ثابت کہ وقوعِ اُمور شریفہ اور خاص ولادتِ انبیاء سے زمانے کو ایک فضل وشرف حاصل ہوتا ہے، اور وہ شرف اُسی جزو زمان کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اُس کے امثال ونظائر میں (کہ بعد ایک دن یا ایک ہفتے یا ایک سال کے آئیں) دائر وسائر رہتا ہے، اور نیک کام اُس وقت اور اُس کے نظائر میں زیادہ فائدہ بخشتا ہے، خود جنابِ رسالت[1] مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمعہ کو بوجہ

---

(۱) یہ حدیثِ جلیل جمیل صحیح نجیح امام احمد [أي: في "المسند" مسند المدنيّين، حديث أوس بن أبي أوس الثقفي وهو أوس بن حذيفة، ر: ١٦١٦٢، ٥/ ٤٦٣]، ودارمی [أي: في "السنن" كتاب الصلاة، باب في فضل الجمعة، ر: ١٥٧٢، ١/ ٤٤٥]، وابوداود [أي: في "السنن" كتاب الوتر، باب في الاستغفار، ر: ١٥٣١، صـ٢٢٦]، ونسائی [أي: في "السنن" كتاب الجمعة، باب إكثار الصّلاة على النبي ﷺ يوم الجمعة، ر: ١٣٧٠، الجزء ٣، صـ٨٩، ٩٠]، وابنِ ماجہ [أي: في "السنن" كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ، ر: ١٦٣٦، صـ٢٧٤، ٢٧٥]، وابنِ حبّان [أي: في "الصحيح" كتاب الرقائق، باب الأدعية، ذكر نفي البخل عن المصلّي على النّبي ﷺ، ر: ٩٠٧، صـ٢٠٥]، وابنِ خزیمہ [أي: في "الصحيح" كتاب الجمعة، جماع أبواب فضل الجمعة، باب فضل الصّلاة على النّبي ﷺ يوم الجمعة، ر: ١٧٣٣، ٢/ ٨٣٩]، ودارقطنی وحاکم [أي: في "المستدرَك" كتاب الجمعة، ر: ١٠٢٩، ١/ ٤٠٥]، وبیہقی [أي: في "السنن الكبرى" كتاب الجمعة، باب ما يؤمر به في ليلة الجمعة ويومها من كثرة الصّلاة على رسول الله ﷺ، ٣/ ٢٤٨، ٢٤٩]، وابونُعیم [أي: في "دلائل النّبوة" الفصل ٢٨: ما وقع من الآيات بوفاته ﷺ، ر: ٥٠٩، الجزء 2، صـ٥٦٦، ٥٦٧]، وعبد الغنی وغیرہم [انظر:

ولادتِ آدم علیہ السلام کثرتِ صلاۃ کے ساتھ مخصوص کیا، اور تکثیرِ درود کا حکم دیا، تو روز وماہِ ولادت سیّد عالَم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم درود وصدقہ وغیرہا عبادات کے واسطے اَحق واَولی ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے: "قال: قدم رسولُ الله ﷺ المدينة، فوجد اليهودَ يصومون يومَ عاشوراء، فسئلوا عن ذلك فقالوا: هذا اليوم الذي أظهر اللهُ فيه موسى وبني إسرائيل على فرعون، فنحن نصومه تعظيماً له، فقال النبي ﷺ: «نحن أَولى بموسى منكم» فأمر بصومه"(۱) یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مدینۂ طیّبہ میں تشریف لائے تو یہود کو پایا کہ بروزِ عاشوراء روزہ رکھتے ہیں، سبب اس کا دریافت کیا گیا، تو انہوں نے کہا: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالی نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون پر غالب کیا، تو ہم تعظیماً اُس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم بنسبت تمہارے، موسیٰ سے زیادہ نزدیک ہیں"، پھر مسلمانوں کو اُس دن کے روزے کا حکم دیا۔

=

"المعجم الأوسط" باب العين، من اسمه عبد الرحمن، ر: ٤٧٨٠، ٣/ ٣٣٩] نے حضرت اَوس بن ابی اَوس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جمعہ تمہارے دنوں میں افضل ہے"، اور اُس کی وجہِ فضیلت ارشاد فرمائی کہ «فيه خُلق آدم» "اس میں آدم پیدا کیے گئے"، پھر اس پر تفریع فرمائی کہ «فأكثِروا عليَّ من الصّلاة فيه»، "تو اُس دن مجھ پر دُرود بکثرت بھیجو! کہ تمہاری درود میرے حضور عرض کی جاتی ہے"، ابنِ خزیمہ وابنِ حِبّان ودارقطنی نے اس حدیث کی تصحیح کی، حاکم نے کہا: "بر شرطِ بخاری صحیح ہے" ["المستدرَك" كتاب الجمعة، تحت ر: ١٠٢٩، ١/ ٤٠٥]، امام عبد الغنی وامام مُنذری نے کہا: "حسن ہے"، ابو الخطاب ابنِ دِحیہ نے کہا: "صحیح محفوظ بروایاتِ ثِقات عدول ثابت ہے"۔ (امام احمد رضا خان)

(۱) "صحیح مسلم" کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، ر: ٢٦٥٦، صـ٤٦٢.

اور دوسری روایت میں ہے: "هذا يوم عظيم، أنجا الله فيه موسى وقومه، وأغرق فرعون وقومه، فصام موسى شكراً، فنحن نصومه، فقال رسول الله ﷺ: «فنحن أحقّ وأولى بموسى منكم» فصامه رسول الله ﷺ وأمر بصيام"[1] یعنی یہود نے کہا: یہ عظمت والا دن ہے، اللہ نے اس میں موسیٰ اور اُن کی قوم کو نجات دی، اور فرعون اور اُس کی قوم کو غرق کیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکر کا روزہ رکھا، ولہٰذا ہم اس میں روزہ رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "ہم بنسبت تمہارے، موسیٰ کے زیادہ حق دار وقریب تر ہیں"، پھر حضور نے خود اُس دن روزہ رکھا، اور مسلمانوں کو اُس کے روزے کا حکم دیا۔ اور تیسری روایت میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیا: «كان يوم عاشوراء يوماً تعظّمه اليهود وتتّخذه عيداً»[2].

دیکھو! یہود صرف اس وجہ سے کہ وہ دن اُن کے پیغمبر علیہ السلام کے غلبے اور دشمنانِ دین کے ہلاک کا ہے اُس کی تعظیم کرتے، اور اُس کے اَمثال ونظائر میں (یعنی جب سال بھر بعد عاشورے کا دن آتا) سُرور وخوشی عمل میں لاتے، اور ادائے شکرِ الٰہی کے لیے روزہ رکھتے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اُسے شکرِ نعمت کے ساتھ (کہ اُس دن حاصل ہوئی) خاص کیا، اور ہمارے مولی محمد رسول اللہ ﷺ نے اُس کے اَمثال ونظائر کو باآنکہ روزِ وصولِ نعمت سے تقریباً ڈیڑھ دو ہزار برس کا فاصلہ ہو گیا تھا، بدُونِ تجدّدِ نعمت ادائے شکرِ روزہ کے واسطے پسند فرمایا، اور سنّتِ مُوسویہ کو (کہ اس جگہ عملِ صَوم وادائے شکر بروزِ وصولِ نعمت تھی) اپنی شریعت بیضاء میں قائم وبرقرار رکھا۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، ر: ۲٦٥٨، صـ٤٦٢ بتصرّف.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، ر: ۲٦٦٠، صـ٤٦٢ بتصرّف.

تو اَمثال ونظائرِ ماہ وروزِ ولادت کو (کہ سب سے بڑی نعمت ہے) اِعادۂ سُرور وتحدیث وتذکرۂ احوالِ ولادتِ باسعادت کے ساتھ (کہ بموجبِ حدیث: «التحدّث بنعمة الله شكر، وتركه كفر»[1] جسے امام بغوی نے حدیثِ طویل میں اپنی سند کے ساتھ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، اَنحائے شکر سے ہے، اور بنسبت دیگر اقسامِ شکر کے اُس نعمت سے زیادہ مناسب ہے) مخصوص کرنا بطریق دلالۃُ النص اَولیٰ واَنسب ہے، اور نسخِ فرضیتِ صومِ عاشوراء خصوصاً بحالتِ بقائے استحباب، اور اسی طرح ارشادِ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنظرِ مخالفتِ یہود کہ "سالِ آئندہ زندہ رہوں گا تو نویں کا روزہ اُس کے ساتھ ملاؤں گا"[2] (جسے صدیق حسن خان بہادر نے بڑے طمطراق سے ذکر کیا ہے، اور اِس بنا پر قیاس امام ابنِ حجر کو مع الفارق وفاسد ومقیس علیہ سے غیر مطابق قرار دیا ہے) ہمارے مضر نہیں، بلکہ معترض اور اُن کے ہم مذہبوں کی ایک بڑی اصل کو جس پر صدہا مسائل متفرّع کرتے ہیں، اور باوجود مخالفت کے نفسِ حقیقت وصفات میں اکثر افعال کو ادنیٰ مناسبت سے بحکمِ مشابہتِ کفّار حرام ومکروہ کہہ دیتے ہیں، صاف باطل کرتا ہے، کہ وہی فعل بعینہٖ اُسی وضع وہیئت ووقت وکیفیت کے ساتھ مجرد انضمامِ فعلِ آخر سے (کہ اُس کی جنس سے تھا) حدِ مشابہت وکراہت سے خارج، اور شرع میں مستحب ومندوب قرار پایا۔

نواب صاحب بہادر فارِق کی تقریر تو کردیں، اور منسوخیّت فرضیتِ صومِ عاشوراء کی خصوصاً باوجود بقائے استحبابِ اصل فعلِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (کہ بنظرِ وصولِ نعمت بدُونِ حصولِ نعمتِ متجدّدہ نظائر یومِ وصولِ نعمت میں اُس کے شکر کا روزہ رکھا (معاذ اللہ) باطل وساقط الاعتبار نہیں کرتی، شاید نواب صاحب بہادر نے اَحکامِ الٰہیّہ وافعالِ نبویّہ کو اپنے افعال پر قیاس، اور بتقلیدِ شیعہ بدء کو تسلیم کیا ہے۔

---

(١) "معالم التنزيل" الضحى، تحت الآية: ١١، ٤/ ٥٠٠.

(٢) "شعب الإيمان" باب في الصيام، صوم التاسع مع العاشر، ر: ٣٧٨٦، ٣/ ١٣٨٨.

اسی طرح یہ اعتراض میاں امیر حسن سہسوانی وغیرہ کا کہ "صومِ نبوی بنظرِ وصولِ نعمت کے نہ تھا، بلکہ جناب نے باتباعِ موسی علیہ السلام روزہ رکھا" کمال عقل ودانش وحدیث فہمی پر دلالت کرتا ہے، علامہ عینی "شرحِ صحیح بخاری" میں امام طحاوی[1] سے نقل کرتے ہیں کہ اس حدیث کو روایت کرکے فرماتے ہیں: "إنّ[2] رسول الله ﷺ إنّما صامه شكراً لله ﷻ في إظهاره موسى عليه السلام على فرعون، فذلك على الاختيار دون الفرض"[3]... إلخ.

اور نیز حضرت موسی علیہ السلام نے اَور برسوں میں بھی روزہ رکھا تھا یا نہیں، پچھلی شق میں اِن حضرات کے طور پر فعلِ موسی سے مطابقت نہ ہوئی؛ کہ جو فعل اَمثال ونظائر میں واقع ہوتا ہے اُس کے ساتھ (کہ خاص روزِ وصولِ نعمت میں ہو باوجود اتحادِ جنس کے) اِن صاحبوں کے نزدیک اَحکام میں مخالفت ومغایرت رہتا ہے، پھر اتّباع کیسا؟! اور اَمثال ونظائر میں روزہ رکھنے سے سنّتِ مُوسوی کب ادا ہوئی؟!۔

اور پہلی صورت میں جب موسیٰ علیہ السلام نے اَور برسوں میں بدُونِ تجدّدِ نعمت شکر اُس کا روزۂ عاشوراء کے ساتھ ادا کیا، اور ہمارے حضرت ﷺ نے اُس سنّت پر عمل فرمایا، توتخصیصِ روزِ نعمت ادائے شکر کے لیے بدُونِ تجدّد اُس نعمت کے دو۲ پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہوئی، اور استدلال امام ابنِ حجر رحمہ اللہ کا مع شَے زائد تمام ہوا، سبحان اللہ! بایں بضاعت ولیاقت امام پر اعتراض کرنا، اور مضایقِ علمیہ میں دخل دینا اِنہیں حضرات سے بن پڑتا ہے۔

---

(۱) أي: في "شرح معاني الآثار" كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، تحت ر: ۳۲۰۹، ۲/ ۱۳۲.

(۲) ترجمہ: یعنی "اُس دن نبی ﷺ نے اس شکرانے میں روزہ رکھا تھا؛ کہ اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ دیا، یہ روزہ رکھنا اپنی پسند سے تھا، نہ بربنائے فرضیّت"۔

(۳) "عمدة القاري" كتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء، تحت ر: ۲۰۰٤، ۸/ ۲۳۸ بتصرّف.

بالجملہ تخصیصِ ماہِ ربیع الاوّل اعادۂ سُرور وفرحت وتکثیرِ حسنات واداءِ شکرِ نعمتِ ولادت کے ساتھ بدلالتِ حدیث ثابت، اور تذکرہ ولادت کا دیگر اقسامِ شکر سے اصلِ نعمت کے ساتھ اَولیٰ ومناسب تر ہونا ایک کُھلی بات ہے، کہ سلامتِ عقل کے ساتھ کوئی اُس میں دم نہیں مار سکتا ہے، باوجود اس کے اَور بھی اصلِ شرع کی حاجت ہے تو سنیے!۔

"حضرت رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیہ جبریلِ امین علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ رمضان میں (کہ ماہِ نزولِ قرآن ہے) قرآنِ عظیم کا دَور کرتے"[1]، اور تراویح میں ختم اُس کا سنّتِ مستمرہ ہے[2]، اور اجتماع بھی فرحت کے لیے شرع میں بغرضِ ادائے شکرِ نعمت آیا ہے، بلکہ شیخ رحمہ اللہ "شرحِ مشکاۃ" میں لکھتے ہیں: "پس وضع کردند شکرِ نعمت ہر طاعت را عیدے از جنس وے تا سبب مزید آن گردد بحکمِ ﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَأَزِيدَنَّكُمۡ﴾[3] اما زکاۃ ہر گاہ ادائے آنرا وقتے معیّن نبود واجتماعے برائے آن اتّفاق نیفتاد واقع نشد شکر تمام آنرا عیدے مناسب آن کذا قالوا"[4]۔

اور قرأتِ سورۂ فاتحہ واخلاص ومعوّذتین وغیرہا آیاتِ قرآن بھی جسے پنج[5] آیت کہتے ہیں، اگرچہ اصلِ مولد سے علاوہ بات ہے، حدیثِ ابو داود: «قد سمعتُك يا بلال! وأنت تقرأ من هذه

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ... إلخ، ر: ٦، صـ٢ ملتقطاً.

(۲) "الكافي" كتاب الصّلاة، باب النوافل، فصل في التراويح، ١/ ق١٠٦.

(۳) پ١٣، إبراهيم: ٧.

(۴) "اشعۃ اللمعات" کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ العیدین، ۱/۶۳۷۔

(۵) **اَقول:** پنج آیت کے جواز میں حدیث تو یہ ہے، اور فقہ درکار ہو تو ہمارے علماء نے صاف صریح اس جزئیہ کی تصریحیں فرمائی ہیں کہ متفرّق مَواضع سے آیات ملاکر پڑھنا بلاکراہت جائز ہے، "غنیہ شرحِ منیہ" میں ہے: "كما لا يكون

السورة ومن هذه السورة» قال: كلام طيّب يجمعه الله بعضه إلى بعض، فقال النّبي ﷺ: «كلّكم قد أصاب»[1] سے مستحب ومستحسن، حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ متفرّق آیتیں مختلف سورتوں کی ملا کر پڑھتے تھے، حضور نے فرمایا: "اے بلال! میں نے تجھے اس سورت اور اُس سورت سے پڑھتے سنا!" عرض کی: پاک کلام ہے کہ خدا بعض کو بعض سے جمع کرتا ہے، حضور[2] نے تصویب کی اور اس جواب کو پسند فرمایا۔

اور یہی حدیث اس مقدّمہ کے اِثبات میں (کہ دو۲ اچھی چیزیں جمع کرنے سے اُن کی خوبی زائل نہیں ہوتی، بلکہ اچھی چیزوں کا مجموعہ بھی اچھا ہی ہوتا ہے) کافی ووافی ہے، اور جب بعنایتِ الٰہی جملہ اُمور کہ

قراءة سوَر متفرّقة من أثناء القرآن مغيّراً للتأليف والنظم، لا يكون قراءة آية من كلّ سورة مغيّراً له" ["الغنية" تتمّات فيما يكره من القرآن، صـ٥٠٧، ٥٠٨]. "ردّ المحتار" میں ہے: "تقدّم [أي: في "الدرّ" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ٣/ ٤٢٦، ٤٢٧] قبَيل فصل القراءة أنّه يُستحبّ عقب الصّلاة قراءةُ آية الكرسي والمعوّذات، فلو كان ضمّ آية إلى آية من محلّ آخر مكروهاً لزم كراهة ضمّ آية الكرسي إلى المعوّذات لتغيير النظم، مع أنّه لا يكره لما علمتَ، بدليل أنّ كلّ مصلّ يقرأ الفاتحة وسورة أخرى أو آيات أخر، ولو كان ذلك تغييراً للنظم لكره" ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب سجود التلاوة، ٤/ ٦٠٨]. اُسی میں ہے: "أمّا ضمّ آيات متفرّقة فلا يكره كما لا يكره ضمّ سور متفرّقة بدليل ما ذكرناه من القراءة في الصّلاة" ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب سجود التلاوة، ٤/ ٦٠٨].　　(امام احمد رضا خان)

(١) "سنن أبي داود" كتاب التطوّع، باب رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل، ر: ١٣٣٠، صـ١٩٨.

(٢) **أقول:** اور شک نہیں کہ مَوصول مرسَل پر بالاتّفاق مقدّم، مع ہذا اس کی تصویب اور تمام کی اَولویّت وترغیب میں تنافی نہیں، تو مرسَل سعید مرویِّ ابی عبید اس کے اصلاً مُنافی نہیں۔　　(امام احمد رضا خان)

مجلس جن کو متضمن، یا کچھ بھی علاقہ رکھتی ہے، صحیح حدیثوں سے ایسے طریق کے ساتھ (کہ بقاعدہ مُناظرہ کسی کو مجال بحث نہ رہی) ثابت ہوگئی، اور ہیئتِ مجموعی کذائی کا استحسان حدیثِ ابوداود سے (کہ ابھی بیان ہوئی) بخوبی ظاہر، تواب مانع منصِف کو جو خدااور رسول سے کام رکھتاہے اور دل سے قرآن وحدیث کو مانتاہے تسلیم وقبول کے سوا کیا چارہ ہے؟! اور منکِر متعصب کے لیے ہٹ دھرمی اور نفسانیت کے اقرار اور سنّتِ نبویّہ واحادیث صحیحہ سے اعراض اور کھلے انکار کے سوااور کیاباقی رہا؟!

تیسری ۳ دلیل: بخاری ومسلم[1] حضرتِ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: قال رسول الله ﷺ: «لا يؤمن أحدُكم حتّى أكونَ أحبّ إليه من والده وولده والنّاس أجمعين»[2] یعنی حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: "تم میں کوئی مسلمان نہیں ہوتا جب تک میں اُسے اُس کے ماں باپ اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں"۔ اور بَیہقی[3] وابو الشیخ ودَیلمی[4] کی روایت، بلکہ خود "صحیح[5] بخاری" میں یہ مضمون نفس کی نسبت بھی وارد ہوا، یعنی جب تک نبی ﷺ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے مؤمن نہیں ہوتا۔

---

(۱) أي: في "الصحيح" كتاب الإيمان، باب وجوب محبّة رسول الله ﷺ أكثر من الأهل والولد والوالد والناس أجمعين... إلخ، ر: ١٦٩، صـ٤١.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الإيمان، باب: حبّ الرسول ﷺ من الإيمان، ر: ١٥، صـ٦.

(۳) أي: في "شُعب الإيمان" باب في حبّ النّبي ﷺ، ر: ١٥٠٥، ٢/ ٦٥٥.

(٤) أي: في "الفردوس بمأثور الخطاب" ر: ٧٧٩٦ عبد الرحمن بن أبي ليلى، ٥/ ١٥٤.

(۵) "صحیح بخاری شریف "کتاب الایمان والنذور میں حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: "ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے، حضور امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑے تھے، امیر المؤمنین نے عرض کی: یارسول اللہ! واللہ! حضور مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوا میری جان کے جو میرے بدن میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لن يؤمنَ =

=

أحدُكم حتّى أكونَ أحبَّ إليه من نفسه» [انظر: "المواهب" المقصد ٧ في وجوب محبّته واتّباع سنّته، الفصل ١ وجوب محبّته ﷺ، معنى محبّته ﷺ، ٣/ ٢٧٤، نقلاً عن البخاري]، "تم میں کوئی مؤمن نہ ہوگا جب تک میں اُسے اُس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہوں"۔

دوسری روایت میں ہے فرمایا: «لا والذي نفسي بيده حتّى أكونَ أحبَّ إليك من نفسك» "نہیں، قسم اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تیرا ایمان کامل نہ ہوگا جب تک میں تجھے تیری جان سے زیادہ پیارا نہ ہوں"، امیر المؤمنین نے عرض کی: "والذي أنزل عليك الكتاب! لأنت أحبُّ إليَّ من نفسي التي بين جنبي" "قسم اُس کی جس نے حضور پر قرآن اُتارا! بے شک حضور مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں، سیّدِ عالَم ﷺ نے فرمایا: «الآن يا عمر!» ["صحيح البخاري" كتاب الأيمان والنذور، باب: كيف كانت يمين النبي ﷺ؟ ر: ٦٦٣٢، صـ١١٤٦ بتصرّف]... إلخ، "اب تیرا ایمان کامل ہے اے عمر!"۔

تنبیہ: محبت دو۲ قسم ہے: طبعی واختیاری، مدارِ ایمان محبتِ اختیاری ہے؛ کہ وہی مامور بہ ہے، اور محبتِ طبعی جو ہر جانور کو بھی اپنے نفس واولاد سے ہوتی ہے، کوئی چیز نہیں، محبتِ طبعی اگر اپنے نفس سے زائد ہو محلِّ ایمان نہیں؛ کہ وہ سرے سے محلِّ ایمان نہیں، امیر المؤمنین نے اُس محبتِ طبعی کے اعتبار سے اپنی جان کا استثناء کیا، سیدِ عالَم ﷺ نے محبتِ اختیاری سے جواب دیا؛ کہ شرع اُسی پر نظر فرماتی ہے، امیر المؤمنین نے متنبہ ہوکر محبتِ اختیاری کا حال عرض کردیا؛ کہ اس میں واللہ! حضور مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔

أقول: یا اس تنبیہ نے طبیعتِ امیر المؤمنین پر وہ استیلاء کیا کہ محبتِ اختیاری کے وُفورِ پُر جوش نے محبتِ طبعی کو دَبا لیا، بلکہ فنا ومضمحل کردیا، اور طبعی طور پر بھی رسول اللہ ﷺ کے برابر اپنی جان اور تمام جہان کوئی محبوب نہ رہا، اب امیر المؤمنین نے اس ترقئ عظیم کا حال عرض کیا کہ واللہ! یارسول اللہ! اب تو اپنی جان کی محبتِ طبعی بھی حضور کی محبت میں گم ہوگئی۔ هكذا ينبغي أن يفهمَ هذا الحديث، وبالله التوفيق!. (امام احمد رضا خان)

بالجملہ ایمان بدُونِ کمالِ محبت آنحضرت ﷺ کامل نہیں ہوتا، اور محبت ذکرِ محبوب کی کثرت کو مقتضی «مَن[1] أحبَّ شيئاً أكثرَ من ذِكره». "دلائل الخیرات" میں اربابِ صفاووفا کی علامت خود بارشادِ اقدس حضرتِ رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیہ یہ نقل کی ہے: «إيثار محبّتي على كلّ محبوبٍ واشتغالُ الباطن بذِكري بعد ذكر الله»[2] "میری محبت کو ہر محبت پر ترجیح دینا، اور یادِ خدا کے بعد دل میری یاد میں مشغول رہنا"۔ اور دوسری روایت میں وارد: «إدمانُ ذِكري والإكثار من الصّلاة عليّ»[3] "ہمیشہ میری یاد میں رہنا، اور بکثرت مجھ پر درود بھیجنا" ﷺ۔

توذکرِ ولادتِ باسعادت، ومعراج وہجرت، ونزولِ وحی وحصولِ مرتبہ رسالت ونبوت، اور حضور کے ارہاصات ومعجزات، وخصائص وکمالات، واَخلاق وعادات، وحسنِ صورت وسیرت، وفضائل وعظمت بیان کرنا، اور ان اَذکار شریفہ ومحامدِ جلیلہ کو کمالِ رغبت وشوق کے ساتھ بکثرت وبار بار سننا سنانا، اور ایسی مجلس میں بطلب وبلا طلب حاضر ہونا، اور اُس سے دل کا سُرور، جگر کی ٹھنڈک، جان کا آرام، آنکھوں کا نور حاصل کرنا، سب کمالِ ایمان ومحبتِ سرورِ دوجہان ﷺ کا مقتضی ہے۔

اور اِعراض وانکار اور دوسروں کو ممانعت، ضعفِ ایمان ومرضِ قلب کی علامت، بلکہ شقاوتِ اَزلی کا ثمرہ ہے، ہر ذی عقل جانتا ہے کہ محبِ صادق اپنے محبوب کو ہر طرح ہر حال میں یاد کرتا ہے،

---

(۱) "جوکسی چیز سے محبت رکھتا ہے اُس کی یاد بکثرت کرتا ہے"، یہ حدیث ابو نعیم ودیلمی [انظر: "كشف الخفاء" حرف الميم، ر: ۲۳۵۲، ۲/ ۲۵۹ نقلاً عن أبي نعيم والديلمي] نے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کی۔ (امام احمد رضا خان)

(۲) "دلائل الخيرات" فصل في فضل الصّلاة على النّبي ﷺ، صـ۳٤.

(۳) "دلائل الخيرات" فصل في فضل الصّلاة على النّبي ﷺ، صـ۳٥.

اور جس قدر اُس کی خوبیاں اور محامد دوسروں کی زبان سے سنتا ہے خوش ہوتا ہے، اور اُس کی کثرت ہر چیز سے زیادہ عزیز جانتا ہے، ہزار حیلے سے یادِ محبوب اور اُس کے ذکر سننے اور کرنے میں مصروف، اور ہر طرح تکثیر و تکرار میں مشغوف رہتا ہے۔

اور جس سے دل میں کچھ کدُورت یا سُوئے عقیدت ہوتی ہے خواہ مخواہ اُس کی مدح و ستائش ناگوار، اور اُس کے ذکر سے پرہیز، اور ثنا و مدحت کرنے اور سننے سے انکار رکھتا ہے، اور یہی چاہتا ہے کسی حیلے اور تدبیر سے یہ تذکرہ کان تک نہ پہنچے، اور کوئی اُس کی مدح و ثنا نہ کرے، ظاہراً مانعینِ زمانہ کی بھی یہی کیفیت ہے اور مناسبِ حال اُن کے اس آیتِ کریمہ کی تلاوت ہے: ﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾[1].

اور نیز جو لوگ طریقۂ محبّت سے آگاہ اور اس کُوچے سے آشنا ہیں خوب واقف ہیں کہ ذکرِ دوست بالخصوص ہجر و فراق میں آتشِ شَوق و سوزِ دل کو بھڑکاتا ہے، اور محبّت[2] کو دو چند کرتا ہے، اور اس مادہ میں شَوق و محبّت کی تکمیل عین ایمان کی تکمیل ہے، کیا عجب ایسی مجالس میں حاضر ہونے اور بار بار محبوب کا ذکر

---

(۱) پ ٤، آل عمران: ۱۱۹.

(۲) **فائدہ:** امام احمد قسطلانی "مواہب لدُنیہ" میں فرماتے ہیں: "من أقوى أسباب ما نحن فيه سماع الأصوات المطربة بالإنشادات بالصفات النبويّة المغربة المعربة" ["المواهب" المقصد ٧ في وجوب محبّته واتّباع سنّته، الفصل ١ وجوب محبته ﷺ، علامات محبّة الرّسول ﷺ، محبّة ذكره، ٣/ ٣١٢]... إلخ، یعنی "سیّدِ عالم ﷺ کی طرف شوق و انجذاب قلب و جوشِ محبت حاصل کرنے کا ایک سبب قوی یہ ہے کہ حضور والا کی نعت شریف عجیب و غریب صاف الحانوں طرب انگیز آوازوں سے سنی جائے"۔ (امام احمد رضا خان)

سننے سے حقیقتِ ایمان حاصل، اور بحکم: «المرء مع مَن أحبّ»[1] اور «مَن أحبّني كان معي في الجنّة»[2] سرورِ انبیاء کی حضوری جنّت میں نصیب ہو کہ تمام دنیا ومافیہا اُس کے مقابلے میں پرِ پشّہ سے زیادہ خوار وذلیل ہے، اور جس حالت میں کمالِ محبّتِ حضور شرعاً محبوب ومطلوب، اور وہ مستلزم ومقتضی کثرتِ ذکر وتعظیمِ محبوب کو ہے، اور شے اپنے مقتضٰی ولوازم کے ساتھ ہی پائی جاتی ہے، تو کمالِ محبت کی طلب سے کثرتِ ذکر وتعظیمِ حضور کی طلب جس کے لیے یہ مجلس منعقد ہوتی ہے اور اُس پر مشتمل ہے، لازم آتی ہے، اور یہ اس مجلسِ مبارک کی مشروعیت ومقبولیت کی مستقل دلیل ہے۔

چوتھی ۴ دلیل: یہ مجلس در حقیقت مجلس ذکرِ خدا ہے، اور ہر مجلسِ ذکرِ خدا مہبطِ ملائکہ ومُوردِ رحمتِ الٰہی وموجِبِ رضائے مولیٰ تقدّس وتعالیٰ، تو مجلسِ مَولد مہبطِ ملائکہ ومُوردِ رحمت وموجِبِ رضائے خدا ہے۔ صغریٰ اس قیاس کا آٹھ ۸ وجہ[3] سے ثابت۔

وجہِ اوّل ۱: کوئی مسلمان صحیح العقیدہ اِن اَحوالِ شریفہ ومَحامدِ جلیلہ کو کہ مولد میں مذکور ہوتے ہیں، اور جن کے بیان کرنے اور سننے کے لیے محفل کرتے ہیں، حضرت رسولِ کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے فعل وخلق سے نہیں جانتا، بلکہ طریقِ بیان بھی یہی ہوتا ہے کہ "پروردگارِ عالَم جلّ وعلا نے اپنے حبیبِ اکرم ﷺ کو اس طرح پیدا کیا، اِس جہان اور اُس جہان میں یہ یہ مرتبہ دیا"، اور یہ طریقہ ذکرِ الٰہی

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الأدب، باب علامة الحبّ في الله لقوله تعالى: ﴿إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ ر: ٦١٦٨، صـ١٠٧٥.

(۲) "جامع الترمذي" أبواب العلم، باب [ما جاء في] الأخذ بالسنّة واجتناب البدعة، ر: ٢٦٧٨، صـ٦٠٨.

(۳) بارہ ۱۲ وجوہ فقیر نے زائد کیں، بحمد اللہ تعالیٰ بیس ۲۰ ہوئیں۔ (امام احمد رضا خان)

اور اُس کی بڑائی بیان کرنے کا قرآنِ مجید میں جابجا ملحوظ رہا: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى﴾(۱) "وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت کے ساتھ"۔

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾(۲) "پاکی ہے اُسے جو لے گیا اپنے بندے کو رات میں حرمت والی مسجد سے پرلے کنارے کی مسجد تک"۔ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾(۳) "برکت والا ہے وہ جس نے اُتارا قرآن اپنے بندے پر کہ سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو"۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾(٤) "سب خوبیاں اللہ کو جس نے قرآن اُتارا اپنے بندے پر اور اُس میں کچھ کجی نہ رکھی" إلى غير ذلك من الآيات.

اور مجلسِ مولد خواہ کچھ اور نام رکھنے سے حقیقت مسمّٰی کی نہیں بدلتی، نہ اُس کے حسن وخوبی کو جس پر قرآن وحدیث ناطق یہ تسمیہ کچھ مُنافی، نہ سرور ولادت کا ملحوظ ہونا اُسے مجلسِ ذکرِ الٰہی سے خارج کرتا ہے کہ یہ طریق بھی مقصود ومراد سے خارج نہیں، اگر ہم کسی خوشی میں فقیروں کو صدقہ دیں، یا واہبِ حقیقی کے شکر میں کوئی کام نیک بجالائیں، تو تصدّق وغیرہ افعال کے ثمرات وثواب سے محروم رہیں گے، یا فاعل ٹھہر کر ثواب پائیں گے؟! اور جو عید کی خوشی میں (کہ مسنون ہے) ناچ کی مجلس یا شراب وکباب کا جلسہ کرے، تو وہ سرورِ عید کا عامل اور اس نظر سے فعلِ مسنون کا فاعل قرار پائے گا، یا مرتکب کبائر اور اَحکامِ افعالِ مذکورہ کا مستوجب کہیں گے؟! سوا اس کے اذان سے اِعلامِ نماز، اور نماز سے غایتِ تذلّل

---

(۱) پ۱۰، التوبة: ۳۳.

(۲) پ۱۵، الإسراء: ۱.

(۳) پ۱۸، الفرقان: ۱.

(٤) پ۱۵، الكهف: ۱.

وامتثالِ حکم مقصود ہوتا ہے، باوجود اس کے وہ ذکر سے خارج نہیں ہوسکتے، امام فخر رازی ﴿فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾(١) کی تفسیر میں تصریح فرماتے ہیں(٢): "والصلاة تسمّى ذكراً قال الله تعالى: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾"(٣). اور صاحبِ "تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار" نے (کہ عمائدِ مقتدایانِ مانعین عصر سے ہے) بذیلِ حدیثِ مسلم: «لا يقعد قوم يذكرون الله إلاّ حفّتهم الملائكة»(٤) صاف اعتراف کیا کہ "قرآن وحدیث پڑھنا، وعظ ونصیحت وکلمہ ودُرود یہ سب ذکر میں داخل ہیں"(٥) حالانکہ افعالِ مذکورہ نفسِ ذکرِ الٰہی کے علاوہ مقاصد رکھتے ہیں۔

ہاں! ذکرِ الٰہی کو تضمن خواہ استلزام ضرور ہے، اسی نے انہیں داخلِ ذکر کیا، بلکہ اسی لیے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ہر طاعت ذکرِ الٰہی ہے، سو یہ امر ما نحن فیہ میں بھی بداہۃً متحقق، اور بعض اشخاص کا بعض اوقات اس تضمن واستلزام پر متنبہ نہ ہونا جس طرح تلاوتِ قرآن، وقراءتِ حدیث، وسماعِ وعظ، وسائر طاعات کے حسن میں مخل نہیں ہوتا، یوہیں حسن مولد میں حرج نہیں کرتا، یہاں تک کہ بعض حاضرین کا اغراضِ دنیوی کے لیے مجالسِ ذکر میں شریک ہونا مجلس کی خوبی زائل نہیں کر سکتا، بلکہ وہ لوگ بھی گو کمالِ ثواب واعلیٰ ثمراتِ ذکرِ خدا ورسول سے بے نصیب ہیں، برکاتِ مجلس سے محروم مطلق نہیں رہتے، رحمت کہ ذاکرین پر

---

(١) پ٢، البقرة: ١٩٨.

(٢) أي: في "التفسير الكبير" البقرة، تحت الآية: ١٩٨، ٢/ ٣٢٩.

(٣) پ١٦، طه: ١٤.

(٤) "صحيح مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ر: ٦٨٥٥، صـ١١٧٣.

(٥) "تحفۃ الاخیار" ذکر کے آداب اور اَحکام، تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی کے لیے جمع ہونے کی فضیلت، ص۱۱۱ بتصرّف۔

اُترتی ہے، انہیں بھی اپنے دامنِ کرم میں لے لیتی ہے، ارشادِ نبوی ﷺ جسے امام بخاری و مسلم نے حدیثِ طویل میں ذکر کیا: «فیقول[1] ملَكٌ من الملائكة: فیهم فلانٌ لیس منهم إنّما جاء لحاجةٍ، قال: هم الجلساءُ لا یشقى بهم جلیسُهم»[2] اس باب میں کافی ہے۔

وجہِ دُوم ۲: ذکرِ رسول اللہ ﷺ من حیث ھو رسول اللہ ﷺ بلا ریب ذکرِ الٰہی کے حکم میں ہے، اور جو مجلس کہ اس نظر سے اُس کے لیے منعقد ہو مجلسِ ذکرِ خدا ہے کہ محبت و طاعت، و تعظیم و بیعت، و تصدیق و عقیدت، یا (معاذ اللہ) اِیذاء و عداوت، و توہین و مخالفت، و تکذیب و براءت۔

بالجملہ امورِ مختصۂ اُلوہیّت و عبدیّت کے سوا ہر مُعاملہ خاصانِ خدا خصوصاً حضورِ والا سے اس حیثیت اور اس کے اَمثال کے ساتھ بشہادتِ قرآن و حدیث بعینہٖ جنابِ اَحدیّت و حضرتِ عزّت عزّ جلالُہ کے ساتھ ہوتا ہے، پروردگارِ عالَم جابجا قرآنِ مجید میں اپنے مُعاملات حضور کی طرف اور حضور کے مُعاملے اپنی جانب نسبت فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ﴾[3] "اے محبوب! بے شک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، یہ تمہارا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر نہیں، اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے"۔

---

(۱) یعنی جب ملائکہ مجلسِ ذکر میں شریک ہوکر رب عزّوجلّ کے حضور حاضر ہوتے اور اہلِ مجلس کا حال عرض کرتے ہیں، رب عزّوجلّ فرماتا ہے: "گواہ رہو! میں نے ان سب کو بخش دیا"، اس پر کوئی فرشتہ عرض کرتا ہے: فُلاں ان میں کا نہ تھا، وہ تو اپنے کسی کام کو آیا تھا، فرماتا ہے: "یہ وہ اہلِ مجلس ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہتا، میں نے اُسے بھی بخش دیا" وللہ الحمد!

(۲) "صحیح البخاري" کتاب الدعوات، باب فضل ذکر الله ﷻ، ر: ٦٤٠٨، صـ١١١٣.

و"صحیح مسلم" کتاب الذکر والدعاء...، باب فضل مجالس الذکر، ر: ٦٨٣٩، صـ١١٧١.

(۳) پ٢٦، الفتح: ١٠.

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾[1] "جو رسول کی اطاعت کرتا ہے بے شک اللہ کی اطاعت کرتا ہے"، ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾[2] "تم نے انہیں قتل نہ کیا، ولیکن اللہ نے قتل کیا، اور وہ کنکریاں جب اے محبوب! تم نے اُن کافروں پر پھینکیں تم نے نہ پھینکیں تھیں، بلکہ اللہ نے پھینکیں"۔

اور ﴿اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾[3] اور ﴿اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾[4] اور ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾[5] اور ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾[6] اور ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى﴾[7] اور ﴿كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾[8] اور ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾[9] اور ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾[10] اور ﴿يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ

---

(١) پ٥، النسآء: ٨٠.

(٢) پ٩، الأنفال: ١٧.

(٣) پ١٨، النور: ٤٨.

(٤) پ٢١، الأحزاب: ٢٩.

(٥) پ٩، الأنفال: ١.

(٦) پ٢٨، المجادلة: ٥.

(٧) پ٢٨، الحشر: ٧.

(٨) پ١٠، التوبة: ٩٠.

(٩) پ٢٢، الأحزاب: ٥٧.

(١٠) پ٦، المائدة: ٣٣.

وَ رَسُوْلَهٗ﴾[1] اور ﴿اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾[2] اور ﴿اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا﴾[3] اور ﴿لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾[4] اور ﴿مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾[5] اور ﴿لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾[6] اور ﴿وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ﴾[7] اور ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ﴾[8] اور ﴿یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾[9] اور ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾[10].

دیکھو! حضرتِ رسالت و دیگر خاصانِ بارگاہِ اَحدیّت کے مُعاملات باری عزّوجلّ نے کیونکر بعینہٖ اپنے ٹھہرائے، بلکہ اِن میں بہت وہ ہیں کہ حقیقۃً حضرت عزت کے ساتھ ممکن نہیں، مثلِ بیعت و حصۂ غنیمت، وایذاء، ومُحاربت، ومدد، ونصیحت، وفریب دہی وغیرہا، وہ سب بھی اپنی ذاتِ پاک کی طرف نسبت فرمائے، بلکہ بعض کی حضرتِ رسالت اور حضور کے یاروں سے نفی فرماکر خاص اپنے ہی قرار دیے، اسی طرح کریمہ:

---

(١) پ٢٨، الحشر: ٨.

(٢) پ١٠، التوبة: ٩١.

(٣) پ٢٢، الأحزاب: ٣٦.

(٤) پ٩، الأنفال: ٢٧.

(٥) پ٩، الأنفال: ١٣.

(٦) پ٢٦، الحجرات: ١.

(٧) پ١٠، التوبة: ٦٢.

(٨) پ٩، الأنفال: ٢٤.

(٩) پ١، البقرة: ٩.

(١٠) پ٦، المآئدة: ٢٤.

﴿اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾(۱) اور ﴿لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾(۲) اور ﴿سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ﴾(۳) وغیرہا میں اپنے افعال حضورِ والا کی طرف نسبت فرمائے۔

اور حضور اقدس ﷺ حضرت صدّیقہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے ہیں: «أظننتِ أن يحيفَ الله عليكِ ورسولُه؟»(۴) حالانکہ مُعاملہ حضور اور عائشہ صدّیقہ کا ہے۔ اور یہ بھی حدیث "صحیح مسلم" میں وارد: «لئن كنتَ أغضبتَهم لقد أغضبتَ ربَّك»(۵) یعنی "اگر تو نے سلمان وصہیب وبلال کو ناخوش کیا اور غصہ دلایا، تو اپنے پرورد گار کو ناراض کیا، اور اُسے غضب میں لایا"۔ اور ترمذی کی حدیث میں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی نسبت وارد ہوا: «مَن آذاهم فقد آذاني، ومَن آذاني فقد آذى الله»(۶) "جو اُنہیں اِیذا دے گا مجھے اِیذا دے گا، اور جو مجھے اِیذا دے گا خدا کو اِیذاء دے گا"۔

اور احمد(۷) وترمذی کی حدیث میں مولیٰ علی کرّم اللہ وجہہ کی نسبت آیا: «لا يحبّ علياً منافق،

---

(۱) پ۱۰، التوبة: ۷٤.

(۲) پ۱۰، التوبة: ۲۹.

(۳) پ۱۰، التوبة: ۵۹.

(٤) "صحيح مسلم" كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور...، ر: ۲۲۵٦، صـ۳۹۲.

(۵) "صحيح مسلم" كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل سلمان وبلال وصهيب رضي الله عنهم، ر: ٦٤١٢، صـ۱۱۰۲.

(٦) "جامع الترمذي" أبواب المناقب، باب في مَن سبّ أصحاب النبي ﷺ، ر: ۳۸٦۲، صـ۸۷۲.

(۷) أي: في "المسند" حديث أمّ سلمة زوج النبي ﷺ، ر: ۲٦۵٦۹، ۱۰/۱۷٦.

ولا يبغضه مؤمن»[1] "علی کو کوئی منافق دوست نہ رکھے گا، اور کوئی مسلمان اُس سے بغض نہ کرے گا"۔ اور بخاری ومسلم[2] کی حدیث میں وارد ہوا: «آية الإيمان حبُّ الأنصار، وآية النّفاق بغضُ الأنصار»[3] "دوستی انصار کی ایمان کی نشانی، اور بغض اُن سے نفاق کی علامت ہے"۔ اور یہ اُسی صورت میں ہے کہ محبت مولیٰ علی اور انصار سے محبت خدا ورسول، اور عداوت ودشمنی اِن خاصانِ خدا سے جنابِ باری اور اُس کے رسول سے دشمنی وعداوت ہے۔

اور حدیثِ "صحیح بخاری شریف" میں جناب باری عزّوجلّ سے ہے: «ولا يزال عبدي يتقرّب إليّ بالنوافل حتّى أحببتُه فإذا أحببتُه كنتُ سمعَه الذي يسمع به، وبصرَه الذي يُبصِر به، ويدَه التي يبطش بها، ورِجلَه التي يمشي بها»[4] یعنی "میرا بندہ نوافل کے ساتھ مجھ سے نزدیک ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں اُسے دوست رکھتا ہوں، اور جب میں اُسے دوست رکھتا ہوں تو میں اُس کا وہ کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اُس کی وہ آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اُس کا وہ ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے، اور اُس کا وہ پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے"، یہ حدیثِ جمیل اِس مدعا میں نصِ جلیل ہے۔

---

(۱) "جامع الترمذي" أبواب المناقب، باب [لا يحبّ علياً منافق ولا يبغضه مؤمن] صـ٨٤٦.

(۲) أي: في "الصحيح" كتاب الإيمان، باب الدليل على أنّ حبّ الأنصار وعليّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ من الإيمان وعلاماته... إلخ، ر: ٢٣٥، صـ٥٠.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب الإيمان، باب علامة الإيمان حبّ الأنصار، ر: ١٧، صـ٦.

(٤) "صحيح البخاري" كتاب الرقاق، باب التواضع، ر: ٦٥٠٢، صـ١١٢٧ بتصرّف.

اسی طرح شواہد اس مطلب کے قرآن و حدیث میں بکثرت ہیں، اور ترمذی کی حدیث میں بروایتِ جابر مولیٰ علی کرّم اللہ تعالی وجہہ کی نسبت وارد: سیّدِ عالم ﷺ فرماتے ہیں: «ما انتجيتُه ولكنّ الله انتجاه»[1] "میں نے اس سے سرگوشی نہ کی، بلکہ اللہ نے کی"۔ "تفسیر آیات الاَحکام" میں ہے: "يريد أنّ يدَ الرّسول التي تعلو أيدي المبايعين هي يدُ الله، واللهُ منزّهٌ عن الجوارح وعن صفات الأجسام، وإنّما المعنى تقرير أنّ عقد الميثاق مع الرّسول كعقده مع الله من غير تفاوُت بينهما، كقوله تعالى: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾"[2].

اور ہُویدا کہ ذکرِ ولادتِ باسعادت وغیرہا احوالِ حضرتِ رسالت، اور انعقادِ مجلس اُن اَذکار شریفہ اور بیانِ مَحامد جلیلہ واَوصافِ جمیلہ جناب خاتم النبوّۃ علیہ افضل الصلاۃ والتحیہ کے لیے اس نظر سے ہرگز نہیں کہ حضور حضرتِ عبد اللہ کے فرزند اور حضرت عبد المطلب کے پوتے ہیں، بلکہ خاص وعام اسی نظر سے کہ حضور رسولِ خدا ومحبوبِ کبریاء ہیں عمل میں لاتے ہیں، اور تعلق قصد کا ذکر حضرتِ رسالت سے بعد لحاظ اس حیثیت کے مجلس ذکرِ الٰہی ہونے میں کچھ حرج نہیں کرتا، لاجرم بحیثیتِ رسالت ومحبوبیت حضرتِ عزّت ذکرِ حضور اور اس مجلسِ مبارک پر ذکرِ الٰہی ومجلس ذکرِ الٰہی کے فضائل صادق آتے ہیں۔

وجہِ سوم ۳: کبھی خلق کے ساتھ کوئی مُعاملہ صرف اس وجہ سے کہ حکمِ خدا ومُوجبِ رضائے مولیٰ ہے خدا کی طرف نسبت کیا جاتا ہے، اور وہ مُعاملہ بعینہٖ اللہ عزّوجلّ کے ساتھ قرار پاتا ہے، وہ خود فرماتا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾[3] حالانکہ قرض مخلوق کو دیا جاتا ہے۔

---

(١) "جامع الترمذي" أبواب المناقب، باب [ما انتجيته (يعني عليّاً) ولكنّ الله انتجاه] ر: ٣٧٢٦، صـ٨٤٨.

(٢) انظر: "مدارك التنزيل وحقائق التأويل" الفتح، تحت الآية: ١٠، ٢/ ٥٧١.

(٣) پ٢، البقرة: ٢٤٥.

"صحیح مسلم شریف" میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اللہ عزوجل روزِ قیامت فرمائے گا: «يا ابن آدم! مرضتُ فلم تعدني» "اے فرزندِ آدم! میں بیمار ہوا تو میری عیادت کو نہ آیا"، عرض کرے گا: اے رب میرے! میں تیری عیادت کو کیونکر آتا؟ تُو تو ربّ العالمین ہے، فرمائے گا: تجھے معلوم نہ ہوا تھا کہ میرا فُلاں بندہ بیمار ہوا! تُو اُسے پوچھنے نہ گیا، تُو نے نہ جانا کہ اُسے پوچھنے جاتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا! «يا ابن آدم! استطعمتُك فلم تطعمني» "اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تُو نے مجھے کھانا نہ دیا" عرض کرے گا: اے رب میرے! میں تجھے کیونکر کھانا دیتا؟ تُو تو رب العالمین ہے، فرمائے گا: تُو نے نہ جانا کہ میرے فُلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تُو نے نہ دیا!، تُو نے نہ جانا کہ دیتا تو اُسے میرے پاس پاتا!، «يا ابن آدم! استسقيتُك فلم تسقني» "اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تُو نے نہ پلایا" عرض کرے گا: اے رب میرے! میں تجھے کیونکر پلاتا؟ تُو تو رب العالمین ہے، فرمائے گا: تجھ سے میرے فُلاں بندے نے پانی مانگا تُو نے نہ پلایا، اگر تُو اُسے پلاتا تو میرے پاس پاتا"[1]۔

اس سے بڑھ کر سندِ جلیل کیا ہوگی؟! اللہ اللہ! جب ایک بندے کی بیمار پرسی کرنا، اُسے کھانا دینا، پانی پلانا افعالِ رضائے الٰہی ہونے کے سبب یوں تعبیر کیے گئے، حالانکہ ربّ العالمین ان باتوں سے پاک ہے، تو سیّد العباد و سیّد المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیونکر ذکرِ الٰہی نہ ہوگا؟!۔

لاجَرَم، ذکرِ ولادت شریف کہ خدا کی رضا اور اُس کی خوشنودی ہی کے لیے کرتے ہیں، اور حضرتِ رسالت کی تعظیم و توقیر و اظہارِ عقیدت و صدقِ محبت، اور نعمتِ ولادت کی شکر گزاری (کہ سب مطلوبِ خدائے قدیر ہیں) ملحوظ رکھتے ہیں، قطعاً اس نظر سے بھی ذکرِ الٰہی تقدس و تعالیٰ ہے، اور یہ مجلس بعینہٖ مجلسِ ذکرِ خدا ہے۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب البرّ والصّلة، باب فضل عيادة المريض، ر: ٦٥٥٦، صـ١١٢٦.

وجہِ چہارُم ۴: "تحفۃ الأخیار ترجمہ مشارق الانوار" سے منقول ہوا کہ قرآن وحدیث پڑھنا، لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنا، درود وکلمہ پڑھنا، یہ سب ذکر میں داخل ہے، اور ایسی مجلس اِن فضائل کو جو حدیثِ مسلم: «لا يقعد قوم يذكرون الله إلاّ حفّتهم الملائكة» وغیرہا[1] میں مذکور مشتمل، اور خدا کا نامِ پاک تو ہزاروں بار اس مجلس میں لیا جاتا ہے، تو اُس کے مجلسِ ذکرِ الٰہی ہونے میں تردّد وتامّل کیا ہے؟۔

وجہِ پنجم ۵: بحوالۂ "تفسیرِ کبیر" عنقریب آتا ہے کہ شکر پر اِطلاقِ ذکر صحیح ہے، اور یہ مجلس شکرِ الٰہی کی ہے، بمقابلہ نعمت ولادتِ باسعادت، اس نظر سے بھی اُسے مجلسِ ذکرِ الٰہی کہنا بجا ہے۔

وجہِ ششم ۶: ذکر کے طرق محدود ومتعیّن نہیں، بلکہ اس کی کثرت مطلوب ہے، ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾[2] اور ایک طریقہ اُس کے طریقوں سے یہ ہے کہ ذکر فضائل ومحامدِ خاصانِ خدا کے ضمن میں ہو، خود پروردگارِ عالم نے اپنی مدح وذکر کو قرآن میں بھی ذکر ومدحتِ حضور کا متضمن کیا، جس کا بیان کریمۂ: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى﴾ وکریمۂ: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى﴾ وغیرہا آیات سے گزرا۔ کیا ان آیات میں خدا کا ذکر اور اُس کی تعریف نہیں؟! اور طرقِ ذکر میں بدعت کو کیا مُداخلت؟۔

ولہٰذا طرقِ اربعہ صوفیہ کرام نے بہت طرق اِحداث فرمائے کہ بعض اُن سے شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی "قول الجمیل"[3] میں بیان کیے، اور مجتہد الطائفہ اسماعیل نے بھی "صراط المستقیم"[4] میں برقرار وقائم رکھے، بلکہ اور بڑھائے۔

---

(۱) انظر: "شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، ر: ۵۳۰، ۱/ ۳۴۳.

(۲) پ ۱۰، الأنفال: ۴۵.

(۳) "القول الجميل في بيان سواء السبيل" صـ۱۷-۲۷ من المخطوط.

(۴) "صراط مستقیم" ص ۱۰۳-۱۱۷۔

توہم بھی اگر وہی طریق جو قرآن میں بھی پایا جاتا ہے، یعنی ذکرِ الٰہی وذکرِ رسول ایک مضمون میں کریں تو کیا حرج ہے؟! بغوی نے ابنِ عبّاس سے تفسیرِ کریمہ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾[1] میں ذکر کیا: "لم[2] يفرض الله على عباده فريضة إلاّ جعل لها حدّاً معلوماً ثمّ عذر أهلها في حال العذر غير الذكر فإنّه لم يجعل له حدّاً انتهى إليه، ولم يعذر أحداً في تركه إلاّ مغلوباً على عقله، وأمرهم به في الأحوال كلّها، قال الله تعالى: ﴿فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلَى جُنُوبِكُمْ﴾[3]، وقال الله تعالى: ﴿اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ بالليل والنهار، في البرّ والبحر والصحّة والسقم في السرّ والعلانية"[4].

وجہِ ہفتم۷: امام نَوَوی امام قاضی عیاض[5] سے نقل کرتے ہیں: "ذکرِ الٰہی دو۲ قسم ہے: ذکرِ قلب وذکرِ لسان، اور ذکرِ قلب بھی دو۲ قسم ہے: تفکّر و تدبّر عظمت و جلالِ الٰہی، وجبروت وملکوت وآیاتِ ارض

---

(۱) پ۲۲، الأحزاب: ٤١.

(۲) ترجمہ: یعنی اللہ تعالی نے کوئی فرض اپنے بندوں پر ایسا نہ کیا جس کی ایک حد مقرر نہ فرمائی ہو، پھر بحالت عذر اُس سے مُعاف نہ رکھا ہو، سِوا ذکر کے؛ کہ اس کی کوئی حد معیّن نہ فرمائی، جس پر محصور ہو، نہ کسی کو اس کے ترک میں معذور رکھا، مگر جس کی عقل مغلوب ہوجائے، اور بندوں کو ہر حال میں ذکر کا حکم دیا، فرماتا ہے: "اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے!" اور فرماتا ہے: "اللہ کی یاد بکثرت کرو!" رات میں اور دن میں، خشکی میں اور تری میں، تندرستی میں اور بیماری میں، تنہائی میں اور مجلس میں، والحمد لله ربّ العالمين!.

(۳) پ٥، النسآء: ١٠٣.

(٤) "معالم التنزيل" الأحزاب، تحت الآية: ٤١، ٣/ ٥٣٤ ملتقطاً بتصرّف.

(٥) أي: في "إكمال المعلِم بفوائد مسلم" كتاب الذكر... إلخ، ٨/ ١٨٩.

وسماوات میں، اور اسے اَعظم وارفع اَقسامِ ذکر لکھتے ہیں "[1]۔

اور ذاتِ بابرکات سرورِ کائنات اَعظمِ آیاتِ الٰہی ہے، جس کے حالات وصفات میں فکر کرنے سے کمالِ عظمت وجلالِ حضرتِ عزّت ظاہر ہوتا ہے، اور اِرہاصات ومعجزات وغرائبِ واقعات وعجائبِ حالات (کہ وقتِ ولادتِ باسعادت اور اُس کے اوّل وآخر ظہور میں آئے) پڑھنے اور سننے سے بادنیٰ توجہ نہایت قدرت وکمالِ حکمت وقُدّوسیّتِ جنابِ اَحدیّت سمجھی جاتی ہے۔ ولہٰذا پروردگار تقدّس وتعالیٰ نے حضور کے کمالات وعجائبِ واقعات کواپنی پاکی وعظمت کا بیان ٹھہرایاہے، اور اپنی قدّوسیّت وطہارت کواُن سے ثابت کیاہے، کما قال تعالی: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی﴾.

وجہِ ہشتم۸: قاضی ابوالفضل عِیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ "شفا" میں ابنِ عطا سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کریمہ: ﴿وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾[2] کو اس طرح تفسیر کرتے ہیں: "جعلت تمام الإيمان بذكري معك"[3] حاصل یہ کہ رب عزّوجلّ اپنے حبیب اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے فرماتا ہے: "کسی کا ایمان تمام نہیں ہوتا جب تک تمہیں میرے ساتھ ذکر نہ کرے"۔ نفسِ کلمہ ہی میں دیکھیے ہزار بار لا إله إلاّ الله کہے، اور اُس کی تصدیق کرے، بدُون محمّد رّسول الله کے ذکر کے کچھ کام نہیں آتا۔

---

(۱) "شرح صحيح مسلم" كتاب الذكر... إلخ، باب فضل مجالس الذكر، الجزء١٧، صـ١٥.

(۲) پ٣٠، ألم نشرح: ٤.

(۳) "الشفا بتعريف حقوق المصطفى" القسم ١، الباب ١ في ثناء الله تعالى عليه وإظهاره... إلخ، الفصل ١، الجزء ١، صـ٢١ بتصرّف.

دوسری تفسیر انہیں سے نقل فرماتے ہیں: "جعلتك ذِكراً من ذِكري، فمَن ذكَرك ذكَرني"[1] یعنی "اے محبوب! میں نے تجھے اپنا ذکر کیا ہے، جو تیرا ذکر کرے وہ میرا ذکر کرتا ہے"۔ اور امام جعفرِ صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: "لا يذكرك أحدٌ بالرسالة إلاّ ذكرني بالرَبوبيّة"[2] "کوئی تمہیں رسالت کے ساتھ ذکر نہ کرے گا، مگر مجھے رَبوبیّت کے ساتھ ذکر کرے گا"۔

دیکھو! ان تفسیرات کے طَور پر آیتِ قرآن سے ثابت ہوا کہ ذکرِ حضرتِ[3] رسالت ذکرِ خدائے

---

(۱) المرجع السابق.

(۲) المرجع السابق.

(۳) **اضافۂ دلائل:** ذکر شریف مولائے عالم ﷺ بعینہٖ ذکرِ الٰہی عزّوعلا ہونے پر آٹھ ۸ وجہیں کہ اعلیٰ حضرت سیّدنا تاج المحققین قدّس سرہ المکین الامین نے اِفادہ فرمائیں، بحمد اللہ تعالیٰ کافی وافی ہیں، مگر ذکرِ حبیب حبیبِ قلوب اور زیادتِ خیر خیرِ مطلوب، لہٰذا فقیر غفرلہ المولی القدیر بارہ ۱۲ وجہیں اَور بڑھائے؛ کہ بیس ۲۰ کا عدد تکمیل پائے۔

فأقول وباللہ التوفیق: وجہِ نہم ۹: دَیلمی "مسند الفردوس" میں حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «ذكر الأنبياء من العبادة وذكر الصالحين كفّارة» [انظر: "الجامع الصغير" حرف الذال، ر: ٤٣٣١، الجزء ٢، صـ٢٦٤]، "انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر عبادت ہے، اور اولیاء کا ذکر گناہوں کا کفارہ"۔ بلکہ وہی حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «ذكر عليّ عبادة» [انظر: "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الذال، فصل، ر: ٣١٥١، ٢/ ٢٤٤] "علی کا ذکر عبادت ہے"۔ تو ذکرِ اکرم سیّدِ عالم ﷺ اجل عبادات سے ہے، اور عبادتِ الٰہی اگر ذکرِ الٰہی نہ ہوئی تو اور کیا چیز ذکر ہوگی؟! عبادت تو عبادت حدیث تو ہر طاعت کو ذکرِ الٰہی بتاتی ہے، طبرانی "معجم کبیر" میں واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «مَن أطاع الله ﷻ فقد ذكر الله وإن قلّت صلاتُه وصيامُه وتلاوتُه للقرآن» ["المعجم الكبير" =

=

باب الواو، من اسمه واقد، ر: ٤١٣، ٢٢/ ١٥٤] "جس نے اللہ عزّوجل کی طاعت کی بے شک اُس نے خدا کا ذکر کیا، اگرچہ اُس کے نماز، روزے، تلاوت، نوافل تھوڑے ہوں"۔

وجہِ دہم ۱۰: ابو نعیم "حلیہ" میں عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رب عزّوجل فرماتا ہے: «إنّ أوليائي من عبادي وأحبّائي من خلقي الذين يذكرون بذكري وأذكر بذكرهم» ["حلية الأولياء" مقدّمة المصنّف، ر: ٥، ١/ ٣٦] "بے شک میرے بندوں سے میرے ولی اور میری خلق سے میرے محبوب وہ ہیں کہ میرے ذکر سے اُن کا ذکر ہوتا ہے، اور اُن کے ذکر سے میرا ذکر"۔ یہ حدیث نصِ صریح ہے کہ محبوبانِ خدا کی یاد خدا کی یاد ہے، جلّ وعلا وصلّی اللہ تعالیٰ علیہم وسلّم۔

وجہِ یازدہم ۱۱: ابوداود "سنن" اور طبرانی "معجم کبیر" میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «نهينا عن الكلام في الصّلاة إلاّ بالقرآن والذكر» ["المعجم الكبير" ومن مسند عبد الله بن مسعود، ر: ١٠١٢٨، ١٠/ ١١١] "ہمیں نماز میں ہر طرح کا کلام منع کیا گیا ہے مگر کلام اللہ یا ذکرِ الٰہی"، هذا لفظ الطبراني، ولأبي داود: «إنّما الصّلاة لقراءة القرآن وذكر الله تعالى، فإذا كنت فيها فليكن ذلك شأنك» ["سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب تشميت العاطس في الصّلاة، ر: ٩٣١، صـ١٤٢] اور ہر ظاہر کہ نماز میں «السلام عليك أيها النّبي ورحمة الله وبركاته!» بھی ہے، «أشهد أنّ محمّداً عبده ورسوله» بھی ہے، اللّٰهمّ صلّي على سيّدنا محمّد وعلى آل سيّدنا محمّد... إلخ، «اللّٰهمّ بارِك على محمّدٍ وعلى آل محمّد»... إلخ بھی ہے، یہ سب ذکرِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، تو اگر ذکر شریف بعینہٖ ذکرِ خدا نہ ہو، بحکمِ حدیث نماز میں روا نہ ہو۔

وجہِ دوازدہم ۱۲: "سننِ نسائی شریف" میں جابر بن عبد اللہ و جابر بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بسندِ حسن مروی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «كلّ شيءٍ ليس من ذكر الله فهو لهوٌ ولعب، إلاّ أن يكونَ أربعة: مُلاعبة الرجل امرأته، وتأديبُ الرجل فرسَه، ومشيُ الرجل بين الغرضَين، وتعليمُ الرجل السباحةَ» ["السنن الكبرى" أبواب الملاعبة، ملاعبة الرجل زوجته، ر: ٨٩٣٩، ٥/ ٣٠٢ بتصرّف] "جو چیز

=

=

ذکرِ الٰہی سے نہیں وہ سب کھیل کُود ہے مگر چار ۴ باتیں: مرد کا اپنی عورت سے کھیلنا، اور اپنا گھوڑا سدھانا، اور چاند ماری کے میدان میں چلنا، اور تیرنے کی تعلیم"۔

سیزدہم ۱۳: بزّار حضرتِ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «الدنيا ملعونةٌ، ملعونٌ ما فيها، إلاّ أمراً بمعروف، أو نهياً عن منكَر، أو ذكر الله» ["مسند البزّار" مسند عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، ما روى عبدة بن أبي لبابة عن أبي وائل عن عبد الله، ر: ١٧٣٦، ٥/ ١٤٥ بتصرّف] "دنیا پر لعنت ہے، اور جو کچھ دنیا میں ہے سب پر لعنت ہے، مگر اچھے کام کا حکم دینا، یا بُرے کام سے منع کرنا، یا خدا کا ذکر"۔

چہاردہم ۱۴: ترمذی [أي: في "الجامع" كتاب الزهد، [باب منه حديث كلّ كلام ابن آدم عليه لا له]، ر: ٢٤١٢، صـ٥٤٩]، ابنِ ماجہ [أي: في "السنن" كتاب الفتن، باب كفّ اللسان في الفتنة، ر: ٣٩٧٤، صـ٦٧٤]، حاکم [أي: في "المستدرَك" كتاب التفسير، تفسير سورة عمّ يتساءلون، ر: ٣٨٩٢، ٤/ ١٤٥٧]، بیہقی حضرتِ ام المؤمنین امِ حبیبہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «كلام ابن آدم كلّه عليه لا له إلاّ أمراً بمعروف أو نهياً عن منكَر أو ذكر الله عزّ وجلّ» ["شعب الإيمان" باب في حفظ اللسان، ر: ٤٩٥٤، ٤/ ١٧٧٦ بتصرّف] "فرزندِ آدم کا ہر کلام اُس کو مضر ہے، اُس کے نفع کا نہیں، مگر بھلائی کا حکم، یا بُرائی سے روکنا، یا اللہ تعالیٰ کا ذکر"۔

پانزدہم ۱۵: "صحیح بخاری" میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «مثَل الذي يذكر ربَّه والذي لا يذكر ربَّه، مثَل الحيّ والميّت» ["صحيح البخاري" كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله عزّ وجلّ، ر: ٦٤٠٧، صـ١١١٢] "جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا، اُن کی کہاوت ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ"۔ "صحیح مسلم" میں یہ حدیث یوں ہے: «مثَل البيت الذي يُذكر اللهُ فيه، والبيت الذي لا يذكر الله فيه، مثَل الحيّ والميّت» ["صحيح مسلم" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب

=

=

صلاة النافلة في بيته وجوازها في المسجد... إلخ، ر: ۱۸۲۳، صـ۳۱۷] "جس گھر میں خدا کا ذکر ہوتا ہے اور جس میں نہیں ہوتا، اُن کی مثال زندہ ومردہ کی مانند ہے"۔

شانزدہم۱۶: امام ترمذی محمد بن علی بسندِ حسن اور ابنِ ابی الدنیا [أي: في "التوبة" الصراع بين الإنسان والشيطان، ر: ۹۲، صـ۹۰] وابو یعلی [أي: في "المسند" مسند أنس بن مالك، سعيد بن سنان عن أنس بن مالك، ر: ٤٣٠١، ٣/ ٣٧٦] وبیہقی [أي: في "شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، ر: ٥٤٠، ١/ ٣٤٦] حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «الشيطان يلتقم قلبَ ابن آدم، فإذا ذكر اللهَ خنسَ عنده، وإذا نسيَ التقمَ قلبَه» ["نوادر الأصول في معرفة أحاديث الرسول" الأصل ٢٥٩ في دفع الوسوسة، ر: ١٧١٦، صـ٦٠٥ بتصرّف] "شیطان آدمی کا دل اپنے منہ میں لیے رہتا ہے، جب بندہ خدا کا ذکر کرتا ہے اُس وقت ڈبک جاتا ہے، اور جب غافل ہوتا ہے پھر دل کو منہ میں لے لیتا ہے"۔

ہفدہم۱۷: متعدد حدیثوں سے ثابت کہ "آدمی پر جلوَت یا خلوَت میں جو ساعت یادِ خدا سے خالی گزرے گی وہ روزِ قیامت اُس پر حسرت وندامت اور اللہ عزّوجل کی طرف سے مُؤاخذے کی باعث ہوگی"، طبرانی "معجم کبیر" و "وسیط" میں بسندِ صحیح، اور بیہقی [أي: في "شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، ر: ٥٣٣، ١/ ٣٤٤، ٣٤٥] حضرتِ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «ما من قومٍ اجتمعوا في مجلس، فتفرّقوا ولم يذكروا الله، إلاّ كان ذلك المجلس حسرة عليهم يوم القيامة» ["المعجم الأوسط" باب العين، مَن اسمه علي، ر: ٣٧٤٤، ٣/ ٢٠]، بیہقی [أي: في "شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، ر: ٥١٢، ١/ ٣٣٦] بسندِ جید، اور طبرانی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «ليس يتحسّر أهلُ الجنّة إلاّ على ساعةٍ مرّت بهم لم يذكروا اللهَ فيها» ["المعجم الكبير" من اسمه معاذ، معاذ بن جبل الأنصاري، جبير بن نفير عن مُعاذ بن جبل، ر: ١٨٢، ٢٠/ ٩٤]، ابو داود وترمذی بإفادۂ تحسین [أي في "الجامع" كتاب الدعوات، باب ما جاء في القوم يجلسون ولا يذكرون الله،

=

=

ر: ۳۳۸۰، صـ۷۷۲]، اور ابنِ ابی الدنیا و بیہقی [أي: في "شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، ر: ٥٤٥، ١/ ٣٤٨] حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «مَن قعد مقعداً لم يذكر الله فيه كانت عليه من الله تِرة» ["سنن أبي داود" كتاب الأدب، باب كراهية أن يقوم الرجل من مجلسه ولا يذكر الله، ر: ٤٨٥٦، صـ٦٨٥]... الحديث. ابنِ ابی الدنیا و بیہقی حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «ما من ساعةٍ تمرّ بابن آدم لم يذكر اللهَ فيها بخير إلاّ تحسّر عليها يوم القيامة» ["شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، ر: ٥١١، ١/ ٣٣٦].

حدیث ہم ۱۸: احادیث سے ثابت کہ "مجلس غیر ذکرِ الٰہی کی بدبو مرے ہوئے گدھے کی مثل، بلکہ اُس سے بد تر ہوتی ہے"۔ امام احمد [أي: في "المسند" مسند أبي هريرة، ر: ١٠٨٢٧، ٣/ ٦٢١] بسندِ صحیح، وابوداود [أي: في "السنن" كتاب الأدب، باب كراهية أن يقوم الرجل من مجلسه ولا يذكر الله، ر: ٤٨٥٥، صـ٦٨٥] وحاکم [أي: في "المستدرك" كتاب الدعاء والتكبير، ر: ١٨٠٨، ٢/ ٦٩١] بافادۂ تصحیح حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «ما من قومٍ يقومون من مجلس لا يذكرون الله ﷻ فيه إلاّ قاموا عن مثل جيفة حمار، وكان عليهم حسرة يوم القيامة». ابوداود طیالسی [أي: في "المسند" مسند جابر ﷺ، ر: ١٧٥٦، صـ٢٤٢] و بیہقی "شعب الایمان" اور ضیاء "مختارہ" میں بسندِ صحیح راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «ما اجتمع قوم ثمّ تفرّقوا عن غير ذكر الله وصلاة على النّبي ﷺ، إلاّ قاموا عن أنتن من جيفة».

["شعب الإيمان" باب في تعظيم النّبي ﷺ وإجلاله وتوقيره، ر: ١٥٧٠، ٢/ ٦٨٣].

نوزدہم ۱۹: "جامع ترمذی" میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «لا تُكثر الكلامَ بغير ذكر الله تعالى؛ فإنّ كثرة الكلام بغير ذكر الله قسوةٌ للقلب، وإنّ أبعدَ النّاس من الله القلب

=

تعالی ہے۔ اب اصل دلیل کے کبریٰ کا ثبوت لیجیے! امام مسلم[1] ابوہریرہ وابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: قال رسول الله ﷺ: «لا يقعد قومٌ يذكرون اللهَ إلاّ حفّتهم الملائكة،

=

القاسي» ["جامع الترمذي" أبواب الزهد، [باب منه النهي، عن كثرة الكلام إلّا بذكر الله]، ر: ٢٤١١، صـ٥٤٩] "غیر ذکرِ خدا میں کلام بہت نہ کر، کہ اس سے دل سخت ہوتا ہے، اور سب سے زیادہ خدا سے دُور سخت دل ہے"۔

بستم ۲۰: بیہقی "شعب الایمان" میں مکحول سے مرسلاً راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «إنّ ذكر الله تعالى شفاء وإنّ ذكر النّاس داء» ["شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، فصل في ذكر آثار وأخبار وردت في ذكر الله ﷻ، ر: ٧١٧، ١/ ٤٠٠] "بے شک اللہ تعالیٰ کا ذکر شفا ہے، اور بے شک آدمیوں کا ذکر بیماری ہے"۔ ابنِ ابی الدنیا امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد روایت کرتے ہیں: «لا تشغلوا أنفسكم بذكر النّاس؛ فإنّه بلاء، وعليكم بذكر الله» ["الصمت" باب الغيبة وذمّها، ر: ١٩٥، صـ١٣١]، "ذکرِ مردم میں مشغول نہ ہو کہ وہ بلا ہے، ذکرِ خدا میں لگے رہو"۔

دوازدہم ۱۲ سے یہاں تک کی حدیثوں میں جو شناعتیں، قباحتیں، مذمتیں غیرِ ذکرِ الٰہی کی مذکور ہوئیں، کہ وہ کھیل کُود ہے، ملعون ہے، معتر ہے، موت ہے، دل کو شیطان کے منہ میں دینے والا ہے، روزِ قیامت حسرت وندامت ہے، مُؤاخذۂ الٰہیہ کا باعث ہے، مرے گدھے کی مثل بدبو ہے، دل کو سخت اور خدا سے دُور کرنے والا ہے، بیماری ہے، بلا ہے، مسلمان کا ایمان گواہ ہے کہ ذکرِ شریف حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان آفات سے پاک ومبرّا ہے، اُن کے غلاموں کے ذکر کے وقت رحمت اُترتی ہے: "عند ذكر الصّالحين تنزّل الرحمة" ["حلية الأولياء" سفيان بن عيينة، ر: ١٠٧٥٠، ٧/ ٣٣٥]، اُن کا ذکر تو اَرفع واعلیٰ ہے، لاجرم بالیقین اُن کا ذکرِ پاک بعینہٖ ذکرِ مولیٰ تعالیٰ ہے، والحمد للہ ربّ العالمین!۔ (امام احمد رضا خان)

(۱) یہ حدیث امام احمد [أي: في "المسند" مسند أبي سعيد الخدري، ر: ١١٨٧٥، ٤/ ١٨٣، ١٨٤] وترمذی [أي: في "الجامع" كتاب الدعوات، باب ما جاء في القوم يجلسون فيذكرون الله ﷻ ما لهم من الفضل، ر: ٣٣٧٨، صـ٧٧١] وابنِ ماجہ [أي: في "السنن" كتاب الأدب، باب فضل الذكر، ر: ٣٧٩١،

=

وغشيتهم الرّحمة، ونزلت عليهم السكينة، وذكرهم اللهُ فيمن عنده»[1] یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "کوئی قوم نہیں بیٹھتی کہ خدا کو یاد کریں مگر فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں، اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، اور سکینہ اُن پر نازل ہوتا ہے، اور خدائے تعالیٰ اُس جماعت میں جو اُس کے پاس ہے اُن کا ذکر کرتا ہے"۔

اور "صحیحین"[2] کی حدیث میں مرفوعاً وارد: «يقول الله تعالى: أنا عند ظنّ عبدي بي، وأنا معه إذا ذكرني، فإن ذكرني في نفسه ذكرتُه في نفسي، وإن ذكرني في ملإٍ، ذكرتُه في

=

صـ٦٣٩] وابنِ حبّان [أي: في "الصحيح" كتاب الرقائق، باب الأذكار، ذكر حفوف الملائكة بالقوم يجتمعون على ذكر الله مع نزول السكينة عليهم، ر: ٨٥٢، صـ١٩٥] وابو نعیم [أي: في "حلية الأولياء" عبد الرحمن بن مهدي، ر: ١٢٩٣٦، ٩/ ٢٥] نے بھی اُن سے روایت کی۔ (امام احمد رضا خان)

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ر: ٦٨٥٥، صـ١١٧٣.

(۲) یہ حدیث بخاری و مسلم و ترمذی [أي: في "الجامع" أبواب الدعوات، [باب في حسن الظنّ بالله ﷻ]، ر: ٣٦٠٣، صـ٨٢٠] ونسائی [أي: في "السنن الكبرى" قوله تعالى: ﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ ر: ٧٧٣٠، ٤/ ٤١٢] وابنِ ماجہ نے [أي: في "السنن" كتاب الأدب، باب فضل العمل، ر: ٣٨٢٢، صـ٦٤٤] ابو ہریرہ، اور احمد نے [أي: في "المسند" مسند أنس بن مالك بن النضر، ر: ١٢٤٠٨، ٤/ ٢٧٧] بسندِ صحیح انس بن مالک، اور طبرانی [أي: في "المعجم الكبير" وما أسند عبد الله بن عبّاس، سعيد بن جبير عن ابن عبّاس، ر: ١٢٤٨٤، ١٢/ ٥٠] وبزّار نے بسندِ جید، اور بیہقی نے "شعب الایمان" [باب في محبّة الله ﷻ، ر: ٥٥١، ١/ ٣٥٠] میں ابنِ عباس، اور

=

ملإٍ خيرٍ منهم»(۱) "اللہ تعالی فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے اُس گمان کے پاس ہوں جو میرے ساتھ رکھتا ہے، اور اُس کے ساتھ ہوں جب مجھے یاد کرتا ہے، تو اگر مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے میں اکیلا اُسے یاد کرتا ہوں، یعنی پوشیدہ ثواب دیتا ہوں -کذا قالوا- اور جو اپنے لوگوں کی جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اُن سے بہتر جماعت میں اُس کا ذکر کرتا ہوں"۔

اور قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ﴾(۲) "تم مجھے یاد کرو کہ میں تمہیں یاد کروں"، اور دوسری جگہ فرماتا ہے: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾، وقال ﷻ: ﴿فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا﴾(۳).

دیکھو! ان دو آیتوں میں ذکر مجامع میں بالتصریح طلب فرمایا ہے، اور مجالسِ ذکر میں حاضر ہونے کی بھی تحریص(۴) وترغیب حضور اقدس ﷺ سے بتصریحِ تمام ثابت، أخرج

=

طبرانی نے بسندِ حسن مُعاذ بن انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی، ولفظ هذا: «لا يذكرني في ملإ إلاّ ذكرته في الرفيق الأعلى» ["المعجم الكبير" مُعاذ بن أنس الجهني، ر: ۳۹۱، ۲۰/ ۱۸۲]. (امام احمد رضا خان)

(۱) "صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ﴾... إلخ، ر: ۷٤۰۵، صـ۱۲۷۳، ۱۲۷٤. و"صحيح مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب الحثّ على ذكر الله تعالى، ر: ٦۸۰۵، صـ۱۱٦٦.

(۲) پ۲، البقرة: ۱۵۲.

(۳) پ۲، البقرة: ۲۰۰.

(۴) **زیادتِ احادیث:** تین ۳ حدیثیں متن میں ابھی گزریں، اور تین ۳ کا پتا ہم نے اُن کے حاشیہ پر دیا، آٹھ ۸ متن میں یہاں آتی ہیں، اور تین ۳ کا پتا اُن کے حواشی پر ہوگا، اور ایک حدیث متن اور دو ۲ حاشیے میں ثبوتِ تداعی کی بحث میں
=

=

عنقریب آتی ہیں، سب بیس ۲۰ ہوئیں، حدیث ۲۱: بیہقی "شعب الایمان" میں حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «لأن أذكر الله تعالى مع قوم بعد صلاة الفجر إلى طلوع الشمس، أحبُّ إليَّ من الدنيا وما فيها، ولأن أذكر الله تعالى مع قوم بعد صلاة العصر إلى أن تغيب الشمس أحبّ إليّ من الدنيا وما فيها» ["شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، فصل في إدامة ذكر الله ﷻ، ر: ٥٥٩، ١/ ٣٥٢] "مجھے اپنا ایک گروہ کے ساتھ بیٹھ کر نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک ذکرِ الٰہی کرنا تمام دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہے، اور مجھے اپنا ایک جماعت کے ساتھ بیٹھ کر نمازِ عصر کے بعد غروبِ شمس تک یادِ خدا کرنا تمام دنیا ومافیہا سے زیادہ عزیز ہے"۔

حدیث ۲۲ تا ۲۵: امام احمد [أي: في "المسند" مسند أنس بن مالك، ر: ٤١٤١، ٣/ ٣٢٨] وابو یعلیٰ وسعید بن منصور وبزّار وطبرانی [أي: في "المعجم الأوسط" باب الألف، مَن اسمه أحمد، ر: ١٥٥٦، ١/ ٤٢٤] وابنِ شاہین [أي: في "الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك" باب مختصر من فضل الذكر لله ﷻ، ر: ١٦٠، صـ٥٧] وضیاء [أي: في "الأحاديث المختارة" ر: ٢٦٧٧، ٧/ ٢٣٥، ٢٣٦] بسندِ صحیح حضرتِ انس بن مالک، اور طبرانی [أي: في "المعجم الكبير" باب السين، سهيل بن الحنظلة، ر: ٦٠٣٩، ٦/ ٢١٢] وبیہقی [أي: في "شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، فصل في ذكر آثار وأخبار وردت في ذكر الله ﷻ، ر: ٦٩٥، ١/ ٣٩٥] وضیاء وحسن بن سفیان بسندِ حسن حضرتِ سہیل بن الحنظلہ، اور عسکری وابو موسیٰ "کتاب الصحابہ" میں حنظلہ عبشمی، اور بیہقی "شعب الایمان" [باب في محبّة الله ﷻ، ر: ٥٣٤، ١/ ٣٤٥] میں حضرتِ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے بالفاظِ متقاربہ راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «ما من قومٍ اجتمعوا يذكرون الله ﷻ، لا يريدون بذلك إلاّ وجهه، إلاّ ناداهم منادٍ من السماء أن: قُوموا مغفوراً لكم قد بدّلت سيّئاتكم حسنات» ["المسند" مسند أنس بن مالك بن النضر،

=

=

ر: ١٢٤٥٦، ٤/ ٢٨٦] "جو لوگ مجتمع ہو کر ذکرِ الٰہی خاص برائے رضائے الٰہی کرتے ہیں، آسمان سے مُنادی انہیں ندا کرتا ہے: اُٹھو! تم سب بخشے گئے! تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں!"۔

حدیث ۲۶: ابنِ ابی الدنیا وابو یعلی [أي: في "المسند" مسند جابر، ر: ١٨٦٦، ٢/ ١٣٨] وبزّار وطبرانی "اوسط" [أي: "المعجم الأوسط" باب الألف، مَن اسمه إبراهيم، ر: ٢٥٠١، ٢/ ٥٨] وحکیم [أي: في "نوادر الأصول" الأصل ١٣٣ فيما يعلم به منزلة العبد عند الله تعالى، ر: ٨٧٦، صـ٣٢١] وحاکم [أي: في "المستدرَك" كتاب الدعاء والتكبير والتهليل والتسبيح والذكر، ر: ١٨٢٠، ٢/ ٦٩٥] وبیہقی "شعب" [أي: "شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، فصل في إدامة ذكر الله ﷻ، ر: ٥٢٨، ١/ ٣٤٢]، وابنِ شاہین وابنِ عساکر حضرتِ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «يا أيها النّاس إنّ لله سرايا من الملائكة تحلّ وتقف على مجالس الذكر في الأرض، فارتعوا في رياض الجنّة» "اے لوگو! اللہ عزّوجلّ کے کچھ لشکر فرشتوں سے ہیں کہ زمین میں مجالسِ ذکر پر اُترتے اور ٹھہرتے ہیں، تو جنّت کی کیاریوں میں چَرو!" عرض کی گئی: جنّت کی کیاریاں کیا ہیں؟ فرمایا: «مجالس الذكر» ["تاريخ دِمشق" ر: ٧٠٤٣ محمّد بن موسى بن فضالة، ٥٦/ ٨٠] "ذکر کی مجلسیں"۔

حدیث ۲۷: ابو الشیخ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «كلّ مجلسٍ يذكر اسم الله فيه تحفّ به الملائكة يقولون: زِيدوا زادكم الله، والذكر يصعد بينهم وهم ناشروا أجنحتهم» "جس مجلس میں مولیٰ سبحانہ وتعالی کا نامِ پاک ذکر کیا جاتا ہے، فرشتے اُسے سب طرف سے گھیر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ذاکرین سے کہتے ہیں: اور بڑھاؤ اللہ تمہیں بڑھائے! ذکر اُن کے درمیان سے اُٹھتا ہوتا ہے اور فرشتے اپنے پَر اُن پر پھیلائے ہوتے ہیں"، ربّ اجعلنا منهم، آمین! اللہ اللہ! اللہ ورسول وملائکہ کے نزدیک اس مجلسِ مبارک کی کیا کیا فضیلتیں ہیں! اور وہابیہ کی آنکھیں بند، والعياذ بالله ربّ العالمين، ولا حولَ ولا قوّةَ إلاّ بالله العلي العظيم!۔ (امام احمد رضا خان)

الترمذي[1] عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا مررتم برياض الجنّة فارتعوا» قالوا: وما رياض الجنّة؟ قال: «حِلق الذِّكر»[2] یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جب تم بہشت کے مرغزاروں کی طرف گزرو تو اُن میں چرو!" صحابہ نے عرض کی: جنّت کے مرغزار کیا ہیں؟ فرمایا: "ذکر کے حلقے"۔

"صحیح بخاری"[3] و"صحیح مسلم" کی حدیث میں ہے کہ "فرشتے ایسی مجالس کو تلاش کرتے پھرتے ہیں، جب انہیں پاتے ہیں تو زمین وآسمان کا جوف اُن سے بھر جاتا ہے اس قدر ہجوم کرتے ہیں"[4]۔ یہ

---

(١) وحسّنه [أي: في "الجامع" أبواب الدعوات، باب [حديث في أسماء الله الحسنى مع ذكرها تماماً]، تحت ر: ٣٥١٠، صـ٨٠٠] وكذا أحمد [أي: في "المسند" مسند أنس بن مالك بن النضر، ر: ١٢٥٢٥، ٤/ ٣٠٢] والبَيهقي في "الشعب" [باب في محبّة الله ﷻ، فصل في إدامة ذكر الله ﷻ، ر: ٥٢٩، ١/ ٣٤٢]، ورواه ابن شاهين في "ترغيب الذكر" عنه، وعن أبي هريرة رضي الله عنهما. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٢) "جامع الترمذي" أبواب الدعوات، باب [حديث في أسماء الله الحسنى مع ذكرها تماماً]، ر: ٣٥١٠، صـ٨٠٠.

(٣) یہ حدیث شیخین وغیرہما [انظر: "جامع الترمذي" أبواب الدعوات، [باب ما جاء إنّ لله ملائكة سيّاحين في الأرض]، ر: ٣٦٠٠، صـ٨١٩، ٨٢٠] نے ابو ہریرہ، اور بزّار نے انس، اور طبرانی نے "صغیر" [أي: "المعجم الصغير" باب الميم، مَن اسمه موسى، الجزء ٢، صـ١٠٩] میں ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٤) "صحيح البخاري" كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله ﷻ، ر: ٦٤٠٨، صـ١١١٢، ١١١٣. و"صحيح مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل مجالس الذكر، ر: ٦٨٣٩، صـ١١٧٠، ١١٧١.

حدیث طویل وجمیل بہت جانفزا ہے، جس کے آخر نے تمام اہلِ مجلس کی مغفرت کا مژدہ دیا ہے، یہاں تک کہ وہ بھی جو اپنے کسی کام کو آیا اور اِن میں بیٹھ گیا تھا، وللہ الحمد۔

احمد و ابویعلیٰ(۱) وابنِ حبّان(۲) و بیہقی(۳) وغیرہم(۴) ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «سيعلم أهلُ الجمع مَن أهل الكرم» "اب جانے جاتے ہیں سب جمع شدہ لوگ کہ کرم والے کون ہیں!"، کسی نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کرم والے کون ہیں؟ فرمایا: «أهل مجلس الذكر»(۵) "مجلسِ ذکر والے"۔

امام احمد(۶) بسندِ حسن حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی قلتُ: يا رسول الله، ما غنيمة مجالس الذكر؟ قال: «غنيمة مجالس الذكر الجنّة»(۷) میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجلسِ ذکر کی غنیمت کیا ہے؟ فرمایا: "جنّت"۔

---

(۱) أي: في "المسند" من مسند أبي سعيد الخُدري، ر: ۱۰۴۷، ۱/ ۳۳٦.

(۲) أي: في "الصحيح" كتاب الرقائق، باب الأذكار، ذكر ما يكرم الله ﷻ به في القيامة من ذكره في دار الدنيا، ر: ۸۱۳، صـ۱۸۹.

(۳) أي: في "شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، فصل في إدامة ذكر الله ﷻ، ر: ۵۳۵، ۱/ ۳٤۵.

(٤) كسعيد بن منصور في "سننه"، وابن شاهين في "الترغيب"، منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٥) "المسند" مسند أبي سعيد الخدري، ر: ۱۱٦۵۲، ٤/ ۱۳۷ بتصرّف.

(٦) ورواه أيضاً الطبراني في "الكبير" [انظر: "مجمع الزوائد" كتاب الأذكار، باب ما جاء في مجالس الذكر، ر: ۱٦۷۷۳، ۱۰/ ۵۸ نقلاً عن الطبراني]. (امام احمد رضا خان)

(۷) "المسند" مسند عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما، ر: ٦۷۹۱، ۲/ ٦۲۰.

طبرانی بسندِ صالح عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "رحمٰن کے دہنے ہاتھ پر، اور اُس کے دونوں ہاتھ دہنے ہیں، کچھ لوگ ہوں گے، جن کے چہروں کا نور نگاہوں کو خیرہ کرے گا، اُن کی مجلس وقربِ بار گاہ پر بڑے بڑے غبطہ کریں گے، عرض کی گئی: یا رسول اللہ، وہ کون ہیں؟ فرمایا: "متفرّق قبیلوں کے جمع ہونے والے، کہ ذکرِ الٰہی کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں"(۱)۔

نیز بسندِ حسن ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اللہ تعالی روزِ قیامت کچھ لوگ اُٹھائے گا نورانی چہرے موتی کے منبر پر بیٹھے، لوگ اُن پر رشک لے جائیں گے، وہ نہ نبی ہوں گے، نہ شہید"، ایک اَعرابی نے عرض کی: ہمیں اُن کا وصف بتائیے کہ ہم اُن کو پہچانیں، فرمایا: "وہ اللہ کے لیے باہم دوستی رکھنے والے ہیں مختلف قبیلوں، مختلف شہروں سے، ذکرِ الٰہی پر جمع ہوکر یادِ خدا کرتے ہیں"(۲)۔

"اِحیاء العلوم" میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول: "آسمان والے (یعنی فرشتے) اَہلِ زمین کے گھروں کو جن میں خدائے تعالی کا ذکر کیا جاتا ہے یوں دیکھتے ہیں جیسے اہلِ زمین ستاروں کو"(۳)۔ اور انعقادِ مجلسِ ذکر وشکر کے لیے صحابۂ کرام سے، اور حضور کا پسند فرمانا اور انہیں بشارت دینا حدیثِ مسلم(۴) سے ثابت ہے، اور ایسی مجلس میں لوگوں کا بلانا اور اس دَولت میں مسلمان بھائیوں کو شریک کرنا۔

---

(۱) انظر: "مجمع الزوائد" كتاب الأذكار، باب ما جاء في مجالس الذكر، ر: ١٦٧٧١، ١٠/ ٥٧، ٥٨، نقلاً عن الطبراني.

(۲) انظر: "مجمع الزوائد" كتاب الأذكار، باب ما جاء في مجالس الذكر، ر: ١٦٧٧٠، ١٠/ ٥٧، نقلاً عن الطبراني.

(۳) "إحياء علوم الدين" كتاب الأذكار والدعوات، الباب ١ في فضيلة الذكر وفائدته على الجملة... إلخ، فضيلة مجالس الذكر، ١/ ٣٥٢.

(۴) یہ حدیث خود متن میں عنقریب ذکر فرمائی جائے گی۔ [ص: ۱۵۷]۔

اوّلاً: امر بالمعروف ودعوت الی الخیر، اور اُن کی خیر خواہی ونصیحت ہے۔

ثانیاً۲: تکثیرِ ذکر بنصِ قرآن مطلوب ﴿اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾، اور اُس کی تقلیل بتصریحِ کتاب اللہ نفاق کی علامت ﴿لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾[1]، اور تداعی اور اُس میں اہتمام، کثرت ودفعِ قلت میں دخلِ تام رکھتا ہے۔

ثالثاً۳: خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی مجلس میں حاضر ہونے کی تحریص وترغیب فرمائی جس کی بعض احادیث ابھی گزریں۔

رابعاً۴: "صحیح بخاری" کی حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «إنّ لله ملائكةً يطوفون في الطُرق يلتمسون أهلَ الذِّكر، فإذا وجدوا قوماً يذكرون اللهَ تنادوا: هلُمّوا إلى حاجتكم»[2] "بتحقیق اللہ عزوجل کے لیے کچھ فرشتے ہیں کہ راہوں میں گشت لگاتے ہیں اہلِ ذکر کو تلاش کرتے، جب کسی قوم کو ذکرِ خدا کرتے پاتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں: اپنی حاجت کی طرف آؤ"۔ دیکھو! ایسی مجالس کی تلاش اور ایک کا دوسرے کو خبر کرنا اور بلانا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعلِ ملائکہ سے نقل فرماتے ہیں۔

خامساً۵: امام غزالی[3] "احیاء العلوم" میں: "ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل کہ بازار کو گئے اور لوگوں سے کہا: "میں تمہیں یہاں دیکھتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث مسجد میں تقسیم ہوتی ہے "لوگ یہ

---

(۱) پ۵، النسآء: ۱۴۲.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله عزّ وجلّ، ر: ٦٤٠٨، صـ١١١٢.

(۳) یہ حدیث طبرانی نے "معجم صغیر" میں اسی طرح روایت کی: قالوا: رأينا قوماً يذكرون الله عزّ وجل، ويقرأون القرآن قال: «فذلك ميراثُ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم» اور اسی کو طبرانی نے "معجم اوسط" میں بسندِ حسن یوں روایت کیا کہ =

سن کر بازار چھوڑ مسجد کو گئے، نہ وہاں کچھ میراث دیکھی، نہ کوئی شے تقسیم ہوتی پائی، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: ہم نے وہاں کچھ نہ پایا، فرمایا: "تم نے کچھ دیکھا؟" کہا: ہاں، ایک قوم خدا کا ذکر اور تلاوتِ قرآن کرتی نظر آئی، فرمایا: "یہی تو نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی میراث ہے کہ وہاں تقسیم ہوتی تھی"[1]۔

یہ مجالسِ[2] ذکر سے لوگوں کو اطلاع دینا اور اجتماع میں سعی و اہتمام کرنا نہیں تو کیا ہے؟! خدا جانے منکرینِ مولد کو کیا ہوا ہے جو ایسی مجلس کو کہ ذکرِ خدا اور رسول پر مشتمل اور فوائدِ دین وآخرت کو متضمن ہے منع کرتے ہیں! نہ جنابِ رسالت سے شرماتے ہیں! نہ خدائے قہار سے ڈرتے ہیں!۔

=

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بازارِ مدینہ پر گزرے، وہاں کھڑے ہو کر، آواز دی: "اے بازار والو، تم کس قدر طلبِ خیر سے عاجز ہو!" اُنہوں نے عرض کی: کیا ہوا؟ فرمایا: «ذاك ميراثُ رسول الله ﷺ يقسّم، وأنتم هاهنا ألا تذهبون فتأخذون نصيبكم منه!» "یہ میراث رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تقسیم ہو رہی ہے، اور تم یہاں بیٹھے ہو کیوں نہیں جاتے کہ اپنا حصہ اُس سے لو!" بولے: کہاں؟ فرمایا: "مسجد میں، وہ دوڑے اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ پلٹے، فرمایا: "کیسے لَوٹے؟" کہا: مسجد میں گئے، وہاں کچھ بٹتے نہ دیکھا، فرمایا: "تم نے مسجد میں کوئی شخص نہ پایا؟" کہا: ہاں کچھ لوگ دیکھے کہ نماز پڑھتے، کچھ تلاوتِ قرآن، کچھ ذکر و مذاکرۂ حلال و حرام میں ہیں، فرمایا: "افسوس تم پر! یہی تو محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی میراث ہے" ["المعجم الأوسط" مَن اسمه أحمد، ر: ۱۴۲۹، ۱/ ۳۹۰ بتصرّف]. (امام احمد رضا خان)

(۱) "الإحياء" كتاب الأذكار والدعوات، الباب ۱ في فضيلة الذكر وفائدته على الجملة... إلخ، فضيلة مجالس الذكر، ۱/ ۳۵۲.

(۲) **أقول وباللہ التوفیق: سادساً:** امام احمد "مسند" میں بسندِ حسن حضرتِ انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی: كان عبد الله بن رواحة إذا لقي الرجلُ من أصحاب رسول الله ﷺ قال: تعال نؤمن بربّنا ساعة، عبد اللہ بن رَواحہ رضی اللہ تعالی عنہ کی عادت تھی جب صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے کسی کو پاتے اُن سے کہتے: آؤ ہم ایک گھڑی اپنے رب پر ایمان تازہ کریں، ایک دن یہی لفظ اُنہوں نے ایک صاحب سے کہے (وہ مطلب نہ سمجھے) غضب ناک ہوئے، اور

=

=

خدمتِ اقدس حضور سیّد عالم ﷺ میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ یار سول اللہ! حضور ابنِ رَواحہ کو نہیں دیکھتے! حضور کے ایمان سے ایک گھڑی کے ایمان کی طرف رغبت کرتے ہیں! سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: «يرحم اللهُ ابنَ رواحة! إنّه يحبّ المجالس التي يتباهى بها الملائكة» ["المسند" مسند أنس بن مالك بن النضر، ر: ١٣٧٩٨، ٤/ ٥٢٨ بتصرّف] "اللہ عزّوجلّ ابنِ رَواحہ پر رحم فرمائے! وہ اُن مجلسوں کو دوست رکھتا ہے جن سے فرشتے فخر کرتے ہیں"۔ یہ مجالسِ ذکر کی طرف کیسی صریح تداعی ہے! جسے سیّدِ عالم ﷺ پسند فرماتے ہیں، اور تداعی کرنے والے صاحب کے لیے دعائے رَحمت کرتے ہیں۔

سابعاً: اسی کی نظیر حضرتِ مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے وارد، امام ترمذی محمد بن علی نے اُس جناب سے روایت کی، اُنہوں نے ایک صحابی سے کہا: تعال حتّى نؤمنَ ساعة! آؤ ایک گھڑی ایمان لائیں! اُنہوں نے سیّدِ عالم ﷺ سے شکایت کی کہ کیا ہم مؤمن نہیں! حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: «دَع عنك مُعاذاً؛ فإنّ اللهَ يباهي به الملائكة» ["نوادر الأصول" الأصل ٧٢ في الذكر الخفي، ر: ٥٤٥، صـ٢٢٧ بتصرّف] "مُعاذ کو مُعاف رکھ! اُس کی شان میں کوئی کلمہ بے جانہ کہہ؛ کہ اللہ عزّوجلّ اُس سے ملائکہ پر مفاخَرت فرماتا ہے"۔

ثامناً: ابوبکر بن ابی شَیبہ اپنی "مصنَّف" ["المصنَّف" كتاب الإيمان والرؤيا، باب، ر: ٣٠٣٦٦، ٦/ ١٦٤] اور لالکائی "کتاب السنّہ" میں حضرتِ زر سے راوی: قال: كان عمر ربما يأخذ بيد الرجل والرجلَين من أصحابه فيقول: «قُم بنا نزداد إيماناً فيذكرون اللهَ ﷻ» یعنی حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارہا اپنے اصحاب سے ایک دو مردوں کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے: "ہمارے ساتھ اُٹھ کر آؤ؛ کہ ایمان زیادہ کریں" پھر مل کر یادِ الٰہی کرتے۔

تاسعاً: "مسند احمد" ["المسند" مسند أبي هريرة، ر: ٩١٧١، ٣/ ٣٥٧] وصحاحِ ستّہ [أي: "جامع الترمذي" أبواب العلم، باب فيمن دعا إلى هدًى فاتّبع أو إلى ضلالة، ر: ٢٦٧٤، صـ٦٠٦، ٦٠٧. و"سنن ابن ماجه" المقدّمة، باب من سنّ سنّة حسنة أو سيّئة، ر: ٢٠٦، صـ٤٤] الاّ "البخاری" میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «مَن دعا إلى هُدى، كان له من الأجر

=

=

مثل أجور مَن تبعه، لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً» ["صحيح مسلم" كتاب العلم، باب مَن سنّ سنّة حسنة... إلخ، ر: ٦٨٠٤، صـ١١٦٥. و"سنن أبي داود" كتاب السنّة، باب من دعا إلى السنّة، ر: ٤٦٠٩، صـ٦٥٢] "جو کسی امرِ ہدایت یعنی نیک کام کی طرف لوگوں کو بلائے، جتنے لوگ اُس کے بلانے پر آئیں سب کے برابر ثواب اسے ملے، اور اُن کے ثوابوں سے کچھ کم نہ ہو"۔ في "التيسير": "(«إلى هُدى») أي: إلى ما يهتدى به من العمل الصالح" ["التيسير بشرح الجامع الصغير" حرف الميم، تحت ر: ٨٦٦٣، ٦/ ١٧٧]. یہی مضمون ابنِ ماجہ نے براویتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا، ولفظه: «أيما داعٍ دعا إلى هُدى فاتُّبع، فإنّ له مثلَ أجور مَن تبعَه، ولا ينقص من أجورهم شيئاً».

["سنن ابن ماجه" المقدّمة، باب مَن سنّ سنّة حسنة أو سيّئة، ر: ٢٠٥، صـ٤٤ بتصرّف].

عاشراً۱۰: ابن النجار حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «خيار أمّتي مَن دعا إلى الله تعالى وحبّب عبادَه إليه» [انظر: "كنز العمّال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب ١ في الترغيب فيه، ر: ٢٨٧٧٥، ١٠/ ٦٦، نقلاً عن ابن النجّار] "میری اُمت کے بہتر لوگ وہ ہیں جو اللہ کی طرف بلائیں اور اُس کے بندوں کو اُس کا محبوب کردیں"۔ یہ بات بحمد اللہ تعالیٰ اس مجلس شریف پر بروجہِ احسن صادق ہے، اس میں ذکرِ خدا و رسول ہی کی طرف بلایا جاتا ہے، وہ باتیں سنائی جاتی ہیں جن سے اللہ و رسول کی محبت دلوں میں بڑھے، مسلمان درود شریف کی تکثیر کریں، رحمت و محبتِ الٰہی کے مستحق ہوں، ولله الحمد. دیلمی ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «مَن أكثر ذكر الله أحبّه الله» "جو اللہ کی یاد بکثرت کرے گا اللہ عزوجل اُسے دوست رکھے گا"۔ دارقطنی "افراد" اور ابنِ عساکر "تاریخ" [أي: "تاريخ دِمشق" موسى بن عمران بن يصهر بن قاهث، ٦١/ ١٤٧] میں حضرتِ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی: اے رب میرے! میں چاہتا ہوں کہ تیرے محبوب بندے مجھے معلوم ہوجائیں کہ میں اُن سے محبت رکھوں، فرمایا: «إذا رأيت عبدي يُكثر ذكري فأنا أذنتُ له في ذلك وأنا أحبّه، وإذا رأيتَ عبدي

=

سبحان اللہ! فرشتے تو ایسی مجلسوں کو ڈھونڈتے پھریں، اور رسول اللہ ﷺ انہیں بہشت کے مرغزار کہیں، اور اُن میں حاضر ہونے کی ترغیب فرمائیں، اور صحابۂ کرام لوگوں کو اُن میں شریک اور جمع کرنے کے لیے ایسا اہتمامِ بلیغ عمل میں لائیں، اور یہ لوگ طرح طرح سے کلام کریں، نہ آپ[1] جائیں، نہ اَوروں کو جانے دیں!۔

پانچویں ۵ دلیل: ہم دلیلِ اوّل میں قرآنِ عظیم سے بتصریحِ آیات ثابت کر چکے کہ وجودِ باجود سراپا رَحمت حضرتِ رسالت ﷺ اور اُس جناب کی ولادت باسعادت ہمارے حق میں بڑی نعمت ہے، اور خلقِ آدم کو پروردگار جلّ وعلا نے نعمتوں میں شمار کیا، ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾[2]، تو حضور کی پیدائش وولادت کے (کہ

=

لا يذكرني فأنا حجبتُه عن ذلك وأنا أبغضه» "جب تو میرے بندے کو دیکھے کہ میرا ذکر بکثرت کرتا ہے تو میں نے اُسے اس کا اِذن دیا اور میں اُسے دوست رکھتا ہوں، اور جب تو میرے بندے کو دیکھے کہ میری یاد نہیں کرتا تو میں نے اُسے اس سے محروم کیا ہے اور میں اُسے دشمن رکھتا ہوں"۔ والعياذ بالله. (امام احمد رضا خان)

(۱) ایک حدیث ان صاحبوں کے مناسب بھی سن لیجیے! ابو الشیخ "کتاب التوبیخ" اور ابنِ عساکر "تاریخ" میں وضین بن عطا سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «ثمانية أبغض خليقة الله إليه يوم القيامة» "آٹھ ۸ گروہ اللہ عزّوجلّ کو روزِ قیامت تمام خلق سے زیادہ دشمن ہیں"، اُن میں ایک گروہ یہ ذکر فرمایا: «والذين إذا دعوا إلى الله ورسوله كانوا بطاء، وإذا دعوا إلى الشّيطان وأمره كانوا سراعاً» ["تاريخ دِمشق" ر: ٤٦٦ إبراهيم بن عمرو الصنعاني، ٧/ ٨٦، ٨٧] "وہ لوگ کہ جب اللہ ورسول کی طرف بلائے جائیں دیر لگائیں، اور جب شیطان اور اُس کے کام کی طرف بلائے جائیں جلدی کریں"۔ (امام احمد رضا خان)

(۲) پ۲۷، الرحمن: ١٤-١٦.

باعثِ تخلیقِ آدم وعالم ہے) عمدہ نعمت ہونے میں کیا شک ہے؟! اور مولوی اسحاق صاحب کو بھی "مأة مسائل" میں اُس کے اعظمِ نعم ہونے کا اعتراف ہے، تو شکر اِس نعمت کا ہم پر واجب۔

اور دوسری دلیل میں بحوالۂ حدیثِ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ جسے امام بغوی نے "معالم التنزیل" میں تحت قولہ عزّوجلّ: ﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ ذکر کیا، مذکور ہوا کہ تحدیث وتذکرۂ نعمت شکر ہے، اور اُس کا ترک ناشکری، اور بیضاوی اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں: "فإنّ التحدّث بها شكرها"[1] بحکمِ احادیث[2] وتصریحِ ائمۂ تفسیر آیۂ کریمہ میں ایک طریقہ شکر کا تعلیم فرمایا گیا ہے، ہم اُسی طریقے سے

---

(۱) "أنوار التنزيل وأسرار التأويل" الضحى، تحت الآية: ۱۱، ۳/ ۵٤٤.

(۲) اعلیٰ حضرت تاج المحققین قدّس سرّہ العزیز نے یہاں صرف ایک حدیث بغوی ذکر فرمائی، اور لفظ احادیث نے اشارہ فرمایا کہ اس مضمون میں احادیث عدیدہ وارد ہیں، اور بے شک ایسا ہی ہے، ہم نے زیرِ دلیلِ اوّل اس حدیث بغوی کی تخریج "شعب الایمان بیہقی" سے بھی ذکر کی۔

حدیث دوم ۲: یہی امام بغوی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں: «فإنّه إذا أثنى عليه فقد شكره، وإن كتمه فقد كفر» ["معالم التنزيل" الضحى، تحت الآية: ۱۱، ٤/ ۵۰۰] "نعمت پانے والے نے منعم کی ثنا کی تو اُس کا شکر بجالایا، اور نعمت کو چھپایا تو کفران کیا"۔

حدیث سوم ۳: عبد الرزّاق "جامع" میں قتادہ سے مرسلاً راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: «مِن شُكر النعمة إفشاؤُها» ["المصنَّف" كتاب الجامع، باب الثريد، شكر الطعام، ر: ۱۹۵۸۰، ۱۰/ ٤۲۵] "نعمت کے شکر سے ہے اُس کا خوب مشہور کرنا"۔

حدیثِ چہارم ۴: کہ اجلٰی واعلٰی وکافی ومُغنی ہے، ابوداود "سنن" ["سنن أبي داود" كتاب الأدب، باب في شكر المعروف، ر: ٤٨١٤، صـ٦٨١] اور ضیاء "مختارہ" میں بسندِ صحیح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی،

بامتثالِ حکمِ الٰہی شکر جنابِ الٰہی کا ولادتِ باسعادت وغیرہا احوالِ شریفہ حضرتِ رسالت پر عمل میں لاتے ہیں؛ کہ اس مجلس مبارک میں جو اَذکار پڑھے جاتے ہیں وہ سب خداوندِ قدیر کے احسانات ہیں جو ہم پر ہوئے، مانندِ ولادت و رسالت و ہجرت وغیرہا کے، اور تحدیثِ انعاماتِ الٰہیّہ عین شکرِ الٰہی ہے۔

اور اختیار کرنا ربیع الاوّل کو اس عمل کے واسطے اگرچہ اصلِ بحث سے خارج ہے، لیکن حدیث روزۂ عاشوراء سے دوسری دلیل میں ثابت کردیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام و بنی اسرائیل کی نَجات اور فرعون کے ہلاک پر اُس نعمت کے شکر میں بدُونِ تجدّد اس نعمت کے بروزِ عاشوراء (کہ اُس عاشوراء سے سیکڑوں برس کے فاصلے پر واقع تھا) روزہ رکھا، اور مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم کیا۔ تو شکر نعمتِ ولادت ماہ وروزِ ولادت باسعادت میں (اگرچہ تجدّد اُس نعمت کا نہیں) ادا کرنا نہایت مناسب وبجا ہے، بلکہ یہاں اثر اُس نعمت کا کہ ہدایت وغیرہا اُمور سے عبارت ہے بحمد اللہ ہمارے حق میں باقی و متجدّد ہے، اور جو کہ ماہِ ولادت مذکّر اس نعمت کا ہے تو اَہلِ ایمان ومحبانِ حضور سرورِ محبوبان ﷺ کے دلوں میں سرور وفرحت اور ذکرِ حضور کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے، گو حضراتِ وہابیہ اس دَولت وعمدہ نعمت سے محرومِ مطلق ہوں، حصولِ نعمت پر اظہارِ سرور وفرحت مستحبات وجملہ قُربات سے ہے۔

محقّقِ دہلوی "ترجمہ مشکاۃ" میں بذَیلِ حدیث: أنّ امرأةً قالت: إنّي نذرتُ أن أضربَ على رأسك بالدُفّ، قال: «أوفي نذرك»(١) لکھتے ہیں: "ولیکن آنحضرت آنرا بنظرِ قصدِ صحیح وی؛ کہ اظہارِ فرح وسرور ست بقدومِ پیغمبرِ خدا سالماً غانماً ومظفّراً ومنصوراً از جملہ قُربات داشتہ امر بوفائے نذر

=

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «مَن أبلي بلاء فذكره فقد شكرَه، وإن كتمَه فقد كفره» "جسے کوئی نعمت دی گئی اُس نے اُس کا چرچا کیا تو شکر ادا کیا، اور چھپایا تو ناشکر رہا"۔　(امام احمد رضا خان)

(١) "المشكاة" كتاب الأيمان والنذور، باب في النذور، الفصل ٢، ر: ٣٤٣٨، ٢/ ٢٨٢ ملتقطاً بتصرّف.

کردہ"[۱]۔ علامہ ابنِ حجر فرماتے ہیں: "يستحبّ لنا أيضاً إظهارُ الشُّكر بمولِده ﷺ بالاجتماع، وإطعامُ الطعام ونحو ذلك من القُربات وإظهارُ المسرّات"[۲].

اور اس کلام سے ظاہر کہ اجتماع واِطعام واظہارِ فرحت وسرور بھی ایک طریقہ شکرِ نعمت کا ہے، بالجملہ یہ مجلسِ مبارک بوجوہ شکرِ نعمت ہے، اور اب جس قدر فضائلِ شکر آیات واحادیث میں وارد، بحمد اللہ تعالی اُن سب کی اس میں جامعیت ہے ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم.

چھٹی ۶ دلیل: امام فخر الدین رازی "تفسیر کبیر" میں تحت قولہ تعالی: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ فرماتے ہیں: "وسابعها: أن يكونَ المراد بالأوّل هو ذكر أسمائه تعالى وصفاته الحسنى، والمراد بالذكر الثاني: الاشتغال بشكر نعمائه، والشكر مشتمل أيضاً على الذكر، فصحّ أن يسمّى الشكر ذكراً، والدليل على أنّ الذِكرَ الثاني هو الشّكر أنّه علّقه بالهداية فقال: ﴿كَمَا هَدٰىكُمْ﴾[۳] والذكر المرتّب على النعمة ليس إلاّ الشّكر"[٤].

(۱) "اشعۃ اللمعات" کتاب العتق، باب فی النذور، الفصل ۲، ۳/۲۲۲ بتصرّف۔

(۲) انظر. "الحاوي للفتاوي" كتاب الصداق، باب الوليمة، رسالة "حسن المقصد في عمل المولد" ۱/ ۲۲۹، ۲۳۰، نقلاً عن ابن حجر.

(۳) پ۲، البقرة: ۱۹۸.

(٤) [illegible] الكبير" البقرة، تحت الآية: ۱۹۸، ۲/ ۳۲۹، ۳۳۰.

دیکھو! ان امامِ اجل کے کلام میں تصریح ہے کہ شکر ذکر پر مشتمل اور اطلاق ذِکر کا[1] شکر پر صحیح ہے، اور ذکر قلبی شکر کی کسی قسم سے (بقلب ہو خواہ بزبان یا بجوارح بالبداہۃ) منفک نہیں ہو سکتا۔ تو اَب ہم کہتے ہیں کہ عملِ مولد نعمت ولادت پر شکر ہے، اور شکر متضمن و مستلزمِ ذکر، بلکہ خود ذکر ہے، اور ذکرِ الٰہی جس طریق سے اور جس طرح پایا جائے (سوا اُس صورت کے کہ شرع منع کرے) مستحسن و مشروع ہے، بلکہ اس دلیل کی تقریر میں اسی قدر کافی کہ یہ عمل شکر ہے، اور شکر[2] بلا حجر و حظر مطلقاً مشروع، تو یہ امر مشروع ہے۔

کبریٰ اَہلِ اسلام بلکہ تمام اَہلِ عقل کے نزدیک بدیہی اور صغریٰ اس وجہ سے کہ اِنعامِ منعِم پر اُس کی مدح و ثنا کرنا شکر لسانی، اور بندگانِ خدا خصوصاً فقراء کے ساتھ مُواساۃ اور رِضائے الٰہی کے لیے صدقہ

---

(۱) **اقول:** مع ہذا بداہۃً ظاہر کہ شکر طاعت ہے؛ کہ قرآنِ مجید میں جا بجا اُس کا حکم ہے، اور اِمتثالِ حکم ہی کا نام طاعت ہے، اور ہم حدیث سے تصریح نقل کر چکے کہ ہر طاعتِ الٰہی ذکرِ الٰہی ہے، تو شکر بنصِ حدیث ذکر ہے۔ (امام احمد رضا خان)

(۲) **اقول:** آیاتِ قرآنِ عظیم نے بلا تقیید و تخصیص شکرِ الٰہی کا حکم دیا ہے، اور جس طرح مقید شرع کو اپنی رائے سے مطلق کر دینا جائز نہیں، یوہیں مطلق شرعی کو مقید ٹھہرا لینا حرام ہے، اعلیٰ حضرت تاج المحققین قدس سرہ العزیز نے کتاب مستطاب "أصول الرشاد" [قاعدہ ۴، مبحثِ دُوم ۲، مبحثِ سوم ۳، ص ۱۲۵، ۱۲۹] میں اس بحث کو اعلیٰ وجہ تحقیق پر محقق فرمایا، فقیر کہتا ہے: اطلاقاتِ قرآنیہ، احادیثِ صحیحۂ "صحیح بخاری" و "مسلم" سے تو مقید و مخصوص ہو نہیں سکتے جبکہ حدیث آحاد ہوں، پھر اپنی رائے سے مقید کر لینا کیونکر حلال ہوگا؟ لاجرم شکر و ذکر و تعظیم خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وغیرہا اَحکام کہ قرآنِ عظیم نے مطلقاً اَرشاد فرمائے، مطلق ہی رہیں گے، اور جس صورت، ہیئات، طریقے ذریعے سے بجالائیں مامور بہ کا فرد اور مطلوب و مندوب ہی ہوں گے، جب تک کسی خاص صورت کی ممانعت شرع سے ثابت نہ ہو، جیسے بیت الخلاء میں ذکر لسانی یا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سجدے سے تعظیم۔ یہ اصل کلّی خُوب حفظ رکھی جائے؛ کہ اکثر جہالاتِ وہابیہ کا علاج شافی ہے، ان سفہاء نے ذکر و شکر و تعظیمِ خدا اور رسول کو (معاذ اللہ) غیر معقول المعنیٰ قرار دے رکھا ہے کہ مورد پر مقتصر جانتے اور بے وُرودِ خاص ممنوع مانتے ہیں، ذلك مبلغهم من العلم، بل هم في شكّ منها، بل هُم منها عمون. (امام احمد رضا خان)

وخیرات شکرِ جوارح ہے، اور نعمت پر خوش ہونا اور اُسے منعمِ حقیقی جل جلالہ کی نعمت ورحمت سمجھنا شکرِ قلبی ہے؛ کہ یہ مجلس مبارک اِن اُمور کو بداہۃً مشتمل، قطع نظر اس سے کہ حصولِ نعمت پر سُرور مقتضائے طبع وامرِ جبلی ہے، شرع شریف میں بھی وارد ہوا، اور اُس کا اظہار اور سامان مہیا کرنا، اور اُس میں اہتمام بجالانا، اور جمع ہونا اَحکامِ عیدین سے ثابت۔

اور "بخاری شریف" میں امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: إنّ[1] رجلاً من اليهود قال له: يا أمير المؤمنين! آية في كتابكم تقرؤنها لو أنّها علينا معشر اليهود نزلت لاتّخذنا ذلك اليوم عيداً، قال: «أيّ آية؟» قال: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾[2] قال عمر: «قد عرفنا ذلك اليوم والمكان الذي نزلت فيه على النبي صلى الله عليه وسلم وهو قائم بعرفة يوم جمعة»[3]. اور "خیر الجاری" میں معنی جوابِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ لکھے ہیں: "يعني[4] قد اتّخذنا ذلك اليوم عيداً"[5].

---

(۱) ترجمہ: ایک یہودی نے اُن سے عرض کی: یا امیر المؤمنین! ایک آیت آپ کی کتاب میں ہے، آپ سب اُسے پڑھتے ہیں، ہم یہودیوں پر اُترتی تو ہم اُس دن کو عید بناتے، فرمایا: کون سی آیت؟ عرض کی: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾... الآية، یعنی "آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین، اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت، اور پسند کیا تمہارے لیے اسلام کو دین"۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: "ہم کو معلوم ہے وہ دن اور جگہ جس میں یہ آیت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اُتری، حضور عرفات میں کھڑے تھے، جمعہ کا دن تھا"۔

(۲) پ ٦، المائدة: ٣.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، ر: ٤٥، صـ١١ بتصرّف.

(۴) ترجمہ: "امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اُس دن کو عید بنایا"۔

(۵) "الخير الجاري" كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، ١/ ق٢٧.

اور مانعین کا اعتراض کہ "وہاں نعمت متجدّد ہوتی ہے، توقیاس مع الفارق ہے "اُن کے امامِ ثانی مَولوی اسحاق صاحب دہلوی پر وارد ہے؛ کہ انہوں نے سُرور واجتماع وفرحتِ مولد کو عیدَین پر قیاس کیا ہے۔ اور نیز دلیلِ دُوم ۲ میں بخوبی ثابت ہوا کہ عذرِ تجدّد غیر مقبول ہے، اور سُرور وشکرِ نعمت بدلائلِ حدیثِ عاشوراء آمثال ونظائر ایامِ وصولِ نعمت میں بلا تجدّدِ نعمت شرع میں معمول ہے، مع ہذا یہاں نعمت نزولِ آیت ہے، اُس میں تجدّد کو کیا مُداخلت ہے؟! امام علاّمہ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"وعندي[1] أنّ هذه الرواية اكتفى فيها بالإشارة، وإلاّ فرواية إسحاق بن قبيصة قد نصّت على المراد ولفظه: «يوم جمعة يوم عرفة وكلاهما بحمد الله لنا عيد» وللطبراني[2]: «وهما لنا عيد» فظهر أنّ الجواب تضمّن أنّهم اتّخذوا ذلك اليوم عيداً وهو يوم الجمعة، واتّخذوا يوم عرفة عيداً؛ لأنّه ليلة العيد"[3]. اور امام قسطلانی قوله:

---

(۱) ترجمہ: میرے نزدیک اس روایت میں اشارے پر قناعت کی، ورنہ اسحاق بن قبیصہ کی روایت صاف مراد بتارہی ہے، اُس کے لفظ یہ ہیں کہ امیر المؤمنین نے فرمایا: "وہ روز جمعہ وروزِ عرفہ تھا، اور وہ دونوں بحمد اللہ تعالی ہمارے لیے عید ہیں"۔ یوہیں طبرانی کی روایت میں آیا کہ امیر المؤمنین نے فرمایا: "جمعہ وعرفہ دونوں ہماری عید ہیں"۔ تو ظاہر ہوا کہ جواب میں یہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں نے بھی اُس دن کو عید بنایا، وہ روزِ جمعہ ہے اور روزِ عرفہ کو بھی عید بنایا کہ شبِ عید ہے۔

(۲) أي: في "المعجم الأوسط" باب الألف، مَن اسمه أحمد، ر: ۸۳۰، ۱/ ۲٤۲.

(۳) "فتح الباري" كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، تحت ر: ٤٥، ۱/ ۱۳۱ ملتقطاً بتصرّف.

"لاتخذنا ذلك اليوم عيداً" کی شرح میں لکھتے ہیں: "نعظّمه[1] في كلّ سنة ونسرّ فيه لعظم ما حصل فيه من كمال الدّين"[2].

امام نووی فرماتے ہیں: "فقد[3] اجتمع في ذلك اليوم فضيلتان وشرفان، ومعلومٌ تعظيمنا لكلّ منهما، فإذا اجتمعا زاد التعظيم، فقد اتّخذنا ذلك اليوم عيداً وعظّمنا مكانه". حاصل یہ کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک یہودی نے عرض کیا کہ اگر یہ آیت: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ﴾... إلخ، یہود پر نازل ہوتی تو ہم لوگ روزِ نزول کو عید ٹھہراتے، ہر سال اُس دن کی تعظیم اور اُس میں اظہارِ فرحت و سُرورِ عظیم کرتے، امیر المؤمنین نے فرمایا کہ ہم نے کیا ایسا نہ کیا؟! یہ آیت عرفہ میں بروزِ جمعہ نازل ہوئی، اور وہ دونوں ہمارے دینِ متین میں عید ہیں۔

دیکھو! حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہود کے اس بیان کو کہ وصولِ نعمت پر خوشی و سُرور درکار، اور روزِ وصول ہر سال اُس خوشی و فرحت کے اظہار اور عید ٹھہرانے کے لیے سزاوار ہے، تسلیم فرماکر جواب دیا کہ روزِ عرفہ وجمعہ ہمارے مذہب میں عید و تعظیم کے لیے مقرر ہیں، اور پُر ظاہر کہ یہ مسرّت و تعظیم شرع شریف میں اجتماعِ مسلمین کے ساتھ ہوتی ہے، اور شکرِ الٰہی کے واسطے جلسہ اور نعمت کا شکر مجمع میں ادا

---

(۱) ترجمہ: عرضِ یہودی کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہر سال اُس دن کی تعظیم اور اُس میں خوشی کرتے کہ ایسی عظیم چیز یعنی دین کامل ہونا اُس میں حاصل ہوا۔

(۲) "إرشاد الساري" كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، تحت ر: ٤٥، ١/ ٢٢٦.

(۳) ترجمہ: بیشک اس میں دو۲ فضیلتیں اور دو۲ شرف جمع ہوئے، اور معلوم ہے کہ ہم اُن میں سے ہر ایک فضیلت کی تعظیم کرتے ہیں، تو جب دونوں جمع ہوئے تعظیم بڑھ گئی، پس ثابت ہوا کہ ہم نے اس دن کو عید بنایا، اور اُس کی منزلت کی تعظیم کی۔

کرنا صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم سے ثابت، اور حدیث میں اس فعل کی ستائش اور نہایت مدحت وارد کہ خدائے تعالی ایسی مجلس والوں کے ساتھ فرشتوں سے مُباہات ومُفاخرت کرتا ہے۔

"صحیح مسلم"[1] میں امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: إنّ رسولَ الله ﷺ خرج على حلقةٍ من أصحابه، فقال: «ما أجلَسكم هاهنا؟» قالوا: جلسنا نذكر اللهَ ونحمده على ما هدانا للإسلام، ومَنّ به علينا، قال: «آلله! ما أجلسكم إلاّ ذلك؟» [قالوا: آلله! ما أجلسنا إلاّ ذلك] قال: «أمّا إنّي لم أستحلفكم تهمةً لكم، ولكنّه أتاني جبرئيل فأخبرني أنّ اللهَ ﷻ يباهي بكم الملائكة»[2] یعنی حضرتِ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیہ دَولت خانہ سے اپنے یاروں کی مجلس میں تشریف لائے اور فرمایا: "یہ کاہے کی مجلس ہے؟" عرض کی: اس بات کی کہ خدا کا ذکر کریں اور اُس کی اِس نعمت پر کہ ہمیں اسلام کی ہدایت فرمائی اور اُس کے ساتھ ہم پر احسان کیا شکر بجالائیں، فرمایا: "تمہیں خدا کی قسم! کیا صرف اسی کام کی مجلس کی ہے؟" عرض کی: خدا کی قسم! صرف اسی کام کی مجلس کی، فرمایا: "خبردار ہو! میں نے تمہیں متہم ٹھہرا کر تم سے قسم نہ لی، بلکہ ہوا یہ کہ جبریل میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالی تمہارے ساتھ فرشتوں سے مُباہات ومُفاخرت فرماتا ہے"۔

---

(١) ورواه عنه أيضاً الترمذي [أي: في "الجامع" كتاب الدعوات، باب ما جاء في القوم يجلسون فيذكرون الله ﷻ ما لهم من الفضل، ر: ٣٣٧٩، صـ٧٧١، ٧٧٢]، والنَّسائي [أي: في "السنن" كتاب آداب القضاة، باب كيف يستحلف الحاكم، ر: ٥٤٣٦، الجزء ٨، صـ٢٦٢].

(امام احمد رضا خان)

(٢) "صحيح مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ر: ٦٨٥٧، صـ١١٧٤ بتصرّف.

سبحان اللہ! اس پاک مجلس کا اور جو لوگ ایسی مجلس منعقد کریں، اور اُس میں خدائے تعالی کا ذکر کریں، اور راہِ مستقیم وطریقِ قویم اسلام کی ہدایت پانے، اور جن کی بدَولت یہ دَولت ہاتھ آئی اُن کی ولادتِ باسعادت ورسالت وِارہاصات ومعجزات وغیرہا کمالات پر (کہ اس ملّت کی ترقّی ورونقِ عظیم کے باعث ہوئے) شکرِ الٰہی بجالائیں، اور منعمِ حقیقی کے یہ احسانات یاد کریں، اور مسلمانوں کو یاد دلائیں، اُن کا جنابِ باری میں یہ مرتبہ ہے کہ اُن سے اپنے فرشتوں کے ساتھ مفاخرت فرماتا ہے، گو کورِ باطن خُفاش طینَت انکار کریں، اور اُس کے فضل وخوبی کو کہ آفتابِ نصف النہار کی طرح ظاہر ہے، نہ دیکھیں۔

ساتویں دلیل: ابو القاسم "ترغیب" میں روایت کرتے ہیں: "خدا کے سیّاح فرشتے جب ذکر کے حلقوں یعنی ذاکرین کی مجلسوں پر گزرتے ہیں، ایک دوسرے سے کہتا ہے: بیٹھو! جب وہ دعا کرتے ہیں، یہ آمین کہتے ہیں، جب وہ درود بھیجتے ہیں، یہ بھی اُن کے ساتھ دُرود پڑھتے ہیں، جب مجلس تمام ہوتی ہے، ایک فرشتہ دوسرے سے کہتا ہے: انہیں خوبی اور خوشی ہو؛ کہ بخشے گئے"۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: "اپنی مجلسوں کو نبی ﷺ پر درود بھیجنے اور عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ذکر سے زینت دو!"۔ اور "دلائل الخیرات شریف" میں فرمایا: "بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے مروی ہوا: جس مجلس میں محمد ﷺ پر درود پڑھی جاتی ہے اُس سے ایک پاکیزہ خوشبو اُٹھتی ہے، یہاں تک کہ آسمان تک پہنچتی ہے، فرشتے کہتے ہیں: یہ وہ مجلس ہے جس میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھی گئی"[1]۔

اور اکثر احادیثِ صحیحہ درود کے فضائل وفوائد وثواب جزیل واجرِ جمیل کے بیان میں مطلق وارد ہیں، تو وہ فضائل وفوائد کسی خاص صورت کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ درود خواں کو عام اس سے کہ تنہائی میں پڑھے یا مجامع ومجالس میں، اور مصلّی شخص واحد ہو یا سب اہلِ مجلس۔

---

(۱) "دلائل الخيرات" فصل في فضل الصّلاة على النّبي ﷺ، صـ۲٦، ۲۷.

اور مجلس میں درود کے ساتھ اور اُمورِ خیر بھی جمع کیے جائیں یا صرف درود خوانی کریں، اور مجلس اسی امر کے لیے منعقد ہو یا دوسرے کارِ خیر کے لیے، یا اس کے ساتھ دوسرا امر بھی مقصود ہو، سب صورتوں میں حاصل ہیں، تو مجلسِ مولد، مجلسِ درود خوانی کے فوائد وثمرات پر مشتمل، اور اس کا بانی اُس شخص کے حکم میں جو لوگوں کو درود پڑھنے کے لیے جمع اور اس عمدہ کام کی طرف متوجّہ کرے، داخل ہے، اور کتاب خواں وحاضرین (کہ ہزاروں سیکڑوں بار ہر مجلس میں درود پڑھتے ہیں) اُس ثواب واجر وفضائل وثمرات وبرکات کے جو مصلّی کے لیے صحیح حدیثوں میں موعود ہیں قطعاً مستحق۔

اور اس کا ثبوت کہ ذکرِ ولادت باسعادت وغیرہا احوالِ حضرتِ رسالت، یا تقسیمِ طعام وشیرینی خواہ تلاوتِ قرآن وغیرہ اُمور کا درود کے ساتھ جمع ہونا اُس کے ثواب وبرکات کو زائل، اور مصلّی کو اُن فوائد وفضائل سے محروم کرتا ہے، ذمّہ مانعین ہے، ودون خرط القتاد!.

آٹھویں ۸ دلیل: دارمی عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں: أنّ رسول الله ﷺ مرّ بمجلسَين في مسجده فقال: «كلاهما على خير، وأحدهما أفضل من صاحبه، أمّا هؤلاء فيدعون الله ويرغّبون إليه، فإن شاء أعطاهم وإن شاء منعهم، وأمّا هؤلاء فيتعلّمون الفقهَ أو العلمَ ويعلّمون الجاهل، فهم أفضل، وإنّما بُعثتُ معلّماً» فجلس فيهم[1]. اس حدیث میں تصریح ہے کہ مجلس تعلیم وتعلّم کی اُس مجلس سے جس کے لوگ خدا کو پکاریں اور اُس کی طرف رغبت کریں افضل ہے، جنابِ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ نے دونوں کو بہتر ٹھہرا کر اسے افضل فرمایا، اور اس میں تشریف رکھی، اور انہیں لوگوں سے اپنی ذاتِ پاک کو قرار دیا، ولنعم ما قیل: ع

رقیبا ترا ازین معنی خبر نیست که سلطانِ جہان باماست امشب

(۱) "السنن" المقدّمة، باب في فضل العلم والعالم، ر: ۳۴۹، ۱/ ۱۱۱، ۱۱۲ بتصرّف.

اور ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں: «تَدارس العلمِ ساعةً من الليل خير من إحيائها»[1] یعنی "رات میں ایک ساعت علم کا باہم درس و مذاکرہ تمام رات کی عبادت سے بہتر ہے"، اور مراد علم سے علمِ دین ہے، اور قرآن و حدیث کا پڑھنا سننا، اور اُس کے مَعانی و مَطالب کی تفصیل و تحقیق، اور جو اُمور اُس سے ثابت ہوں اُن کا بیان و وعظ و تذکیر، اور مسائلِ دِینیّہ اور وہ اَذکار کہ راہِ دین میں نافع اور مسلمانوں کو نیک کاموں کی طرف رغبت دلائیں، اور جو اُمور عقائد کی تصحیح اور اُن کے اَحکام و مضبوطی خصوصاً اعتقادِ اُلوہیت و نبوّت میں کام آئیں، اور مجلسِ مَولد اُمورِ مذکورہ سے اکثر بالخصوص پہلے اور پچھلے امر پر (کہ سب سے اعلیٰ و افضل ہے) مشتمل ہے۔

تو وہ مجلس مذاکرۂ علمِ دین ہے، اور ایسی مجالس کا انعقاد اور اُن میں حاضر ہونا، بلکہ طلبِ علم کے لیے دُور دُور سفر کرنا عصرِ صحابہ سے إلى يومنا هذا ماثور و معمول، اور ان اُمور کی فضیلت و ترغیب میں احادیثِ صحیحہ بکثرت وافرہ وارد، اور اُس کے لیے مکان و وقت معین کر کے پہلے سے اطلاع دینا اور جمع ہونے کا حکم فرمانا دوسری دلیل میں "بخاری شریف" کی حدیث سے بتصریح گزرا، تو اَب مجلسِ مَولد اور اُس کے متعلقات میں کون سے امر کا اِثبات قرآن و حدیث سے باقی رہ گیا؟!۔

نویں ۹ دلیل: خود خالقِ کائنات عزّ جلالہ نے قصۂ ولادتِ مریم و عیسیٰ و یحییٰ و پیدائشِ آدم علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلاۃ والسلام قرآنِ مجید میں بیان فرمایا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تو ولادت و رَضاعت و نکاح و معجزات و ہجرت اور کوہِ طُور پر خدا سے ہم کلامی اور رسالت و نبوّت کا حاصل ہونا، پھر فرعون کے پاس جانا، اور دیگر حالات و غرائبِ واقعات کی تفصیل اپنے کلامِ پاک میں جابجا بار بار بتکرار ذکر فرمائی، اب جو شخص اِن آیات کی تفسیر اور ان واقعات کی تفصیل سرِ مجمع مساجد میں بیان کرے، اور پہلے سے کہہ دے کہ آج اِن

---

(۱) "السنن" المقدّمة، باب العمل بالعلم وحسن النيّة فيه، ر: ٢٦٤، ١/ ٩٤.

آیات کا وعظ ہوگا، اور ایک دوسرے کو اُس وعظ میں بلائے اور لوگوں کے جمع کرنے میں کوشش کی جائے، تو ایسی مجلس کو بدعت وضلالت کہیں گے یا مجلسِ ہدایت ووعظ ونصیحت ؟!

سبحان اللہ! ذکرِ ولادت انبیائے سابقین علیہم الصلاۃ والتسلیم تو عبادت وہدایت ہو، اور خود پروردگارِ عالم قرآنِ مجید میں بیان فرمائے اور سیّد الانبیا ﷺ کا ذکرِ ولادت اِسی ہیئت کے ساتھ (العیاذ باللہ) بدعت وضلالت ٹھہرے! واہ... کیا ایمان وانصاف ہے! ہر ذی عقل جانتا ہے کہ مجرّد تسمیہ حقیقتِ مسمّٰی اور اُس کے اَحکام کو نہیں بدلتا، گو اُسے مجلسِ وعظ کہیں اور اس کا نام مجلسِ ولادت رکھ لیں، حقیقت وحکم میں فرق نہیں ہوسکتا، تو اُسے مستحسن اور اسے مکروہ کہنا نرا اعتساف ہے۔

دسویں ۱۰ دلیل: روزِ شیوعِ عملِ مَولد سے إلى یومنا هذا ملکِ مصر ویمن وروم وشام ومغرب وعرب وغیرہا تمام بلادِ دار الاسلام خصوصاً حرمینِ مکرّمین میں اہلِ اسلام ہمیشہ محفلیں کرتے، اور مَولِد پڑھنے اور سننے میں اہتمامِ تمام رکھتے ہیں، اور ماہِ مبارک ربیع الاوّل میں تصدّق واِطعام وتکثیرِ خیرات واظہارِ فرحت وسُرور میں سعیٔ بلیغ عمل میں لاتے ہیں اور اسے فوزِ عظیم وفضلِ عمیم وفوائدِ کونَین وفلاحِ دارَین کا عمدہ وسیلہ تصور فرماتے ہیں۔

اکثر علمائے دین وفضلائے کاملین کے اقوال "سیرتِ شامی" وغیرہا کتبِ مستندۂ فریقین اور نیز رسائل میں (کہ رَدِّ وہابیہ میں تالیف ہوکر مطبوع ہوئے) مُندرِج ومرقوم، اس جگہ بنظرِ اختصار صرف چند کلماتِ طیّبات پر (کہ مجلسِ مبارک کے فضائل وفوائد میں ہیں) اقتصار ہوتا ہے: حافظ الحدیث امام ابوالخیر سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ویظهر علیهم من بركاته فضل عظیم"[1] یعنی "اہلِ مولد پر اِس عمل کے

---

(۱) انظر: "سبل الهدى والرشاد" جماع أبواب مولده الشريف ﷺ، الباب ١٣ في أقوال العلماء في عمل المولِد الشريف، ١/ ٣٦٢، نقلاً عن السخاوي.

برکات سے فضلِ عظیم ظاہر ہوتا ہے"۔ امام حافظ استاذ القرّاء ابو الخیر محمد بن الجزری فرماتے ہیں: "من خواصّه أنّه أمانٌ في ذلك العام وبشرى عاجلة بنيل البُغية والمرام"[1] یعنی "اس مجلس شریف کے خواصّ سے ہے کہ وہ تمام سال کے لیے امن وامان ہے اور حصولِ مقصد کے ساتھ بشارتِ عاجلہ"۔

امام حافظ الحدیث عماد الدّین بن کثیر فرماتے ہیں: "قد أثنى عليه الأئمّة، منهم الحافظ أبو شامّة شيخ النوَوي في "كتاب الباعث على إنكار البدَع والحوادث"[2] وقال: ومثل هذا الحسن يندب إليه ويشكر فاعله ويثنى عليه"[3] "اماموں نے اس مجلسِ مبارک کی مدح وثنا کی، اِن میں سے حافظ ابو شامّہ (امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں) کتاب "الباعث علی انکار البدَع والحوادث" میں لکھتے ہیں: ایسے افعال اچھے ہیں لوگوں کواُن کی ترغیب دلانا چاہیے ان کا فاعل مشکور ومحمود ہے"۔

علّامہ ابنِ ظفر "درِّ منتظم" میں لکھتے ہیں: "قد عمل المحبّون للنّبي ﷺ فرحاً بمولده الولائم، فمن ذلك ما عمله بالقاهرة من الولائم الكبار الشيخ أبو الحسَن المعروف بابن قفل ﵀، شيخ شيخنا أبي عبد الله محمّد بن النعمان، وعمل ذلك قبل جمال الدّين العجمي الهمَذاني وممّن عمل ذلك على قدر وسعه يوسف الحجّار بمصر، وقد رأى النّبي ﷺ وهو يحرّض يوسف المذكور على عمل ذلك"[4] یعنی "میلادِ مبارک کی شادی میں محبّانِ رسول اللہ ﷺ نے ولیمے کیے، ازاں جملہ قاہرہ کے بڑے ولیموں سے وہ ولیمہ ہے جو ہمارے استاذ

---

(١) المرجع السابق، نقلاً عن ابن الجَزري.

(٢) "الباعث" مقدّمة المؤلّف، فصل في تقسيم الحوادث إلى بدَعٍ مستحسنةٍ وإلى بدعٍ مستقبحة، صـ٢٣.

(٣) انظر: "سبل الهدى والرشاد"، ١/ ٣٦٣، نقلاً عن ابن كثير.

(٤) انظر: "سبل الهدى والرشاد" ١/ ٣٦٣، نقلاً عن ابن ظفر.

ابو عبد اللہ محمد بن نعمان کے استاذ شیخ ابو الحسن بن قفل قدس سرہ نے کیا، اور اُن سے پہلے جمال الدین عجمی ہمدانی نے کیا، اور یوسف حجار نے مصر میں بقدر اپنی وسعت کے ترتیب دیا، اور رسول اللہ ﷺ نے خواب میں انہیں اس عملِ مبارک کی ترغیب وتحریص فرمائی"۔

علاّمہ ممدوح شیخ یوسف بن علی بن زریق شامی سے نقل فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا دستِ اقدس میں ایک چھڑی ہے، مجھ سے فرماتے ہیں: "تجھے ماروں گا"، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کس لیے؟ فرمایا: «حتّى لا تُبطلَ المولدَ ولا السُّنن» "تاکہ تو مولد اور سنّتوں کو ضائع نہ کرے"۔ یوسف فرماتے ہیں: جب سے بیس ۲۰ برس ہوئے آج تک میں اس عملِ مبارک کو برابر کرتا ہوں۔

اور منصور نشار سے نقل کرتے ہیں: رأيتُ النّبي ﷺ في المنام يقول لي: «قل: لا يبطله -يعني المولد- ما عليك ممّن أكل وممّن لم يأكل» یعنی: میں نے حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: "اُس سے کہہ دے! مولد کو نہ چھوڑے تجھ پر کچھ اِلزام نہیں، کوئی کھائے یا نہ کھائے"۔ اور یہ بھی علاّمہ موصوف نے نقل کیا کہ حضور نے شیخ ابو موسیٰ سے خواب میں فرمایا: «مَن فرح بنا فرحنا به»(۱) "جو ہماری خوشی کرے گا ہم اُس سے خوش ہوں گے"۔

امام حافظ ابنِ جوزی محدِّث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لم يكن في ذلك إلاّ إرغام الشيطان وإدعام أهل الإيمان"(۲) "اس فعل میں تذلیلِ شیطان وتقویتِ اہلِ ایمان کے سوا کچھ نہیں"۔ امام علاّمہ

---

(۱) انظر: "سبل الهدى والرشاد" ١/ ٣٦٣.

(۲) المرجع السابق، نقلاً عن ابن الجوزي.

نصیر الدّین مبارک ابنِ طبّاخ اپنے دستخطی فتوے میں لکھتے ہیں: "يثاب فاعلُه إذا أحسن القصد"[1] "اچھی نیّت سے اِس کا کرنے والا ثواب پائے گا"، امام علاّمہ ظہیر الدّین بن جعفر بھی ایسا ہی فرماتے ہیں[2]۔

امام جمال الدین بن عبد الرحمن بن عبد الملک معروف بہ مخلص کتّانی لکھتے ہیں: "مولد رسول الله ﷺ مبجّل مكرّم -إلى أن قال-: فمن المناسب إظهار السُرور وإنفاق الميسور وإجابة من دعاه ربّ الوليمة للحضور"[3] "رسول اللہ ﷺ کا میلادِ مبارک معظّم ومکرّم ہے، تو خوشی ظاہر کرنا، اور جو میسّر آئے صرف میں لانا، اور صاحبِ مجلس جسے بلائے اُسے جانا مناسب ہے"۔

علاّمہ حسین بن محمد دیار بکری "خمیس" میں جملہ کلامِ ماضی وآتی امام ابن الجزری نقل فرما کر مقرّر رکھتے ہیں کہ "یہ مجلسِ مبارک موجبِ امان وحصولِ مرام ودخولِ جنان وغیظِ منافقان ومعمولِ مؤمنان ہے"[4]۔

حافظ الحدیث امام ابو شامہ امام نووی کے استاذ فرماتے ہیں: "فإنّ ذلك مع ما فيه من الإحسان إلى الفقراء مشعر بمحبّة النّبي ﷺ وتعظيمه وجلالته في قلب فاعله وشكر

---

(۱) المرجع السابق، صـ۳٦۳، ۳٦٤، نقلاً عن ابن الطبّاخ.

(۲) المرجع السابق، صـ ۳٦٤، نقلاً عن الإمام العلاّمة ظهير الدين جعفر.

(۳) انظر: "سبل الهدى والرشاد" جماع أبواب مولده الشريف ﷺ، الباب ۱۳ في أقوال العلماء في عمل المولِد الشريف، ۱/ ۳٦٤، نقلاً عن الإمام جمال الدين بن عبد الرحمن بن عبد الملك الكتّاني.

(٤) "تاريخ الخميس" الركن ۱، الباب ۱ في الحوادث من عام ولادته إلى السنة ۱۱ من تاريخ ولادته، ذكر إرضاع الأظآر وعددها وما وقع عند حليمة، ۱/ ۲۲۲، ۲۲۳، لكن فيه عن ابن الجوزي.

الله على ما منّ به من إيجاد رسوله الذي أرسله رحمةً للعالمين ﷺ"[1] "یہ فعل باوجود اس کے کہ اس میں فقیروں کے ساتھ سلوک ہے، محبّت وتعظیم واِجلالِ حضرتِ رسالت ﷺ فاعل کے قلب میں اُس سے سمجھی جاتی ہے، اور اس احسانِ الٰہی کے شکر پر کہ اپنے ایسے رسول کو جسے تمام جہان کے لیے رحمت بھیجا پیدا کیا دلالت کرتا ہے"۔

امام علاّمہ صدر الدین بن عمر شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ويثاب الإنسانُ بحسب قصده في إظهار السُّرور والفرح بمولد النّبي ﷺ"[2] "انسان اپنی نیّت کے مُوافق اِظہارِ سُرور وفرحتِ مَولد میں ثواب دیا جاتا ہے"۔ امام حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں: "يستحبّ لنا أيضاً إظهار الشكر بمولده ﷺ بالاجتماع، وإطعام الطعام ونحو ذلك من وجوه القربات وإظهار المسرّات" "یہ بھی ہمارے حق میں مستحب ہے کہ ولادتِ نبی ﷺ کا شکر مجمع کر کے کھانا کھلانے، اور اس کی مثل اَور اعمالِ قربت واظہارِ سُرور وفرحت سے بجالائیں"۔

امام محقق حافظ ابوزرعہ ولی الدین عراقی فرماتے ہیں: "الوليمة وإطعام الطعام يستحبّ في كلّ وقت، فكيف إذا انضم إلى ذلك السُّرور بظهور نور النبوّة في هذا الشهر الشريف، ولا نعلم ذلك من السلَف ولا يلزم من كونه بدعةً كونُه مكروهاً، فكم من بدعة مستحبّة، بل واجبة إذا لم ينضم بذلك مفسدة" "خوشی کی تقریب میں مسلمانوں کو دعوت دینا کھانا کھلانا ہر وقت مستحب ہے، پھر اُس صورت کا کیا پوچھنا جب اس کے ساتھ ماہِ مبارک میں ظہورِ نورِ نبوّت کی

---

(١) "الباعث على إنكار البدَع والحوادث" مقدّمة المؤلّف، فصل في تقسيم الحوادث إلى بدع مستحسنة وإلى بدع مستقبحة، صـ٢٣، ٢٤.

(٢) انظر: "سبل الهدى والرشاد" ١/ ٣٦٥، نقلاً عن صدر الدين الشّافعي.

خوشی منانا مل جائے، یہ خاص طریقہ ہمیں سلَف سے معلوم نہیں، اور بدعت ہونے سے مکروہ ہونا لازم نہیں آتا؛ کہ بُہتری بدعتیں مستحب، بلکہ واجب ہوتی ہیں جب کہ اُن کے ساتھ کسی فساد کی آمیزش نہ ہو"۔

امام قسطلانی "مَواہب" میں لکھتے ہیں: "إذا كان الجمعة الذي خلق فيه آدم عليه السلام خصّ بالساعة لا يصادفها عبد مسلم يسأل اللهَ فيه خيراً إلاّ أعطاها إيّاه، فما بالك بالساعة التي وُلد فيها سيّد المرسلين ﷺ"[1] "جبکہ روزِ جمعہ ولادتِ آدم علیہ السلام کے سبب ایسی ساعت سے مخصوص ہوا کہ جو مسلمان اس وقت کوئی بھلائی طلب کرے خدائے تعالی اُسے دیتا ہے، تو اُس ساعت کا کیا کہنا جس میں پیغمبروں کے سردار پیدا ہوئے! ﷺ"۔

اور "مجمع البِحار" میں (کہ مانعین سو جگہ جس کی سند لاتے اور اُس کے مصنّف کو ائمۂ محققین واَجلّہ فقہاء ومحدّثین سے شمار کرتے ہیں) خاتمہ میں لکھا ہے: "تمّ بحمد الله وتيسيره الثلث الأخير من "مجمع بِحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار" في الليلة الثانية عشر من شهر السُّرور والبهجة مظهر منبع الأنوار والرحمة شهر ربيع الأوّل، فإنّه شهر أمرنا بإظهار الحبور فيه كلّ عام"[2]... إلخ، خلاصہ یہ کہ یہ کتاب "مجمع البحار" ۱۲ ربیع الاوّل کو تمام ہوئی جو خوشی وشادمانی کا مہینہ اور رحمتِ الٰہی وانوارِ عالیہ کا مظہر ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں ہم مسلمانوں کو حکم ہے کہ ہر سال اُس میں ولادتِ اقدس کی شادی رَچائیں۔

---

(١) "المواهب" المقصد ١، زمن الولادة ووقتها، ١/ ١٤٢ بتصرّف.

(٢) "مجمع بحار الأنوار" خاتمة الكتاب، ٥/ ٣٠٧.

"شرح سنن ابنِ ماجہ" میں ہے: "الصّواب أنّه من البدَع الحسَنة المندوبة إذا خلا عن المنكَرات شرعاً"[1] "حق یہ ہے کہ مجلسِ مبارک بدعتِ حسنہ مستحبّہ ہے جبکہ ممنوعاتِ شرعیہ سے خالی ہو"۔ مولانا احمد بن محمد قشاشی مدنی (کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے علمِ حدیث میں استاذ الاساتذہ شیخ المشایخ ہیں) "شرح إثبات المولد النّبي الأمجد" میں بھی بہت اقوال نقل کرتے ہیں اور مولانا میرک محدِّث اُسے مستحب و مستحسن و موجبِ ثواب فرماتے ہیں۔

امام حافظ ابو الخیر بن الجزری قصّۂ ابولَہب نقل کرکے کہتے ہیں: "فإذا كان أبو لهب الكافر الذي نزل القرآن بذمّه جُوزي في النّار بفرحه ليلة مولد محمّد ﷺ، فما حال المسلم الموحّد من أمّة محمّد ﷺ يسرّ بمولده ويبذل ما تصل إليه قدرته في محبّته، لعمري إنّما يكون جزاؤه من الله الكريم أن يدخله بفضله العميم جنّات النعيم"[2] یعنی "جب ابو لَہب جیسا کافر جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا فرحتِ شبِ میلادِ نبی ﷺ پر دوزخ میں اُس رات تخفیفِ عذاب کا بدلہ پائے، تو کیا حال ہے اُس مسلمان موحّد محمد ﷺ کے اُمّتی کا کہ حضور کی ولادت پر خوش ہو، اور بقدرِ دسترس حضور کی محبّت میں اپنا مال صرف کرے؟! قسم ہے اپنی زندگی کی کہ اُس کا بدلہ خدائے کریم سے یہی ہے کہ اپنے فضلِ عمیم سے اُسے جناتِ نعیم میں داخل فرمائے"۔ اور حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دِمشقی بھی قصّۂ ابولَہب سے اِستناد کرکے اس مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں[3]۔

---

(۱) انظر: "سبل الهدى والرشاد" جماع أبواب مولده الشريف ﷺ، الباب ۱۳ في أقوال العلماء في عمل المولِد الشريف، ۱/ ۳٦۷، نقلاً عن "شرح سنن ابن ماجه".

(۲) "عرف التعريف بالمولد الشريف" إرهاصات مولده ﷺ، صـ۲۲.

(۳) انظر: "سبل الهدى والرشاد" ۱/ ۳٦۷، نقلاً عن الحافظ شمس الدين محمد الدِمشقي.

امام جلال الدّین سیوطی فرماتے ہیں: "يثاب عليها صاحبها لما فيه من تعظيم قدر النّبيّ ﷺ وإظهار الفرح والاستبشار بمولده الشريف"[۱] "صاحبِ مولد ثواب پاتا ہے کہ اُس میں قدرِ حضرتِ رسالت کی تعظیم اور ولادتِ باسعادت پر اظہارِ فرح وشادمانی ہے"۔

امام قسطلانی "مَواہب" میں امام ابن الجزری سے نقل کرتے ہیں: "فرحم الله امرأ اتّخذ ليالي شهر مولده المبارك أعياداً، ليكونَ أشدّ على مَن في قلبه مرض وعناد"[۲] "اُس شخص پر اللہ عزّوجلّ کی رحمت ہو جو ماہِ مبارک ولادتِ اقدس کی راتوں کو عید ٹھہرائے، تاکہ جس کے دل میں بیماری وعناد ہے اُس پر سخت گراں گزرے"۔ ملّا معین حنفی "مَعارج"، اور شیخِ محقق مولانا عبد الحق محدّثِ دہلوی "مدارج شریف"[۳] میں اس عملِ مبارک کا غایت استحسان ثابت فرماتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدّثِ دہلوی "فیوض الحرمین" میں تحریر کرتے ہیں: "كنت قبل ذلك بمكّة المعظّمة في مولد النّبي ﷺ في يوم ولادته، والنّاس يصلّون عليه ﷺ، ويذكرون إرهاصاته التي ظهرت في ولادته ومشاهده قبل بعثته ﷺ فرأيتُ أنواراً سطعت دفعةً واحدة، لا أقول: إنّي أدركتُها ببصر الجسد، ولا أقول: أدركتُها ببصر الرُّوح فقط، الله أعلم كيف كان الأمر بين هذا وذاك، فتأمّلتُ تلك الأنوار فوجدتُها من قبل الملائكة المؤكّلين بأمثال هذه المشاهد، وبأمثال هذه المجالس، ورأيتُ تخالط أنوار الملائكة بأنوار الرّحمة"[۴].

---

(۱) "الحاوي للفتاوي" كتاب الصداق، باب الوليمة، رسالة "حسن المقصد في عمل المولد" ۱/ ۲۲۲.

(۲) "المواهب" المقصد ۱، زمن الولادة ووقتها، الاحتفال بالمولد، ۱/ ۱۴۸ بتصرّف.

(۳) "مدارج النبوّت" قسم دُوم، باب اوّل، وصل، الجزء الثانی، ص ۱۵۔

(۴) "فيوض الحرمين" المشاهدة ۸، صـ۲۶، ۲۷.

حاصل یہ کہ "میں اُس مجلس میں کہ مولدِ اقدس میں بروزِ ولادتِ شریف مکۂ معظّمہ میں منعقد تھی حاضر تھا، لوگ درود پڑھتے اور حضورِ اقدس ﷺ کا ذکرِ خیر کر رہے تھے، ناگاہ میں نے کچھ انوار دیکھے کہ دفعۃً بلند ہوئے، میں نہیں کہتا کہ میں نے انہیں بدن کی آنکھ سے دیکھا، نہ یہ کہوں کہ فقط روح کی بصر سے دیکھا، خدا کو خوب معلوم ہے کہ کیا کیفیت تھی اس کی، اور اُس کے درمیان میں نے ان انوار میں تأمل کیا تو وہ انوار اُن فرشتوں کی طرف سے پائے جو ایسی مجالس ومشاہد پر موکّل ہیں، اور انوارِ ملائکہ انوارِ رحمتِ الٰہی سے ملے ہوئے دیکھے"۔

نیز کتاب "انتباہ" و "درِ ثمین"[1] وغیرہما[2] میں اپنے والد شاہ عبد الرحیم سے نقل کرتے ہیں:
"كنتُ أصنع في أيّام المولد طعاماً صلةً بالنّبي ﷺ، فلم يفتح لي في سنةٍ من السنين شيءٌ أصنَع به طعاماً، فلم أجد إلاّ حمصاً مقلّياً، فقسّمتُه بين النّاس، فرأيتُه ﷺ وبين يدَيه هذه الحمص متبهّجاً بشاشاً" "میں ایامِ مولد شریف میں نبی ﷺ کی نیاز کا کھانا کیا کرتا، ایک سال بُھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ میسّر نہ آیا، میں نے لوگوں پر وہی تقسیم کردیے، حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرّف ہوا کہ وہ چنے حضور کے سامنے رکھے ہوئے ہیں، اور حضور شاد ومسرور ہیں" ﷺ۔

اور سوا ان کے بہت علمائے متقدّمین ومتأخّرین یہ مجلسِ مبارک خود کرتے، اُس میں شریک ہوتے، اُسے مستحسن ومندوب ومُوجبِ برکات ومنبعِ خیرات سمجھتے ہیں، اُن میں سے ہیں حافظ امام ابو الفضل ابنِ حجر عسقلانی، حافظ ابو الخطاب بن دحیہ، شیخ ابو بکر حجّار، شیخ ابو عبد الله محمد استاذِ امام ابن ظفر، شیخ عمر بن ملاّ موصلی، علاّمہ ابو الطیّب محمد بن ابراہیم مالکی، حافظ ابنِ رجب حنبلی، شیخ رکن الدین محمد بن یوسف دِمشقی صاحبِ "سیرتِ شامی"، سبطِ امام ابنِ جوزی، شیخ عبد الوہاب بن حسام متقی، ملا علی قاری حنفی، علاّمہ محمد بن عبد الباقی زرقانی شارحِ "مواہب"، امام سیّد جعفر بَرزنجی، علاّمہ سلیمان برسوی، امام سلطان یلدرم بایزید، شیخ

---

(١) "الدرّ الثمين في مبشّرات النّبي الأمين" الحديث ٢١، صـ٦١.

(۲) انظر: "انفاس العارفین" "ذکر واقعات حضرت ایشان وکشف ارواح وآنچہ بدان مانند، ص ۴۱۔

برہان الدین ابراہیم بن عمر جعبری، شیخ حمد اللہ بن شیخ آق، شمس الدین مولی حسن بحری متوفی ۹۹۴ھ، برہان الدین محمد ناصحی، شیخ شمس الدین احمد بن محمد سیواسی، حافظ زین الدین عراقی، سیّد عفیف الدین ایجی شیرازی، علامہ مجد الدین فیروز آبادی، شیخ محمد بن حمزہ عربي واعظ، علامہ شمس الدین دمیاطی، علامہ برہان الدین ابو الصفا ابن ابي الوفا شافعي والدِ علامہ کمال حنفی، علامہ ابوبکر فخر الدین دنقلی، شیخ علامہ محمد بن عثمان، امام حلَبی صاحبِ "سیرتِ حلبیہ"، علامہ ابو القاسم محمد بن عثمان لولوی دِمشقی، علامہ ابو الحسن احمد بن عبد اللہ بکری، وغیرہم رحمۃ اللہ تعالی علیہم اجمعین کہ مانعینِ عصر ان میں سے اکثر حضرات سے سلسلۂ تلمّذ رکھتے ہیں، خواہ مستندینِ مانعین سے ہیں، اور مخالفین سند لانے کے وقت انہیں نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ یاد کرتے ہیں، اور خود اِن ساٹھ ۶۰ ہی ائمہ وعلماء پر کیا موقوف! اور حصر و شمار کی کہاں قدرت! کہ روزِ شیوع سے آج تک اِن تمام قرونِ متطاولہ میں جماہیر اکابرِ شریعت و مشایخِ طریقت خود مجلس کرتے، یا اُس میں حاضر ہوتے، اور اُسے مستحب و مستحسن کہتے لکھتے سمجھتے رہے ہیں، ومن لم یجعل الله له نوراً فما له من نور.

امام ابو الخیر شمس الملۃ والدین سخاوی، و امام ابو الخیر شیخ القراء محمد محمد محمد ابن الجزری، و امام شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی وغیرہم فرماتے ہیں، وهذا لفظ "المواهب": "لا زال أهلُ الإسلام يحتفلون بشهر مولِده ﷺ، ويعملون الولائم، ويتصدّقون في لياليه بأنواع الصدقات، ويُظهرون السُّرور، ويزيدون في المبرّات، ويعتنون بقراءة مولِده الكريم، ويظهر عليهم من بركاته كلُّ فضلٍ عميم"[1] "ہمیشہ اہلِ اسلام ماہِ مبارک ربیع الاوّل کا اہتمام تمام رکھتے آئے، اُس میں ولیمے، اور اُس کی راتوں میں طرح طرح کے صدقے، اور خوشی کا اظہار، اور مولد شریف پڑھنے میں اہتمام کرتے رہے اور اس کی برکتوں سے اُن پر فضلِ عمیم ظاہر ہوا کیا"۔

---

(١) "المواهب" المقصد ١، زمن الولادة ووقتها، الاحتفال بالمولِد، ١/ ١٤٨.

سلطانِ عادل ملک مظفر ابو سعید جن کے حال میں امام عماد الدین بن کثیر فرماتے ہیں: "كان يعمل المولد الشريف في ربيع الأوّل ويحتفل فيه احتفالاً هائلاً، وكان شهماً شجاعاً بطلاً عاقلاً عالماً عادلاً، وطالت مدّته في الملك إلى أن مات وهو محاصر الفرنج بمدينة "عكا" في سنة ثلاثين وستّمئة"[۱] "ماہِ مبارک ربیع الاوّل میں مولد شریف کیا کرتے اور اُس کی محفل عظیم الشان ترتیب دیتے، صاحبِ شہامت و شجاعت دلیر و عاقل و عالم و عادل و نیک خصلت و پاکیزہ باطن تھے مدتِ دراز تک سلطنت فرمائی یہاں تک کہ شہرِ "عکا" میں کافرانِ فرنگ کو محاصرہ کیے ہوئے ۶۳۰ھ میں انتقال کیا"۔

سبط ابن الجَوزی اُن کی محفلِ مبارک کا حال لکھتے ہیں: "كان يحضر عنده في المولد أعيان العلماء والصوفية"[۲] "اُن کے یہاں مجلسِ مبارک میں اکابر علماء و مشائخ حاضر ہوتے تھے"۔ امامِ جلیل جلال سیوطی انہیں کی مجلسِ مقدّس کو لکھتے ہیں: "حضر عنده فيه العلماء والصلحاء من غير نكير منهم"[۳] "علماء وصلحاء اُس میں بلا انکار حاضر ہوتے"، علمائے متقدّمین و متاخّرین نے خاص اس باب میں بہت[۴] رسائل تصنیف فرمائے، ازاں جملہ: "التنوير في مولد

---

(۱) "البداية والنهاية" ثمّ دخلت سنة ٦٣٠، الملك المظفّر أبو سعيد كوكبري، ١٣/ ١٣٦، ١٣٧ ملتقطاً بتصرّف.

(۲) انظر: "سبل الهدى والرشاد" الباب ١٣ في أقوال العلماء في عمل المولد الشريف، ١/ ٣٦٢، نقلاً عن سبط ابن الجوزي.

(۳) "الحاوي للفتاوي" كتاب الصداق، باب الوليمة، رسالة "حسن المقصد في عمل المولد" ١/ ٢٢٥.

(۴) شیخ علمائے مکۂ معظمہ مولانا علاّمہ سیّد احمد زَيني دَحلان مکّی قدّس سرہ الملکی کتاب "الدُرر السنيّة في الردّ على الوهابيّة" میں فرماتے ہیں: "قد أفردت مسألة المولد وما يتعلّق بها بالتأليف، واعتنى بذلك كثير =

السراج[1] المنير"[2]، "التعريف بالمولد الشريف"[3]، "حسن المقصد في عمل المولد"[4]، "موعد الكرام لمولد النبي ﷺ"[5]، "جامع الآثار في مولد النّبيّ المختار"[6]، "المولد الجسماني والمورد الروحاني"[7]، "مورد الصادي في مولد الهادي"[8]، "اللفظ الرائق في مولد خير الخلائق"[9]، "عرف التعريف في المولد الشريف"[10]، "الدرّ المنظّم في مولد

=

من العلماء فألّفوا في ذلك مصنّفات مشحونة بالأدلّة والبراهين" ["الدرر السنيّة في الردّ على الوهابية" صـ١٣]، "مجلسِ میلادِ مبارک اور اُس کے متعلقات کے بارے میں مستقل تالیفیں ہوئی ہیں، بکثرت علماء نے اس کی طرف توجہ کامل کی، اور دلائل وبراہین سے لبریز تصنیفیں اس کے ثبوت میں لکھیں"۔

(١) البشير النذير.

(٢) للعلاّمة أبي الخطّاب عمر بن حسن المعروف بابن دحية، المتوفى ٦٣٣، ألفه ٦٠٤.

(٣) للإمام ابن الجزري المتوفّى ٨٣٣.

(٤) للإمام الجليل خاتم الحفّاظ، المتوفّى ٩١١.

(٥) للشيخ برهان الدين إبراهيم بن عمر الجعبري المتوفّى ٧٣٢.

(٦) للحافظ شمس الدين محمد بن ناصر الدين الدِمشقي المتوفّى ٨٤٢.

(٧) لابن الشيخ آق شمس الدين الشيخ حمد الله.

(٨) للإمام ابنِ ناصر الدّين الممدوح.

(٩) للإمام الدِمشقي المذكور.

(١٠) للإمام شيخ القراء مختصر "تعريفه".

النبيّ الأعظم"(۱)، "اللفظ الجميل بمولد النّبي الجليل"(۲)، "فتح الله حسبي وكفى في مولد المصطفى"(۳)، "النفحة العنبريّة في مولد خير البريّة"(٤)، "مفتاح السُّرور والأفكار في مولد النّبي المختار"(٥)، "المورد الرَّوي في المولد النّبوي"(٦).

اور امام حافظ ابنِ جوزی محدّث رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ نہایت فصیح و بلیغ لکھا ہے، اور رسالۂ امام سیّد جعفر برزنجی کہ بلاغت و متانت میں بے نظیر ہے، تمام ملکِ عرب میں مروج اور حرمین شریفین میں پڑھا جاتا ہے، اور اُن کے نواسے علاّمہ سیّد زین العابدین نے رسالۂ مذکور اور رسالۂ معراجیہ امام موصوف کو بزبانِ فصیح نظم کیا(۷) ہے۔

---

(۱) لأبي القاسم محمد بن عثمان الؤلؤي الدِمشقي.

(۲) له وهو مختصر "درّه" المذكور.

(۳) لبرهان الدين أبي الصفاء بن أبي الوفاء.

(٤) للإمام مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروزآبادي المتوفّى ۸۱۷، وهو صاحب "القاموس".

(٥) [لأبي الحسن أحمد بن عبدالله البكري].

(٦) للعلاّمة علي القاري المكّي، المتوفّى ۱۰۱٤.

(۷) ان کے علاوہ مولد مبارک میں بہت ائمہ و علماء نے تصانیف فرمائیں، مثل مولیٰ حسن بحری، وشیخ محمد بن حمزہ عربی، وشیخ شمس الدین احمد سیواسی، وعلاّمہ فخر ابو بکر دنقلی، وبرہان محمد ناجی، وشمس دمیاطی ابنِ سنباطی، وبرہان بن یوسف ناقوس، وامام زین الدین عراقی، وامام شمس الدین سخاوی، اور علاّمہ سیّد عفیف الدین ایجی شیرازی نے متعدّد موالد لکھے، ذكرهم في "كشف الظنون" [۲/ ۷۲٦، ۷۲۷] اور امام ابنِ حجر مکّی کا بھی رسالہ ہے، نقل عنها الزرقاني في "شرح المواهب" [المقصد ۱ في تشريف الله تعالى له ﷺ، قد اختلف في عام ولادته ﷺ، ۱/ ۲٥٦]، اور علاّمہ طاہر فتّنی محدّث صاحبِ "مجمع البحار" وغیرہم، عليهم رحمة الغفّار. (امام احمد رضا خان)

اور "انسان العیون" و"سیرتِ شامیہ" و"ضوءِ[1] لامع" و"ما ثبت بالسنۃ" و"مدارج النبوۃ" و"مَواہبِ لدُنیہ" و"درِّ منظم" و"مجمع البحار" و"فیوض الحرمین" و"شرح سننِ[2] ابنِ ماجہ" وغیرہا بہت کتبِ معتبرہ متداولہ میں اس عملِ مبارک کو اچھا لکھا ہے، اور اتفاق اَہلِ حرمینِ شریفین ومصر وروم وشام ویمن وتمام ملکِ عرب ومغرب وغیرہا بلادِ اسلام کا اُس کے استحسان واستحباب پر، اور رائج ومعمول بہ ہونا اس عمل کا ممالکِ مذکورہ میں اور شریک ہونا وہاں کے خواص وعوام کا بشہادتِ معتمدین ایسا ظاہر ہے کہ کوئی ذی شعور جو دیانت وحیاء سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہے اُس میں کلام نہیں کر سکتا۔

آج تک کسی معتبر مستند سے کہ اکابر ممدوحین وائمۂ مذکورین کے مقابلے میں اُس کا کلام کچھ بھی قابلِ لحاظ ہو، سوا تاج فاکہانی مالکی کے انکارِ نفسِ عملِ مولد اصلاً ثابت نہ ہوا، بلکہ خروجِ وہابیہ وشیوعِ نجدیہ سے پہلے بلادِ ہند میں بھی کسی نے اس عملِ مقدّس میں کلام نہ کیا، ہاں! حضراتِ وہابیہ نے اُس کی ممانعت اور بدعت وضلالت ہونے میں رسائل تصنیف کیے، اور فاعلین ومجوِّزین کے حق میں (معاذ اللہ) مبتدِع وگمراہ ولہابیہ اور اسی قسم کے کلماتِ قبیحہ، اور ایسے ہی الفاظِ شنیعہ بکے۔

اب تو اس ہندِ پُر فتن دار المحن میں ایک قیامت برپا ہے، ہر کس وناکس اَسپ بے لگام وشُتر بے مہار کی طرح جو چاہتا ہے بکتا ہے، اور علمائے دین وفضلائے متدیّنین وائمۂ سابقین واکابر لاحقین کی نسبت جو منہ میں آتا ہے کہتا ہے، بلکہ اپنے اساتذہ ومشائخ کو (کہ شیوخِ وہابیۂ ہند کا سلسلۂ علمِ حدیث اُن حضرات تک پہنچتا ہے، مانند امام علاّمہ حافظ الحدیث شمس سخاوی وامامِ اجل شیخ الاسلام حافظ الحدیث جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ) کے بے تکلّف (معاذ اللہ) مبتدِع اور بدعت سیّئہ کے مروج اور اُسے مستحب ومستحسن کہنے والے ٹھہراتے ہیں۔

---

(۱) للإمام شمس الدين محمّد بن عبد الرحمن السخاوي، المتوفى ۹۰۲.

(۲) للإمام خاتم الحفّاظ أبي الفضل عبد الرحمن.

اور تمام اہلِ اسلام بلادِ عرب وعجم وروم وشام وجُمہور اَہلِ سنّت وسوادِ اعظمِ امت کو (کہ روزِ شیوعِ مَولد سے إلی یومنا ھذا اُسے اچھا سمجھتے، اور قرناً فقرناً وطبقۃً فطبقۃً اس عملِ مبارک کو کرتے، خواہ اُس میں شریک ہوتے) گمراہ وآہلِ ضلالت قرار دیتے ہیں، اور زمانہ ملکِ عادل، عالم عاقل، جوّاد باذل، صُوفی کامل، سلطان اِربل سے شاہ ولی اللہ صاحب محدّثِ دہلوی تک علمائے دین وفضلائے متدیّنین اکابر ائمۂ شریعت ومشائخِ طریقت کو (عیاذاً باللہ) حق پوش وناحق کوش کہ دانستہ بدعتِ سیّئہ کے مجوّز ہوئے، یا باوجود قدرت اظہارِ حق سے ساکت رہے، اور اسی طرح کے اِلزامات کا موردو مستوجِب بناتے ہیں۔

بعض حضرات کو نئی اُپج سوجھی کہ جس طرح مجوزین بکثرت ہیں اسی طرح مانعین بھی بہت ہیں، تو مسئلہ مختلف فیہ ہوا، اور اس اِدّعائے صریح البطلان کے اِثبات میں تو دوسرا حشر برپا کردیا، کتابوں اور عالموں کے نام بنالیے، اور علمائے مشہورین وکتبِ متداولہ پر اِفتراء کیے، اور بہت خوش ہوئے؛ کہ اب اِلزام مخالفتِ جماعت وسوادِ اعظم کا دفع ہوا اور قاضی شوستری کا نام ہم نے رَوشن کردیا۔

کسی نے مولدِ مبارک کی ممانعت "تنبیہ امام شعرانی" کی طرف نسبت کی، حالانکہ "تنبیہ" میں اس مسئلہ کا پتا ہی نہیں، لطف یہ کہ اِنہیں امام شعرانی نے اپنی کتاب مستطاب "لواقح الانوار"[1] میں حضرت قطبِ کبیر سیّدنا احمد کبیر بدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے میلادِ مبارک کی مجلس میں جو بڑی دُھوم اور مہینوں کی راہ سے مسلمانوں کے ہجوم کے ساتھ مصر میں منعقد ہوتی ہے، خود اپنا بارہا شریک ہونا اور اُس کے عظیم وجلیل مدائح وبرکات، یہاں تک کہ اُس پر انکار کیے سے بعض اَشخاص کا ایمان زائل ہوجانا بتایا، خدا کی شان مجلسِ اولیائے کرام کی نسبت جن کا یہ پاکیزہ اعتقاد ہے، مگر وہ مجلسِ میلاد سیّد الاَسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) بدعت وناجائز بتائیں گے!۔

(۱) "لواقح الأنوار" ۲۸۷- السيّد الحسيب النسيب أبو العبّاس سيّدي أحمد البدَوي الشريف، الجزء ۱، صـ۱۸۷.

مؤلفینِ رسالہ "ہدایۃ المبتدعین" نے "طریقۂ محمدیہ" و"شامی حاشیۂ درِّ مختار" کو اُن کتابوں سے جن میں میلاد کو منع لکھا ہے شمار کیا، بعض نے "طریقۂ محمدیہ" کی جگہ منہیّہ لکھ دیا، نہ "طریقۂ محمدیہ" میں اس مسئلہ کا ذکر، نہ رجب آفندی جس کی طرف تصنیف اُس کی نسبت کرتے ہیں اُس کا مصنّف، نہ "ردّ المحتار حاشیۂ درِّ مختار" میں اس اِدّعاء کا کچھ پتا، انہوں نے نذرِ مخصوص میں کلام کیا ہے، اور منہیّہ "طریقۂ محمدیہ" میں عورات کو بے باکی اور بلند آواز سے مولد پڑھنے، اور اجنبی مردوں کو سنانے سے منع کیا ہے، اصلِ مولد سے کچھ بحث نہیں۔ "قولِ معتمَد" کا حوالہ دیا، اور بشیر قنّوجی نے "غایۃ الکلام"، اور نواب بھوپالی نے "کلمۃ الحق" میں اُسے احمد بن محمد مصری کی طرف نسبت کیا، اور مطالبۂ خصم کے وقت کسی صاحب سے اُس کا وجود بھی ثابت نہ ہو سکا۔

بعض حضرات نے سب سے بلند پروازی کی، امام قسطلانی، وشیخ محقق دہلوی کو بھی مانعین کی فہرست میں ذکر کیا، جن کا مجوّزین سے ہونا اور اس عملِ مقدّس کی مدح وثنا کرنا آفتابِ نیمروز سے بھی ظاہر تر ہے۔ واہ دیانت وحیا کا مرتبہ اس حد کو پہنچا إنّا لله وإنّا إليه راجعون! اسی طرح شرف الدین احمد وعلاء الدین بن اسماعیل، ومحمد بن ابو بکر مخزومی، وعبد الرحمن بن عبد المجید مالکی، وعبد الغنی الشہیر بابن نقطہ بغدادی حنبلی، وابو الفضل بن فضل مقدسی وغیرہم کا نام بحوالہ "قولِ معتمد" فہرستِ مانعین میں داخل کرتے ہیں، اور "قولِ معتمد" کا اعتبار کیا؟ وجود بھی ڈپٹی اِمداد علی کی المساری کے سوا تمام عالم میں ثابت نہیں کر سکتے!۔

اور بعد تسلیمِ حوالہ واعتبارِ "قولِ معتمَد" کے اکثر صاحبوں کی عبارت میں (کہ بحوالۂ کتابِ مذکور مانعینِ عصر نے نقل کی ہے) بدعتِ سیئہ ومعصیت ہونا اس عملِ مَولد کا (کہ منکَراتِ شرعیہ سے خالی ہو) مذکور نہیں، بعض اَزمِنہ واَعصار میں اس عملِ مقدّس میں مزامیر وغیرہ بھی ہوتے، یحتمل کہ انکار اُن کا ایسی مجلس کی نسبت ہو، اور "تاریخِ خوارزمی" سے (کہ عبارت اُس کی بھی بحوالہ "قولِ معتمد" نقل کی) متعلق مسئلہ کے صرف اسی قدر ظاہر کہ ملک مظفر ربیع الاوّل میں محفلِ مولد کرتا اور بادشاہوں میں اُس نے پہلے اس عمل کو اِحداث کیا، بھلا یہ مضمون مولد کی شناعت پر کچھ بھی دلالت کرتا ہے؟!۔

اور عبد الرحمن حنفی صاحبِ "فتاویٰ" سے صاحبِ "شرعہ" نے صرف بدعت ہونا نقل کیا ہے، کلامِ[1] ابن الحاج "مدخل" میں نہایت مضطرب، یہاں تک کہ بعض مانعین نے انہیں مجوّزینِ مولد سے قرار دیا ہے، اور وہ[2] نہایت شدّ ومد کے ساتھ ماہِ ربیع الاوّل کی عظمت بوجہِ ولادتِ باسعادت اور اُسے انواعِ عبادت کے ساتھ مخصوص وممتاز کرنا ثابت کرتے ہیں، اور توجیہ[3] کلامِ امام کی اسی میں منحصر کہ اصلِ مَولد کے قائل اور منکَراتِ شرعیہ پر کہ اس مجلسِ مبارک میں اُس وقت ہوتے، معترض ہیں۔ باوجود اس کے اُن سے اِستناد اور اُن کے کلام سے استدلال انہیں حضرات کا کام ہے۔

اسی طرح بحوالہ "شرعۃ الٰہیّہ" جو مضمون نقل کیا، اور رسالۂ مذکورہ میں عبد الرحمن مغربی حنفی ونصیر الدّین دووی شافعی وابن الفضل واحمد بن حسن کا حوالہ دیا بدُونِ اِثبات اعتبارِ "شرعۃ الٰہیّہ" اُن کے خصم پر حجّت نہیں، جب اُن لوگوں کی کتابوں میں جن کا ان دو ۲ نامعتمد کتابوں "قولِ معتمد" و "شرعہ" میں حوالہ بتایا جاتا ہے، یا اور کسی معتمد ومعتبر کتاب میں اُن کے حوالے سے یہ مضمون دکھادیں گے، یا "شرعۃ الٰہیّہ" و "قولِ معتمد" کا اعتبار ثابت کردیں گے، اُس وقت مستحقِ جواب ہوں گے۔

اور "ذخیرۃ السالکین" و "نور الیقین" کس کے نزدیک معتبر ہیں؟! اور "مجموعۃ الفتاوی" قاضِی دَولت آبادی کا بمقابلہ جمِ غفیر علمائے محققین ومستندینِ فریقَین کیا وقعت رکھتا ہے؟! اور جو عبارت کہ عبد الرحمن مغربي ونصیر الدّین دووی واحمد بن حسن کی طرف نسبت کی، اور انکار "ذخیرۃ السالکین" ومؤلّف "نور الیقین" کا (اگر صحیح ہو) معنیٔ بدعت پر مبنی تھا، بُطلان اُس کا مقدّمۂ رسالہ ہذا سے (کہ تحقیق معنیٔ بدعت میں ہے) بخوبی ظاہر ہوا، قطع نظر ان سب اُمور کے یہ لوگ تقسیمِ بدعت کے قائل تھے

---

(۱) ہمارے پاس موجود نسخہ میں یہاں کچھ صفحات مفقود ہیں، شاید امام احمد رضا کا یہ مشار الیہ حاشیہ اُنہی صفحات کی کسی عبارت پر ہو۔

(۲) ہمارے پاس موجود نسخہ میں یہاں کچھ صفحات مفقود ہیں، شاید امام احمد رضا کا یہ مشار الیہ حاشیہ اُنہی صفحات کی کسی عبارت پر ہو۔

(۳) ہمارے پاس موجود نسخہ میں یہاں کچھ صفحات مفقود ہیں، شاید امام احمد رضا کا یہ مشار الیہ حاشیہ اُنہی صفحات کی کسی عبارت پر ہو۔

یا منکر؟ پچھلی صورت میں قول اُن کا خلافِ اجماع، لااَقل مخالف اُس مذہب منصور کے ہے، جو عصرِ صحابہ سے مقبولِ جُمہورِ اہلِ اسلام رہا، اور اشاراتِ حدیث سے بروجۂ احسن ثابت ہوا۔ اور پہلی تقدیر پر بدُون اِثبات وبیانِ حرجِ شرعی کے دعویٰ بلا دلیل ہے، شاید اصلِ اِباحت سے ذُہول یا اُس میں غلطی کی، ورنہ قائلِ کراہت ہونے کی کیا گنجائش تھی؟!

اور سنیے! بقول شخصے: "بدنام کنندۂ نکونامی چند"، مَولوی بشیر قنّوجی نے جناب مجدد اَلف ثانی کو بھی مانعینِ مَولد میں شمار کرلیا، اور اس اِدّعاء کے ثبوت میں جو مکتوب شیخ کا نقل کیا اُسے بھی خاک نہ سمجھا، اس قدر تو سمجھ لیتے کہ وہ کس مجلس کو منع کرتے ہیں! اور مقصود ممانعت سے کیا ہے! مکتوبِ مذکور کے شروع میں لکھا ہے: "اِندراج یافتہ بود کہ اگر مبالغہ در منعِ سماع متضمن سماع مولود کہ عبارت از قصائد نعت واَشعارِ غیر نعت خواندن است نیز بود اخوی اعزی میر نعمان وبعض یارانِ این جاکہ در واقعۂ آنحضرت ﷺ را دیدہ اند کہ ازین معرکۂ مولود بسیار راضی اند بر ینہا ترکِ شنودنِ مولود بسے مشکل ست مخدوما اگر واقعہ را اعتبار بود"[1]۔۔۔الخ۔

دیکھو! کلام اُس میلاد میں ہے کہ ضمنِ سماع میں معمول ومروج تھا، اور اس امر کی تصریح اُن کے دوسرے مکتوبات[2] سے ظاہر، اور نیز یہ کلام صریح ہے کہ باوجودِ اشتمال وتضمنِ سماع کے بھی انکار فعلِ مولد سے محض تشدّد، اور اس مصلحت پر کہ بے اس کے لوگ ارتکاب مَناہی سے باز نہ آئیں گے، مبنی ہے، اور صدہا اقوالِ مجدّد صاحب اور اعمالِ طریقۂ مجدّدیہ، اصولِ مانعین اور "تقویۃ الایمان" و"ایضاح الحق" کی رُو

(۱) "مکتوبات "مکتوب ۲۷۳، جلد اوّل، حصّہ پنجم ۵، ص۱۹ بتصرّف۔

(۲) ہمارے پاس موجود نسخہ میں یہاں کچھ صفحات مفقود ہیں، شاید امام احمد رضا کا یہ مشار الیہ حاشیہ اُنہی صفحات کی کسی عبارت پر ہو۔

سے شرک [1] و بدعت میں داخل، اُن میں بھی مجدّد صاحب کو مانیں گے؟ یا وہ صرف مسئلۂ مولد ہی میں مستند ہیں؟! اَور اُمور میں باتّباعِ اسماعیل دہلوی (معاذ اللہ) اور علمائے شریعت ومشائخ طریقت کی طرح مرتکب ومجوّزِ شرک وبدعت قرار پائیں گے؟!

اور سب جانے دیجیے! خاص ما نحن فیہ میں مجدّد صاحب سے کیا کچھ ثابت ہے! جلدِ ثالث کے مکتوب صد وہفتم میں لکھتے ہیں: "امروز طعامہائے متلوّن فرمودہ ایم کہ بروحانیتِ آن سُرور علیہ الصلاۃ والسلام پزند ومجلسِ شادی سازند" [2] ۔۔۔ الخ، کیا یہ مضمون نظر سے نہیں گزرا؟! یا دانستہ ہضم کر گئے؟! اسی طرح نظر بدفعِ تناقض اقوال وتخالف احوال دیگر اکابر کے کلام میں (کہ بزعم مانعین اصلِ مولد کے منکِر قرار پائے ہیں) ممانعت کو وجودِ سماع وغیرہ اُمور پر محمول کرنا ضرور۔

اور فاکہانی کا انکار بعد اتفاقِ جُمہور خاص وعام، بلکہ اِجماعِ سکوتی اَہلِ اسلام قابلِ اِلتفات نہیں، مع ہذا انعدامِ اصل پر مبنی تھا، بعد ثبوتِ اصل کالعدم ہوگیا، انہیں بزرگوار یعنی بشیر صاحب قنّوجی کی دوسری

---

(۱) زیادہ نہیں، سرِ دست حضرت شیخ مجدّد صاحب کا یہی کلام دیکھیے جلد دُوم ۲، مکتوب سیم میں فرماتے ہیں: "خواجہ محمد اشرف ورزشِ رابطہ رانوشتہ بودند کہ بحدّے استیلاء یافتہ کہ در صلوات آنرا مسجود میدانند ومی بینند واگر فرضاً نفی کنند منتفی نمیگردد، محبت اَطوارا این دَولت متمنائے طلاّب ست از ہزاران یکے رامگر بدہند، ظہورِ این قسم دَولت سعادتمندان رامیسّر ست تادر جمیع احوال صاحبِ رابطہ را متوسط خود دانند، ودر جمیعِ اوقات متوجہ اُو باشند، نہ در رنگ جماعۂ بیدَولت کہ خود را مستغنی دانند وقبلۂ توجّہ را از شیخ خود منحرف سازند ومعاملۂ خود را برہم زنند"۔ ["مکتوبات" مکتوب ۳۰، جلد دُوم ۲، دفترِ دُوم ۲، حصہ ششم، ص ۶۷، ۶۸ ملتقطاً]۔ ایمان سے کہنا! ایمانِ اسماعیل دہلوی وسائرِ اخوان وذُرّیاتِ نجدی کی رُو سے کتنا بھاری شرک ہے؟! ساری عبارت شرکِ اکبر کے گہرے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے، اس کے مختصر بیان کو فقیر کا رسالہ "الکوکبۃ الشہابیہ" ملاحظہ ہو! (معاذ اللہ) تمہارے دھرم میں تو ایسوں کو مسلمان سمجھنا بھی حرام، بلکہ خود کفر وشرک ہے، نہ کہ اُن سے کسی مسئلے میں سند لانا۔　　(امام احمد رضا خان)

(۲) "مکتوبات" "مکتوب ۱۰۶، جلد دُوم ۲، دفترِ سوم ۳، حصہ نہم ۹، ص ۸۷۔

کارگزاری اس سے بڑھ کر ملاحظہ کیجیے ! کہ رسالہ "غایۃ الکلام" میں ایک رسالہ عربیہ از نام ناصر فاکہانی بنام نہاد جوابِ رسالہ امام جلال الدین سیوطی نقل کر دیا، ہر چند مطالبہ ہوا حضرت یہ ناصر مفروض کون ہے ؟ کس زمانے میں تھا؟ کس نے اُس سے استناد کیا؟ یا اُس کے رسالہ کو معتبر ٹھہرایا؟ ان امور کا جواب ایک طرف، دنیا میں اُس کی پیدائش کا بھی پتا نہ چلا، سوا اس کے جو کلام اس مفروض کی طرف نسبت کیا ہے اُسی خبط و خلط کو متضمن جو مانعینِ وقت کی زبان پر جاری رہتے ہیں، اور اہلِ سنّت کی طرف سے بارہا اُن کے جواب پا چکے ہیں، ظاہراً انہیں حضرات نے اس غرض سے بنالیا ہے کہ اپنے اصولِ مخترعہ دوسروں کی زبان سے نقل کریں؛ کہ لوگ سمجھیں: "یہ حضرات ہی ایسے اُمور کو منع اور ان اصول بے معنٰی سے استناد نہیں کرتے، بلکہ اگلوں میں بھی ایسے گزرے ہیں"۔

ایسی حرکاتِ لایعنی سے اگرچہ بعض عوام بے چارے دھوکے میں آجائیں، مگر جو ذرا بھی علم و دانش رکھتا یا علماء کا صحبت یافتہ ہے، اُس کے نزدیک ایسے مجہول، بلکہ نامخلوق سے استناد نہ فقط باطل و فضول ہی ہے، بلکہ یہ بات اچھی طرح ظاہر کرتا ہے کہ ان حضرات کو اپنی خُرافات کی تائید میں علماء اور کتابوں کے نام بنا لینے، اور بے کار باتیں اور مہملات پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا، اور جب رسالۂ ناصر فاکہانی و "قولِ معتمد" و "شرعۃ الٰہیۃ" و "نور الیقین" وغیرہ کا یہ حال! اور جن علماء کو ان کے حوالہ سے خواہ بدُونِ حوالہ مانعین سے شمار کرتے ہیں، اُن سے استناد میں وہ اختلال !۔

اور ابن الحاج کا کلامِ مضطرب، اور تاج فاکہانی مالکی کا قول (بسببِ مخالفت سوادِ اعظم مسلمین، اور رد کرنے علمائے دین کے اور نیز اس وجہ سے کہ اِنعدامِ اصل پر مبنی تھا) بعد ثبوتِ اصل مضمحل ہو گیا، اصلاً لائقِ استناد و قابل لحاظ نہیں۔ تو بشیر الدین صاحب قنوّجی، اور نواب صاحب بہادر بھوپالی، اور اُن کے بھائی احمد حسن خان متوفی، اور سیّد امداد علی صاحب ڈپٹی کلکٹر، یا دوسرے درجے میں مؤلّفین "ہدایۃ المبتدعین" و رسالۂ نواب صاحب بہادر والئ ٹونک اور ان حضرات کے بعض اَقران و اَمثال کے سوا کوئی مانع اس مجلسِ مبارک کا جس میں کلام ہی باقی نہ رہا۔

اب اہلِ اسلام سے انصاف طلب ہے کہ بمقابلۂ آیات واحادیث واقوالِ ائمۂ دین وعلمائے راسخین جن سے مخالف ومُوافق سب سندلاتے، اور انہیں پیشوایانِ شریعت ومقتدایانِ ملّت سے جانتے ہیں اور اتفاق جُمہور اہلِ سنّت وعملِ اکابرِ شریعت وطریقت، بلکہ اکثر خاص وعام اہلِ اسلام مصر، ویمن، وروم، وشام، ومغرب، وعجم، وعرب، بالخصوص علماء وصلحائے حرمین شریفین زادہم اللہ شرفاً وکرامۃً کے امرِ دین میں ان صاحبوں کے اعتبار اور ان کے بیان پر کچھ بھی اعتماد کی گنجائش ہے؟!۔

اور ان حضرات کا انکار کہ ملکِ ہند میں ضَعفِ دین وملّت اور دوسرے مذہب کی حکومت دیکھ کر محض ہَوائے نفس وفسادِ عقیدت سے اُس کے مرتکِب ہوئے، کچھ بھی وقعت رکھتا ہے؟! اور باوجود تصریحاتِ علمائے دین ائمۂ محققین مغالطاتِ وہابیہ سے پریشان ہونا، اور باوصف ایسے ثبوت کے ان صاحبوں کے مجرّد کہہ دینے سے استحسان واستحباب مَولِد میں تردّد کرنا کیا مقتضٰی عقل ودیانت کا ہے؟! کیا قولِ جُمہور جن کی نسبت حدیثِ ابن ماجہ میں وارد: «اتّبعوا السواد الأعظم؛ فإنّه مَن شذّ شذّ في النّار»[1] اتباع کے لیے کفایت نہیں کرتا؟! اور اُس پانچ ۵ نام کتابوں اور علماء کے، اُن بے ضابطگیوں نافہمیوں کے ساتھ (جن کا بیان بطور نمونہ سن چکے) ذکر کردینا کتابوں اور علماء کی طرف غلط نسبت، اور جھوٹا حوالہ، بلکہ محض فرضی نام کتب وعلماء کے بنالینا، کیا ایسی چالاکیوں اور عیاریوں سے مخالفتِ سوادِ اعظم کا اِلزام حضراتِ وہابیہ سے دفع ہوسکتا ہے؟! اور وعیدِ شدید: «مَن شذّ شذّ في النّار» سے انہیں نجات دیتا ہے؟! لا حولَ ولا قوّةَ إلاّ بالله العليّ العظيم.

گیارہویں ۱۱ دلیل: ابنِ خلکان اپنی "تاریخ" میں لکھتے ہیں: "وأمّا احتفاله بمولد النبي ﷺ فإنّ الوصفَ يقصر عن الإحاطة به، لكن نذكر طرفاً منه: وهو أنّ أهل البلاد كانوا

---

(۱) "سنن ابن ماجه" كتاب الفتن، باب السواد الأعظم، ر: ۳۹۵۰، صـ٦٦٩ بتصرّف.

سمعوا بحسن اعتقاده فيه، فكان كلّ سنةٍ يصل من البلاد القريبة من أهل -مثل بغداد والموصل والجزيرة وسنجا ونصيبين وبلاد العجم وتلك النواحي- خلق كثير من الفقهاء والصوفيّة والوعّاظ"[۱]... إلخ. "حاصل یہ کہ سلطانِ اربل جو محفلِ مولدِ اقدس کرتے، وصف اُس کے اِحاطہ سے قاصر ہے، لیکن ہم کچھ قدرِ قلیل بیان کرتے ہیں، شہروں کے لوگوں نے حضرت سلطان کا حسنِ اعتقاد مجلسِ مبارک کی نسبت سنا تو نزدیک کے شہروں مانند بغداد شریف، وموصل، وجزیرہ، وسنجا، ونصیبین، وعجم کے شہروں، اور اُس اطراف سے مجمعِ کثیر فقہاء وصُوفیہ وواعظین کا وہاں جمع ہوتا"۔

امام ابوالخیر سخاوی لکھتے ہیں: "ثمّ لا زال أهل الإسلام في سائر الأقطار والمدن الكبار يشتغلون في شهر مولده ﷺ بعمل الولائم البديعة المشتملة على الأمور البهجة الرفيعة ويتصدّقون في لياليه بأنواع الصّدَقات ويُظهِرون السُّرور ويزيدون في المبرّات ويعتنون بقراءة مولده الكريم ويظهر عليهم من بركاته فضل عميم"[۲] یعنی "پھر ہمیشہ اہلِ اسلام تمام اطراف اور بڑے شہروں میں بماہِ ولادت حضرتِ رسالت ﷺ عجیب ویسے عمدہ نامور کاموں پر مشتمل کرتے رہے، اور اس مہینے کی راتوں میں انواعِ صدقات، واظہارِ سُرور، وتکثیرِ حسنات، واہتمامِ قرأتِ مولد شریف عمل میں لاتے ہیں اور اُس کی برکات سے فضلِ عمیم اُن پر ظاہر ہوتا ہے"۔

امام ابن الجزری نے بھی اسی کی مثل فرمایا ہے، امام قسطلانی کی عبارت "مواہبِ لدُنیہ" اسی معنی میں اوپر گزری، اور سبطِ ابنِ جوزی کا کلام بھی کہ اَعیانِ علماء وصُوفیہ مجلسِ سلطانِ اربل میں حاضر ہوتے، اور

---

(۱) "وفيات الأعيان" حرف الكاف، ر: ٥٤٧، مظفّر الدين صاحب إربل، ٢/ ٢٩١ ملتقطاً.

(۲) انظر: "سبل الهدى والرشاد" جماع أبواب مولده الشريف ﷺ، الباب ١٣ في أقوال العلماء في عمل المولد الشريف، ١/ ٣٦٢، نقلاً عن السخاوي.

مولانا علی قاری "موردِ روِی"[1] میں اَہلِ حرمین واَہلِ عجم کا مجلس کرنا تحریر فرماتے ہیں۔ امام حافظ ابنِ جوزی محدّث رحمۃ اللہ نے بھی رسالۂ مولد میں اَہلِ حرمین و مصر و یمن و تمام ملکِ عرب کا مجلس کرنا اور ماہ ربیع الاوّل میں اظہارِ سُرور وزینت وخیرات کی کثرت اور مولد پڑھنے اور سننے میں اہتمامِ بلیغ کرنا ذکر کیا ہے، اور فرماتے ہیں کہ ببرکت اس عمل کے اجر جزیل وفوزِ عظیم حاصل کرتے ہیں، اور تجربہ کیا گیا ہے کہ بدَولت محفل شریف کے تمام سال خیر وبرکت وسلامت وعافیت اور فراخی رزق میں، اور زیادتی مال ودَولت، اور امن وامان شہروں اور چین آرام گھروں میں انہیں حاصل ہوتا ہے۔

اور شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ نے "ما ثبت بالسنّة"[2] میں اہلِ اسلام کا ربیع الاوّل شریف میں مجلس کرنا، اور صدقہ دینا، اور بجہت قراءتِ مولد واظہارِ سُرور وفرحت کے برکات کا اُن کے لیے ظاہر ہونا نقل فرمایا ہے۔ اور مولانا رفیع الدین خان صاحب مراد آبادی نے (جن سے رئیس المانعین نواب بھوپالی بہادر "کلمۃ الحق" میں استناد کرتے ہیں) اپنے رسالے میں (کہ احوالِ سفرِ حج میں ہے) لکھا ہے: "اتوار کے روز بارہویں تاریخ نمازِ فجر کے بعد مجلسِ مولد منعقد ہوئی، حرمینِ شریفین، وشام، ومصر، وروم، ومغرب، وعراق کے شہروں میں عادتِ مستمرہ ہے کہ اس دن بجہتِ ولادت آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم (کہ منشائے جمیع خیرات ومبدءِ تمام برکات ہے) عیدِ میلاد کرتے ہیں، اور عید کی طرح لباسِ فاخرہ پہنتے، اور تہنیت ومبارکباد کہتے ہیں، اور قصہ میلاد شریف کا (کہ علمائے اَعلام نے فصیح عبارتوں کے ساتھ اپنے رسائل میں لکھا ہے) پڑھتے ہیں، اور باہم میزبانی وضیافت کرتے ہیں، اور اس عمل کو غنا واستغناء اور تمام سال کی عافیت کے واسطے تجربہ کیا ہے۔

اگلے سلاطینِ اسلام اس بات میں تاکید واہتمامِ بلیغ رکھتے، اور اموالِ کثیرہ انعقادِ مجلس میں خرچ کرتے، حرمِ مکۂ معظمہ میں یہ مجلس نمازِ مغرب کے بعد مولد شریف میں منعقد ہوتی ہے، اور مدینۂ سکینہ میں

---

(۱) "المورد الروي في مولِد النبوي" صـ۱۵-۱۸.

(۲) "ما ثبت من السُنّة في أيام السّنة" ذكر شهر ربيع الأوّل، صـ۱۰۲.

اوّل روز مسجد شریف میں، اور خرچ اس کا حضرت سلطانِ روم کی سرکار سے ہوتا ہے، فقیر نے (کہ اس سال شرفِ وُرودِ مدینہ طیبہ سے مشرّف ہے) دیکھا کہ شب کو اَور دنوں سے دو چند رَوشنی حرم شریف میں ہوئی، اور صبح صحنِ مسجد میں منبر رکھا گیا، اور شیخ الحرم و قاضی و مفتی و جمیع اکابر و خواصّ و عوام سب حاضر ہوئے، اور خوشبو سُلگائی، اور چار ۴ آدمی باری سے منبر پر گئے، ہر ایک نے پہلے روضۂ مقدسہ کی طرف منہ کر کے اس طرح جیسے اجازت چاہتا ہے تھوڑی دیر قیام کیا، پھر مولود سیّد جعفر برزنجی کا (کہ نہایت فصیح و بلیغ ہے) پڑھا۔ اور اس مجلسِ مبارک میں دستور ہے کہ جب ذکرِ ولادتِ اقدس پر آتے ہیں، قاری اور سب حاضرین کھڑے ہوجاتے ہیں، اور درود شریف کی اُس وقت تکرار کرتے ہیں، پھر بَیٹھ جاتے ہیں، بعد ختمِ مولد کے شربت و گلاب سلطانِ روم کی طرف سے حاضرین کو تقسیم ہوا، اور بادشاہ کے خزانچی نے خلعتِ فاخرہ شیخ الحرم، اور قاضی و مفتیٔ حنفی، اور نائب الحرم، اور شیخ الخطبا، اور دیگر اربابِ خدمات کو پہنائے، اور اشرفیاں اَعیان واکابر و خدّامِ حرمِ محترم کو بقدرِ مراتب تقسیم کیں، اور یہاں کے اغنیاء بھی اپنے گھروں میں مجلس کرتے ہیں۔

بالجملہ امام ابنِ جوزی، و ابنِ خلکان، و حافظ امام سخاوی، و امام جزری، و امام قسطلانی، و ملّا علی قاری، و سبطِ ابنِ جَوزی، و شیخ عبد الحق محقّق دہلوی، و مولوی رفیع الدین مراد آبادی (کہ سب مستندین و معتمدین مانعینِ عصر سے ہیں) بہت بلادِ دار الاسلام کے علماء و غیر ہم کا مجلس کرنا یا شریک ہونا بیان کرتے ہیں، اور ابنِ خلکان فقہاء و صوفیہ و واعظینِ بغداد، و مُوصل، و جزیرہ، و سنجا، و نصیبین، و بلادِ عجم کا اس میں حاضر ہونا، اور ملّا علی قاری اَہلِ حرمین و بلادِ عجم کا، اور مولوی رفیع الدین خان مراد آبادی اَہلِ حرمین کے ساتھ سکّانِ روم و شام و مصر و مغرب و عراق، اور امام ابنِ جَوزی اَہلِ حرمین و مصر و یمن اور تمام ملکِ عرب کا مجلس کرنا تحریر فرماتے ہیں۔

اور امام سخاوی و امام ابن الجزری و شیخِ محقق و امام قسطلانی و علامہ دِیار بکری لکھتے ہیں کہ ہمیشہ سے اَہلِ اسلام یہ مجلس کرتے ہیں، اور بشہادتِ جماعت کثیر و جمِ غفیرِ مسلمین جن کا بیان مفیدِ یقین ہے، ثابت کہ بفضلہ تعالی اب تک ان ملکوں میں یہ مجلس مبارک برابر معمول بہ و رائج ہے، جسے تأمّل ہو مَوسمِ حج میں اُن سب بلاد کے باشندوں سے (کہ وہاں حاضر ہوتے ہیں) دریافت کر لے، خواہ حاجیوں کی معرفت تحقیق

کرالے، زمانۂ سابق میں بھی ایک دو شخص کے سوا علمائے معتبرین مستندین سے کسی نے کلام نہ کیا، سو قطع نظر عدمِ صحت مبنٰی سے انکار وخلاف اُن کا تعامُل میں کچھ حرج نہیں کرتا۔

"اَشباہ" میں ہے: "إنّما تعتبر العادةُ إذا اطّردتْ أو غلبتْ"[1] اور نہ اعتبارِ تعامُل کے لیے عصرِ صحابہ سے توارُث شرط، اور نہ تحقق ورواج اُس کا جمیع بلاد میں اور علم اُس کے تحقّق کا ضرور، چنانچہ ان سب امور کی تحقیقِ تام وتنقیحِ تمام ہمارے رسالہ "اصول الرَشاد" میں مذکور، اور اُسی سے ثابت کہ فقہاء نے تعامُل کو عبادات میں بھی اعتبار کیا ہے۔

بالجملہ عملِ مولد معمول ومتوارثِ مسلمین وسنّت وطریقِ مؤمنین ہے، اور تعامُل وتوارُث وعادت وسنّت مسلمین بتصریحِ فقہاء واُصولیین از جملہ دلائلِ شرعِ متین ہے، کتبِ فقہ میں صدہا جزئیات اُس پر متفرّع کیے، بلکہ اتباع اُس کا قرآن مجید سے واجب، اور اُس کی مخالفت پر وعیدِ شدید وارد: ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾[2].

بارہویں ۱۲ دلیل: ہم استحسانِ مولد کو اِجماعی بھی کہہ سکتے ہیں؛ کہ حنفیہ اور جُمہور علماء کے نزدیک اتفاق بعض کا کسی قول خواہ فعل پر، اور سکوت وعدمِ تعرّض باقی لوگوں کا تین ۳ دن تک مجلسِ علم میں ایک قسم کا اِجماع ہے، جسے اِجماعِ سکوتی کہتے ہیں اور اس جگہ علم بعدمِ مخالف ضرور نہیں، بلکہ عدمِ علم مخالف خصوصاً بعد امتدادِ زمانہ تاًمّل کے کافی، كما في "التحقيق شرح الحُسامي": "إذا نصّ بعض أهل الإجماع على حكم في مسألة قبل استقرار المذاهب على حكم تلك المسألة، وانتشر

---

(۱) "الأشباه" الفنّ ۱: القواعد الكلّيّة، القاعدة ٦: العادة محكمة، صـ۱۰۳.

(۲) پ۵، النسآء: ۱۱۵.

ذلك بين أهل العصر، ومضت مدّةُ التأمّل فيه، ولم يظهر له مخالفٌ، كان ذلك إجماعاً عند جُمهور العلماء ويسمّى إجماعاً سُكوتياً"(۱).

اور متکلّمینِ مذہبِ جدید کو بھی اس کا اعتراف ہے: "وانچہ در اکثر اصحاب وقرن باسُکوت باقین بلانکیر احدے مروّج بود بمنزلۂ سبیل وخلق جمیع اصحاب وہمہ قرن باشد" اور بحوالہ "شرحِ حُسامی" مخالفین کے طَور پر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عصرِ صحابہ کے سِوا علم باتفاقِ کل ممکن نہیں، توعلم بالسُکوت پر کسی طرح مدار نہیں ہوسکتا، بلکہ عدمِ ظہورِ مخالف ہی کافی ہوگا، ورنہ محدَثاتِ عصرِ تابعین بھی بدعت وضلالت میں داخل ہوجائیں گے؛ کہ اتّفاقِ بقیہ تابعین کسی امر میں ثابت نہ کرسکیں گے۔ انہیں متکلّم قنّوجی نے تدوینِ علوم وتعلیم وتعلّمِ صرف ونحو واعرابِ قرآن مجید وغیرہ کو مجمَع علیہا ٹھہرایا ہے، کیا صحابہ نے ان اُمور پر اِجماع کیا ہے؟! یا تابعین خواہ تبع تابعین کا اتفاق ان مسائل میں بمعنی علم بحالِ کل فرد ثابت ہوگیا، توسِوا عدمِ ظہورِ مخالف کے اَور کیا معنی ہے؟! اور اِجماع کچھ اِجماعِ مجتہدین میں منحصر نہیں، نواب صاحب بہادر "کلمۃ الحق" میں لکھتے ہیں: "وباید ک اہلِ اِجماع کسانے بوند کہ مجتہد بوند مگر در چیزے کہ مستغنی عن الاجتہاد باشد ونباشد وردِ فسق وہوائے نفس"۔

دیکھو! مانعین کے رئیس المتکلّمین کو بھی مسائلِ مستغنی عن الاجتہاد میں صاف اعتراف ہے کہ اَہلِ اِجماع کا مجتہدین سے ہونا ضرور نہیں، اور یہ قَید "ونباشد وردِ فسق وہوائے نفس "محض فضول؛ کہ قول وفعل مجتہدین کا بھی اَیسا ہی ہونا چاہیے، لیکن بلا وجہِ شرعی مجرّد وَہم وخیال سے مجتہدین خواہ علماء وائمۂ غیر مجتہدین کی رائے وعمل میں اس احتمال کو قائم کرنا متعصبِ عنید کے سِوا دوسرے سے کب ہوسکتا ہے؟!

حاصلِ کلام یہ کہ جب عملِ مولد زمانۂ سلطان عالم عادل شاہِ اربل میں شائع ہوا، علماء ومشایخِ اَطراف واکناف بشہادتِ ابنِ خلّکان اس میں حاضر ہوتے، اور بشہادتِ امام سخاوی، وامام ابنِ جزری، وامام قسطلانی، وعلاّمہ حسین، وشیخ محقّقِ دہلوی ہمیشہ اہلِ اسلام اَقطار وبلاد میں مجلس کرتے، اور بگواہی حافظ عماد

---

(۱) "كتاب التحقيق" باب الإجماع، صـ۲۱۱.

الدین بن کثیر ائمۂ اہلِ سنّت واساطینِ ملّت سے اُس کی ثنا کرنا اور اچھا سمجھنا ثابت ہے، اور اُس زمانے میں کسی سے انکار واعتراض ظاہر نہ ہوا؛ کہ فاکہانی وغیرہ کا اُس وقت وجود بھی نہ تھا، اور عدمِ ظہورِ مخالف حسب تحقیق صاحبِ "تحقیق "تحقق اِجماعِ سکوتی کے لیے کافی ہے، تو اُس عصر میں اِجماعِ سکوتی منعقد ہو لیا، اور جب ایک حجتِ شرعی اُس کے استحسان وعمل پر قائم ہوگئی، تو انکارِ فاکہانی کسی طرح اس حجت کو رفع نہیں کرسکتا، اور اَہلِ اِجماع کا مجتہدِ مطلق ہونا باعترافِ رئیس المانعین بھی ضرور نہیں؛ کہ مسئلہ قواعدِ شرعیّہ سے مُوافق، اور مقاصدِ دین سے مطابق اور عموماتِ نصوص واشارات ودلالات کتاب وسنّت سے ثابت ہے۔

اور نیز "مسلّم الثبوت" میں ہے: "علا أنّ اتفاق المحقّقين على ممرّ الأعصار حجّة كالإجماع"[1] یعنی "اتفاقِ محققین عرصہ دراز تک اِجماع کی مانند حجت ہے"، اب مانعین عصر شاہِ اربل میں ائمۂ معتمدین مستندین فی الدین سے انکار واعتراض اس عمل پر ثابت کردیں! یا اُس کا حجتِ شرعیّہ سے ثابت ہونا تسلیم کریں! اور بالفرض فاکہانی وغیرہ جو اُس عصر کے بعد انکار کا بادی ہو، اگر اُس کا قولِ حادث اِجماع کو قائم نہ رکھے، تاہم مخالفِ جُمہور ہونے میں شک نہیں، اس وجہ سے رَد ہوجائے گا، اور جو اُس کا اتّباع کرے گا، یا بلا لحاظِ اتّباع خود منکِر ہوگا، اُس کا قول بھی اُسی طرح مردود ہوگا، اور یہی تقریر صدی دوازدَہم ۱۲ کی نسبت بھی کرسکتے ہیں کہ ظہورِ نجدیّہ وشیوعِ مذہبِ اسماعیلیّہ سے پہلے اُس زمانے میں کوئی منکِر اور اس مجلسِ مبارک پر معترض نہ تھا، تو انکارِ متکلّمینِ مذہبِ جدید پر خرقِ اِجماع، لاأقل مخالفتِ جُمہور کا اِلزام قائم!۔

اور اس زمانے کا حال تو نہایت ظاہر؛ کہ عوام وخواصّ سے ایک شخص بھی اُس کے استحسان میں کلام نہیں کرسکتا، یہاں تک کہ انکارِ مجلسِ مبارک خاص وہابیت کی علامت ٹھہرا ہے، اور اس تقریر سے

---

(۱) "مسلّم الثبوت" ص۱۹۱ بتصرّف.

مخالفین کا مغالطہ (کہ عملِ مولد کو مختلف فیہ ٹھہراتے ہیں، اور اِس بنا پر تتمۂ اثرِ ابنِ مسعود: «وما رآه المسلمون قبیحاً»[1]... إلخ کو اوّل کا معارِض بتاتے ہیں) بخوبی حل ہوا۔

اور یہ دھوکا بھی کہ "مجوّزین شافعیّہ ہیں سوا ملّا علی وشیخ محقق دہلوی کے حنیفہ سے کوئی قائل نہ ہوا" محض باطل، اور بشہادتِ علمائے دین وائمۂ مستندین مانند حافظ سخاوی وعلّامہ حسین خمیسی وامام قسطلانی وامام ابن الجزری وغیرہم کے جن کی وَثاقت وعدالت آفتابِ نیمروز سے زیادہ ظاہر، بلاقیدِ حنفیّت وشافعیّت علماء ومشائخ کا عملِ مولد کرنا، یا اُس میں حاضر ہونا، اور اُسے مستحب ومستحسن سمجھنا ایک کھلی بات ہے، کہ کسی ذی عقل وانصاف کو مجالِ کلام نہیں، بلکہ یہ چاروں امام اہلِ اسلام میں بلاقید کسی مذہب کے ہمیشہ شائع رہنا اس عملِ مبارک کا بیان فرماتے ہیں، اور کسی نے اَہلِ مذاہب سے اُس میں کلام نہ کیا، تو تعامُلِ مذاہبِ اربعہ اور اُن کے قبول کر لینے میں کچھ شک نہ رہا۔

اگر حنفیہ کو اس مسئلہ میں کلام ہوتا تو باوجود اِبتلائے عام خصوصاً بعض خواصِ حنفیّہ کی کتبِ متداولہ میں اس فعل کی ممانعت ضرور کرتے، اور جب اَیسے مسائل میں استناد صرف حنفیّہ سے چاہیے دوسروں سے کفایت نہیں کرتا، تو مانعین کو حوالہ فاکہانی مالکی وغیرہ کا کب مفید ہے؟! حنفیّہ سابقین سے (کہ معتمَدین ہوں) بحوالہ اُن کی کتب مشہورہ متداولہ یا اَیسے معتبرین کی جن کی نقل قابلِ اعتماد واعتبار ہو، ممانعت اس عمل کی بتصریح ثابت کر دیں، ودونه خرط القتاد!.

خیر یہ کچھ نہ سہی شیخ عبد الوہّاب حنفی، وامام سیف الدین شہیر بعلّامہ ابنِ ظفر، وعلّامہ شمس الدین، وصاحبِ "مجمع البحار" وغیرہم سب اکابر حنفیّہ جن کے نامِ نامی سابق مذکور ہوئے، اور مولوی ولی اللہ شاہ صاحب دہلوی کی عبارت، اور اُن کے والد شاہ عبد الرحیم کی بشارت بھی دسویں دلیل میں منقول، آیا یہ لوگ

(۱) "موطأ الإمام محمد" باب قيام شهر رمضان وما فيه من الفضل، صـ۱٤٤.

علمائے حنفیّہ سے نہ تھے؟! خدا جانے حضراتِ وہابیّہ کے نزدیک حنفیّت کسے کہتے ہیں! اور بالفرض حنفیّہ سے کسی کا قول منقول نہ ہوتا تو جس حالت میں یہ عملِ مبارک عمومِ آیات واحادیث، واشارات ودلالات کتاب وسنّت، واُصول وقواعدِ ملّتِ حنفیہ سے ثابت، اور مَصالحِ شرعیّہ پر مشتمل، اور مقاصدِ دینی سے مُوافق ہے، اور ہمارے ائمۂ ثلاثہ وغیرہم پیشوایانِ مذہب سے ممانعت اُس کی اصلاً ثابت نہ ہوئی، تو ہمیں شافعیّہ کے ساتھ خصوصاً بعدِ تعامُل خاص ایسے مسئلے میں اتفاق کرنے سے کون مانع تھا؟! سادگی ان صاحبوں کی کہاں تک بیان کی جائے! اور غلط بات کہہ دینے پر جرأت تو ان حضرات کے حصّے میں ہے، جو چاہتے ہیں فرمادیتے ہیں!۔

تیرہویں ۱۳ دلیل: ہم رسالہ "اصول الرّشاد"(۱) کے قاعدۂ یازدہم ۱۱ میں بخوبی ثابت کر چکے کہ تعامُلِ حرمینِ شریفین حجّتِ شرعی ہے، اور امام شافعی وامام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ مسئلۂ اذانِ فجر میں اس اصل سے احتجاج کرتے ہیں، امامِ مالک رحمہ اللہ تعالیٰ صرف اِجماعِ اہلِ مدینہ کو بھی حجت کہتے ہیں، اور طرفَین رحمہما اللہ تعالیٰ سے انکار ثابت نہیں، بلکہ فقہائے(۲) حنفیّہ میں اُس سے استناد جاری ہے، اور

---

(۱) "اصول الرّشاد" قاعدہ ۱۱، ص ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۴۔

(۲) تراویح میں ہر چار ۴ رکعت پر توقّف کی نسبت "غنیہ شرحِ منیہ" میں فرمایا: "هذا الانتظار مستحبٌّ لعادة أهل الحرمَين" ["الغنية" صـ٤٠٤] "یہ انتظار مستحب ہے؛ اس لیے کہ اہلِ حرمین کی عادت ہے"۔ "ہدایہ" میں ہے: "وكذا بين الخامسة والوتر لعادة أهل الحرمين" ["الهداية" كتاب الصّلاة، فصل في قيام شهر رمضان، الجزء ١، صـ٨٥]، یعنی: "اسی طرح ختمِ تراویح ووتر کے درمیان توقّف مستحب؛ کہ یہ بھی اہلِ حرمین کی عادت ہے"۔ اسی طرح "کافی شرحِ وافی" ["الكافي" كتاب الصّلاة، باب النوافل، فصل في التراويح، ١/ ق١٠٦] وغیرہ [انظر: "الهندية" كتاب الصلاة، الباب ٩ في النوافل، فصل في التراويح، ١/ ١١٥] میں ہے۔ (امام احمد رضا خان)

مخالفت[1] پر حکم کراہت کادیتے ہیں، اور اعتراضِ وہابیہ کہ "امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے مسئلۂ اذان میں اس اصل پر عمل نہ کیا، بلکہ اُس کے خلاف حکم دیا" مجرّد مُغالطہ دہی ہے، کیا "ہدایہ"[2] میں یہ عبارت نظر سے نہ گزری: "والحجّة على الكلّ قولُه ﷺ لبلال"[3]... الحديث، یا اس قدر بھی نہیں سمجھتے کہ اقویٰ پر عمل کرنے سے دوسری دلیلِ شرعی کا حجت ہونا باطل نہیں ہوتا؟! ہاں اُس کے مقابل اُس جگہ مضمحل سمجھی جاتی ہے، جس طرح حدیثِ آحاد بمقابلۂ نصِ قطعی۔

اسی طرح قول متکلّم قنّوجی کا کہ "حسن معمولاتِ حرمین حُجج شرعیہ سے ثابت نہیں" نرا سفسطہ ہے؛ کہ وہ خود حجتِ شرعی، اور ہمارے لیے احتجاجِ مجتہدین کافی ہے، اور جب یہ بات کہ معمولاتِ حرمین شریفین حجت، اور جسے وہ مستحسن فرمائیں اور ثواب سمجھ کر عمل میں لائیں (بشرط عدمِ مزاحمتِ شرع

---

(۱) "کافی شرحِ وافی" میں ہے: "الاستراحة على خمس تسليمات يكره عند الجُمهور؛ لأنّه خلاف أهل الحرمين" ["الكافي" كتاب الصّلاة، باب النوافل، فصل في التراويح، ۱/ ق۱۰٦].
"تراویح میں دس ۱۰ رکعت کے بعد انتظار جُمہور ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے؛ اس لیے کہ یہ اہلِ حرمین کے خلاف ہے، اسی طرح "عینی شرحِ کنز" [أي: "رمز الحقائق" كتاب في بيان أحكام الصّلاة، باب في بيان أحكام الوتر والنوافل، صـ٤٠] میں ہے۔ "غایۃ السّروجی" میں ہے: "لا يستحبّ ذلك؛ لأنّه خلاف الحرمَين". "یہ بات ناپسند ہے؛ اس وجہ سے کہ خلافِ حرمین ہے"۔ "غنیۂ حلبی" میں ہے: "(قال أكثر المشايخ: لا يستحبّ) ذلك لمخالفة أهل الحرمَين" ["الغنية" صـ٤٠٤]. "اکثر مشائخ نے فرمایا: یہ ناپسندیدہ ہے کہ اس میں اہلِ حرمین کی مخالفت ہے"۔ (امام احمد رضا خان)

(۲) "الهداية" كتاب الصّلاة، باب الأذان، الجزء ۱، صـ٥٣.

(۳) "سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب في الأذان قبل دخول الوقت، ر: ٥٣٤، صـ٨٩.

وثبوتِ مخالفِ قوی) مستحسن ہے، تو عملِ مولد کے (کہ بلدِینِ مکرّمین کے معمولات و مستحسنات سے ہے) استحسان میں کیا شک رہا۔

چودھویں ۱۴ دلیل: پروردگارِ عالَم اپنے حبیب ﷺ سے خطاب فرما کر احسان اپنا اُس جناب پر بیان کرتا ہے: ﴿وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ﴾ "اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا"۔ اور اسے اپنی عمدہ نعمتوں اور بڑے احسانات سے شمار فرماتا ہے، اور بعض مفسّرین نے کریمہ: ﴿إِنَّآ أَعۡطَيۡنَٰكَ ٱلۡكَوۡثَرَ﴾[1] میں کوثر کو رفعت وشہرت وکثرتِ ذکر کے ساتھ تفسیر کیا ہے۔

یہاں سے ظاہر کہ ناموری وشہرت اور ذکرِ حضور کی کثرت حضرت عزّت عزّ جلالہٗ کو منظور ومحبوب ہے، ولہٰذا بہت سے اسباب اُس کے جمع فرمائے، نامِ نامی اُن کا بہشت کے ہر قصر، وغرفہ، ودیوار، ودروازہ، وپردہ، واَوراقِ سدرہ وسینۂ حُور وملائکہ وغیرہا پر لکھا اور ساقِ عرش پر اپنے اسمِ گرامی کے ساتھ تحریر فرمایا، قرآن مجید میں اکثر اُمور اپنے ساتھ حضرتِ رسالت کی طرف بھی منسوب کیے، پچاس ۵۰ مقام سے زیادہ حضور کا ذکر ذکرِ الٰہی کے ساتھ موجود ہے۔ "شفائے قاضی عیاض" میں بروایت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالی عنہ مرفوعاً آیا ہے کہ "جبریل نے میرے پاس آکر کہا: خدائے تعالی فرماتا ہے: تم جانتے ہو میں نے تمہارا ذکر کس طرح بلند کیا؟ میں نے کہا: خدا خوب جانتا ہے، ارشاد ہوا: «إذا ذُكِرتُ ذُكِرتَ معي»[2] "جب میں ذِکر کیا جاؤں تم میرے ساتھ ذِکر کیے جاؤ گے"۔

تمام انبیائے سلَف علیہم الصلاۃ والسلام سے حضور کی تصدیق ونُصرت کا عہد لیا، جس کے سبب سب پیغمبر اپنے وقت میں حضور کی تصدیق فرماتے، اور حضور کے محامدِ جلیلہ بیان کرتے رہے، مسلمانوں کو حضور پر

---

(۱) پ ۳۰، الکوثر: ۱.

(۲) "الشفا" القسم ۱، الباب ۱، الفصل ۱، الجزء ۱، صـ۲۰.

درود و سلام بھیجنے کا حکم، اور فرشتوں کو اس کام میں مشغول کیا، اور خود بھی اس طرف توجہ فرمائی، حضور کی اِطاعت تمام عالم پر فرض کی، اور حضور کی محبت ایک جہان کے دل میں پیدا کر دی، ہر زمانے میں بے شمار آدمی و جن حضور کی فرمانبرداری و پیروی کا دعوی کرتے ہیں، اور لاکھوں کروڑوں مشتاق نامِ نامی کو حرزِ جان اور ذکرِ والا کو دردِ دل کی دوا سمجھتے ہیں۔

کلمہ طیّب و اذان و تشہد میں حضور کا ذکر اپنے ذکر سے مقرون کیا کہ اطرافِ عالم و رُبعِ مسکون میں حضور کا نامِ نامی خدا کے ساتھ منبروں اور مناروں اور مساجد و محافل میں پکارا جاتا ہے، ولادتِ باسعادت کے قریب اور خاص اُس وقت غرائب واقعات اور طرح طرح کے اِرہاصات ظاہر کیے، جن کی وجہ سے کرۂ خاک سے فلکُ الاَفلاک تک اس واقعۂ عظیم کا چرچا ہوا، اور ملائکہ و جن و وحش و طیر ولادت شریف سے واقف ہو گئے، اور جس قدر نامَوری و شہرت حضور کی اُس عالم میں ہوگی اُس کا بیان طاقتِ انسان سے باہر ہے، یہ اعتقاد چاہیے کہ اِس عالم کی شہرت اُس سے کچھ نسبت نہیں رکھتی؛ کہ تفصیل اُس کی متعسّر۔

جس حالت میں یہ بات احادیث و آیات اور مالکِ حقیقی کے اَحکام و مُعاملات سے اچھی طرح ظاہر ہوئی کہ حضور کی نامَوری و شہرت اور ذکر شریف کی کثرت حضرتِ اَحدیّت کو مقصود ہے، تو ذکرِ والا مَجامع و مجالس میں بیان کرنا، اور اہلِ اسلام کو باہتمامِ تمام ایسی مجلس میں بلانا، اور مَحامد شریفہ و مَناقبِ جلیلہ خصوصاً قصّۂ ولادت شریفہ (کہ غرائبِ حالات و عجائبِ مُعاملات پر مشتمل اور عمدہ اسبابِ شہرتِ ذکر کو متضمن ہے) سنانا سب مقصودِ شارع سے مناسب، اور اس وجہ سے بھی شرعاً محمود ہے۔

اور جب شارع نے اُس کے لیے کوئی ہیئت و وضع معیّن نہ فرمائی، اور کسی خاص وقت و صورت میں منحصر نہ کردیا، تو جس وضع و ہیئت کے ساتھ کیا جائے مطلوب کا ایک فرد ہوگا، ایسی تخصیص و تعیین لوازمِ فَردیّت سے ہے، نہ مُنافی، ہاں کسی وضع و ہیئت کے ساتھ بایں طَور معیّن کر دینا کہ دوسری صورت اصلاً جائز نہیں، جس طرح مانعین مواردِ شرع میں منحصر اور انہیں پر مقتصر کرتے ہیں، تشریع من عند نفسہٖ، اور تعمیمِ شارع کا صریح اِبطال ہے۔

اور جب خدائے قدیر کو اپنے پیارے رسول کی شہرت و ناموری اور ذکرِ حضور ہر طرح کثرت سے منظور ہے، تو آپ صاحبوں کی تدبیرات سے مٹنا معلوم! اُس میں اِصرار خدا کی تقدیر سے مقابلہ ہے۔ دیکھیے! جس قدر آپ اُس کے مٹانے میں کوشش کرتے ہیں، اُسی قدر مجالسِ ذکر کی کثرت ہوتی ہے، اور اَہلِ ایمان و محبت کے دلوں میں اَیسے اُمور کا شوق بڑھتا ہے، ﴿وَاللهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ﴾[1]... الآیۃ یاد کیجیے! اور اس سعئ رائیگاں و تدبیراتِ فضول سے ہاتھ اُٹھائیے۔

پندرہویں ۱۵ دلیل: ذکرِ ولادت و غیرہا اَحوالِ شریفہ جن کے لیے یہ مجلس منعقد ہوتی ہے، بلا ریب ذکرِ مبارک حضرتِ رسالت ﷺ ہے، اور ذکرِ رسول اللہ ﷺ باقرارِ[2] مانعین بھی عبادت، پس ذکرِ ولادت عبادت ہے، اور اس عبادت کے لیے شرع میں کوئی ہیئت و خاص صورت مقرّر نہیں، تو عموم و اطلاق پر رہے گی، اور جس کیفیّت سے ادا کی جائے ضلالت نہیں ہو سکتی، اور تداعی اس مجلس کے لیے عبادت کی طرف دعوت، تو استحسان ہیئت کذائی بخوبی ثابت۔

سولہویں ۱۶ دلیل: دلائلِ سابقہ سے بخوبی ظاہر ہوا کہ ذکرِ رسول اللہ ﷺ مطلقاً مستحب و مستحسن ہے، اور اس مذہب کے واعظین و علماء بھی مجالسِ وعظ و مجامعِ مسلمین میں اہلِ سنّت کے لحاظ پاس سے حضور کے حالاتِ رفیعہ، واَذکار شریفہ، وفضائل، وکمالات، ومراتب، ومقامات بکمال کشادہ پیشانی بیان، اور اَیسے بیان کی خوبی اظہار کرتے ہیں؛ کہ لوگ اُنہیں ذکرِ والا کے حسن و خوبی کا معترِف و معتقد اور محبت و عقیدت حضور میں صادق سمجھیں، گو بعض متعصّب کہ خبثِ طینت و فسادِ عقیدت کے چھپانے پر بھی قدرت نہیں رکھتے، حسنِ ذکر شریف کا انکار کر کے اپنے ہم مشربوں کا حالِ باطن ظاہر کر دیں۔

---

(۱) پ۲۸، الصف: ۸.

(۲) بشیر قنوجی نے "غایۃ الکلام" میں کہا: "ذکرِ رسول اللہ از قبیلِ عبادات است" انتہی، **اَقول:** ﷺ۔

(امام احمد رضا خان)

متکلّم قنّوجی "غایۃ الکلام" میں لکھتے ہیں: "حسنِ مطلق ذکرِ رسول اللہ ممنوع است"، نعوذ باللہ من ہذا الکلام! خیر ہمیں کسی کے باطن سے کیا کام، اُن کے اقوال اور ظاہری اَحوال پر نظر کر کے کہتے ہیں کہ اکثر مانعین بھی حسنِ مطلق کے معترف ہیں، بلکہ اُن کے رئیس المتکلّمین "کلمۃ الحق" کی دلیلِ ہفتم ۷ میں ذکرِ ولادتِ باسعادت کو فی نفسہٖ مستحب ومحبوب لکھتے ہیں، اور اُس کے حسنِ اصلی فی نفسہٖ کا نہایت شدّ ومد کے ساتھ اقرار کرتے ہیں، اور مطلق نظراً إلی ذاتہ تمام خصوصیات میں اپنے حکم کا اِقتضا کرتا ہے، گو بعض جگہ کوئی عارض مانع ہو، اور جو شخص حکمِ مطلق خصوصیات میں جاری کرے متمسّک باصل ہے؛ کہ اپنے دعوے کے اِثبات میں حکمِ مطلق کے سِوا کسی دلیل کا محتاج نہیں، خود "رسالۂ بدعت" میں (کہ مانعینِ عصر کے امام الائمہ اسماعیل دہلوی کی تصنیف ہے) اس مضمون(۱) کی تصریح ہے۔

اور نیز قاعدۂ چہارُم ۴ "اصول الرَشاد"(۲) میں ہم نے بحوالۂ کتبِ اصول اس مدعا کو بخوبی ثابت کردیا ہے کہ حسنِ مطلق حسنِ مقیّد کے اِثبات میں کفایت کرتا ہے، مگر جبکہ وہ خصوص خاص مخالف ومُزاحم شرع ومنہی عنہ ہو، تو جب تک مانعین بالخصوص خصوصیات وقیود کی ممانعت اور حکمِ مطلق کے ساتھ مُزاحمت شرع شریف سے ثابت نہ کردیں، تحقیقاً والزاماً ہر طرح حسنِ مولد ثابت ہوتا ہے، اور یہ سب خصوصیات وقُیود بھی فی نفسہا مستحسن ومحبوب ہیں، اور انضمام اُن کا ذکرِ ولادت کے ساتھ اُس کے حُسن کو ہرگز منع نہیں کرتا، تو اُس کی ممانعت کے لیے مُغالطہ سازی وحیلہ پردازی وتلبیس وتلمیع کے سِوا کیا طریق باقی رہا؟!۔

باقی رہا منکرینِ حسنِ مطلق کا کلام، جیسے متکلّم قنّوجی نے بے دھڑک کہہ دیا کہ "مطلق ذکرِ رسول اللہ ﷺ کا حسن اُسے تسلیم نہیں" لا حولَ ولا قوّۃَ إلاّ باللہ! باوجود دعویٔ اسلام اَیسا کلمہ زبانِ قلم پر لانا

---

(۱) حاشیہ صفحہ ۱۱۲ [یہ مطبع اہلِ سنت بریلی کے مطابق ہے، جبکہ ہمارے اس نسخہ میں دیکھیے صفحہ ۲۰۲، ۲۰۳] پر اس کی عبارت منقول ہوگی۔ (امام احمد رضا خان)

(۲) "اصول الرَشاد" قاعدہ ۴، ص۱۱۹، ۱۲۰۔

کسی مدّعیٔ عقل ودانش کا کام نہیں، حسنِ مطلق ذکرِ حضرت رسالت ﷺ بدیہیاتِ اسلام سے ہے؛ کہ ہر نادان بچہ بھی اُس کا اعتراف کرتا ہے، اور آیات واحادیث کی دلالت تنبیہِ سفیہ کے لیے کفایت کرتی ہے، لیکن جس کے دل میں حلاوتِ اسلام ولذّتِ ایمان اصلاً باقی نہیں، وہ اپنے خبثِ نفس وفسادِ باطن سے مجبور ہے۔

مخالفین ایک طرف، اِن ذات شریف کے مُوافقین بھی تو اَیسے کلمات سے تحاشی وتبرّا کرتے ہیں، دیکھو رئیس المانعین "کلمۃ الحق" میں اس باب میں اور ایسے شخص کی نسبت کیا کہتے ہیں: "نہ آنست کہ ذکرِ ولادت باسعادت خیر البشر وادراکِ احوال برکت اشتمالِ آن سُرور علیہ الصلوۃ والسلام ومطالعۂ کتب این شمائل وخصائل ممنوع ومحظور ست حاشا وکلا ہر کہ ادنیٰ نصیب از نعمتِ اسلام ودَولتِ ایمان دارد زنہار این حرف برزبان نگزارد، چہ جائے آنکہ ماحیٔ بدعت وحامیٔ سنّت مانع تصلیہ وتذکیر شود۔ ع

محمد عربی کا بروئے ہر دو سراست　　　کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سرِاو"۔۔۔الخ

اور حسن حسن ہی رہتا ہے جب تک کوئی حرج خارج سے لاحق نہ ہو، اور قطع نظر اس سے کہ ہم نے ہیئت گذائیہ وقیودِ خارجیّہ کا حُسن ثابت کردیا، مانعین ایک دلیلِ شرعی بھی اُن کے عدمِ جواز وحرج پر قائم نہیں کرسکتے، تو حسنِ مولد میں کلام بے جا، اور قصر اُس کا مواردِ شرع پر کام عقل ودین کا نہیں؛ کہ یہ حکم امر مخالفِ قیاس کا ہے، نہ حسن فی نفسہٖ کا؛ کہ مطابقِ عقل ہے۔

اور اس تقریر سے متکلّم مذکور کا یہ کلام بھی کہ "اجتماعی کہ حسن است اجتماعی است کہ شرع بحسنِ آن ناطق شدہ مثل اجتماع برائے جمعہ وعیدین وغیرہا، نہ ہر اجتماع" رد ہوگیا، کہ نفسِ اجتماع کی خوبی احادیث سے (کہ مجالسِ ذکر میں ہیں) ثابت، اور خود ان حضرت کے مستندین کو اُس کی خوبی کا اعتراف ہے، شاہ عبد العزیز صاحب سورۂ قدر کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وبالجملہ از مضمون این سورہ معلوم میشود کہ عبادت

وطاعت را بہ سببِ اوقاتِ نیک ومکاناتِ متبرکہ وحضور واجتماعِ صالحان در ایجابِ ثواب وایراث برکات وانوارِ مزیتِ عظیم حاصل میشود"(۱)۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب خاص مجلسِ مولد میں انوارِ ملائکہ وانوارِ رحمتِ الٰہی کا نزول مشاہدہ کرنا "فیوض الحرمین" میں تحریر کرتے ہیں، مانعین اوّل خلافِ قیاس ہونا اجتماع اہلِ اسلام کا ثابت کریں، پھر اُسے مورد پر مقتصر ٹھہرائیں، ثبت العرش ثمّ انقش، سوجس حالت میں خاص نعت ومَحامد وفضائل واَحوال شریفہ، بلکہ حالاتِ ولادت ورضاعت وغیرہا مجامع ومجالس میں عصرِ صحابہ سے بلا انکار بیان ہوتے رہے، اور خود جنابِ رسالت نے مَجامع وغیرہا میں بیان فرمائے، تو یہ تکلیف بھی رائیگاں ہوگی۔

اور یہ جو اِنہیں ذات شریف نے لکھا ہے کہ "حکم مطلق سے مراد کیا ہے جو حکم ان قُیود کے عدم سے مشروط نہیں یا ہر حکم؟ پہلی صورت میں جائز کہ حکمِ مطلق کا محل نزاع میں ان قُیود کے عدم سے مشروط ہو" محض تلمیح ہے، مراد حکم مطلق سے حکمِ مطلق ہے یعنی مرتبہ "لا بشرط القُیود" کہ نہ وجود وعدمِ قُیود سے مشروط، نہ کسی فرد وحَد کے ساتھ مخصوص ومحدود، تو ذاکر جانبِ شرع سے مجاز ومختار ہے، چاہے ذکر شریف بدُون اِن قُیود کے کرے، چاہے بلحاظ ازدیاد قربت وجمعِ برکات تلاوتِ قرآن، وصدقہ، وخیرات، وہدیہ، وضیافتِ اخوان، وجمعِ اَہلِ ایمان کے ساتھ عمل میں لائے، اور یہ مراد مقصودِ شرع کے مطابق، اور عموم واطلاقِ دلائل کے مناسب ومُوافق ہے، بخلاف مرتبۂ عدمِ قیود و"بشرطِ لا شيء"؛ کہ خواہ مخواہ کثرت کو مانع اور قلت کو مستلزم ہے، بایں ہمہ اختراع اس احتمال کا از قبیلِ انیابِ اغوال ہے، بلکہ ہم نے حُسن اُس کا قیود کے ساتھ بھی ثابت کردیا، تواب کلام اُس میں نرا مکابرہ۔

---

(۱) "تفسیر فتح العزیز" سورۃ القدر، ص۲۵۸ بتصرّف۔

نیز[1] قیدِ عدمِ قیود وخصوصیات کی حاجت صرف اُس حالت میں ہے کہ وہ مانع ومُزاحمِ حکمِ مطلق ہوں، اور ما نحن فیہ میں ایسا نہیں، تو اُن کے ساتھ اجتماع حُسنِ مطلق میں حرج نہیں کرتا، اور تحقیقِ بازغ وہ ہے جو ہم نے "اصول الرشاد"[2] کے قاعدۂ چہارُم ۴ میں مشرّح کی کہ مطلقِ اصولی ومنطقی میں فرقِ عظیم ہے، یہاں صرف ایک فرد میں تحقّقِ حکم حکم علی المطلق کے لیے کافی نہیں، بلکہ بنظرِ ذات جمیع مَصادیق ومقیّدات میں جرَیان ضرور، تو یہ شقشقہ وتشقیق سب سَفسطۂ سحیق وباطل ومہجور۔ "تحریر" و"شرح تحریر" میں ہے:
"(ليس العمل بالمطلق) العمل به في ضمن المقيّد فقط (بل) العمل به (أن يجريَ في كلّ ما صدقَ عليه) المطلق (من المقيّدات)"[3].

---

(۱) **اقول:** اس افادۂ جلیلہ سے یہ مقصود کہ علی التنزل شقِ اوّل مراد، اور اس پر اس احتمال کا ایجاد (کہ ممکن کہ یہاں حکمِ مطلق ان قُیود کے عدم سے مقیّد ہو) سراسر بیّن الفساد، معترض نے اپنے آپ کو محلِّ مانع میں تصور کیا، اور ابدائے احتمال کو اپنے لیے کافی سمجھا، حالانکہ یہ محض سَفاہت عجب العجاب، بلکہ تمام اطلاقاتِ شرعیّہ سے استناد کا سدِّ باب ہے، ہر جگہ یہی احتمال بے معنی نکال دینا بس ہو، حالانکہ اطلاقاتِ شرع سے استدلال صحابۂ کرام سے زمانۂ شاہ عبد العزیز صاحب تک برابر کافّۂ علمائے اسلام میں جاری رہنے کے قطعِ نظر خود مولائے وہابیہ اسماعیل دہلوی وسردار طائفہ اسحاقیہ صاحبِ "اربعین" وغیرہما کبرائے قوم بھی اُس کے قائل وعامل رہے ہیں۔ ہاں محلِّ تقیید وہ صورت ہے کہ قیود مانع ومُزاحمِ حکم مطلق ہوں، تو معترض سائل نہیں مستدِلّ ہے، وہ ثبوتِ مُزاحمت دے، ودونه خرط القتاد! خود امام الطائفہ اسمٰعیل نے "ایضاح الحق" میں کہا: "درباب مُناظرہ در تحقیقِ حکم صورت خاصّہ کسیکہ دعوئ جریان حکم مطلق در صورت خاصّہ مبحوث عنہامی نماید جان است متمسّک باصل کہ در اثبات دعوئ خود حاجت بدلیلے ندارد ودلیلِ او ہان حکم مطلق است وبس" ["ایضاح الحق الصریح" فصلِ ثانی بدعت کا حکم، تیسرا مقدمہ، ص۱۷۸، ۱۷۹]۔ (امام احمد رضا خان)

(۲) "اصول الرشاد" قاعدہ ۴، ص۱۱۸، ۱۲۰۔

(۳) "التقرير والتحبير في شرح التحرير" ١/ ٣٦٤، ٣٦٥ ملتقطاً بتصرّف.

سترھویں ۱۷ دلیل: جس حالت میں ثابت ہو چکا کہ رفعت وشہرتِ ذکرِ جنابِ رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ حضرتِ اَحدیت عزّ جلالہٗ کو منظور ومقصود ہے، اور کثرت اُس کی مقصودِ شارع سے مُوافق اور شرعاً محمود ہے، تو اُسے عموم واِطلاق پر رکھنا ہی مناسب، اور کسی وقت وہیئت ووضع کے ساتھ مخصوص ومنحصر، اور مورد کے ماورا میں ممنوع، اور "بشرطِ لا شيء" اور عدم القیود والخصوصیات کے مرتبے میں لینا کثرت کو مانع اور قلّت کو مُوجب۔

کیا حضراتِ مانعین کو معلوم نہیں کہ نہ سب موارد اُس کے غیر قیاسی ہیں، نہ جواز اُس کا مخالف قیاس؟! کہ خواہ مخواہ مورد پر مقتصر کیا جائے، دیکھو! صحابۂ کرام ذکر والا کو کسی وقت ومحل ووضع کے ساتھ مخصوص نہ سمجھتے، اور احوال ومُعاملات میں نامِ نامی خدا کے ساتھ اسمِ گرامی بے تکلف ذکر کرتے، اور اللہ ورسولهٗ أعلم، اور اسی طرح کے کلمات وردِ زبان رکھتے، اور خود حضور اقدس ﷺ سنتے اور کبھی نہ فرماتے کہ "اِس محل میں میرا ذکر وارد نہ ہوا، تم نے کہاں سے نکالا اور کیوں کیا؟" اور یہی طریقہ حضراتِ تابعین وائمۂ دین میں جاری رہا، کسی نے انکار واعتراض نہ کیا، یہ مضمون حضراتِ وہابیہ ہی کو سوجھا ہے کہ ذکر شریف مواردِ مخصوصہ کے سِوا حسن نہیں، بلکہ (العیاذ باللہ) بدعت اور بُرا ہے۔

مسلمانوں کو لازم کہ جس طرح صحابۂ کرام، وتابعینِ عظام، وعلمائے امت، وائمۂ ملّت قرناً فقرناً وطبقۃً فطبقۃً بلا لحاظ مواردِ خاصّہ (صرف باستثنا اُن مواضع کے جن میں ممانعت صریح وارد) ذکرِ خیر حضور کا کرتے، اور مستحسن ومحبوب سمجھتے، اور حضور کا ذکر شریف، وحالات شریفہ، اور کمالات، ومعجزات، ومقاماتِ رفیعہ مجالس ومجامع وجلوات وخلوات میں بیان فرماتے، اور اُن کی تحدیث میں اِشاعت دین وتقویتِ اسلام تصوّر کرتے، اسی طرح جس وقت اور جس موقع ومحل اور جس ہیئت ووضع کے ساتھ، تنہائی خواہ مجالس ومجامع میں، جس طرح چاہیں شوق ومحبّت سے (سوا اُن مواضع کے جہاں شرع شریف بتصریح منع کرے، اور نہی صریح وارد ہو) اپنے مَولیٰ ﷺ کو یاد کریں، اور اُسے باعث تقویتِ ایمان، ومُوجب

سُرورِ قلب، وآرام وراحت جان سمجھیں، اور مشتاقانِ ذکر محبوب و محبّانِ صادق کو اُس کے سنانے، اور راحت و آرام پہنچانے کے لیے بلائیں، اور اُن کے دردِ دل کی دوا بخشیں اور زخمِ جگر پر مَرہم رکھیں، کسی مانعِ خیر واحسان کے مُغالطے اور دھوکے میں نہ آئیں۔

ہاں ربیع الاوّل خصوصاً بارہویں ۱۲ تاریخ روزِ دوشنبہ کی رعایت اَولیٰ ہے کمامرّ، اسی طرح اجتماع اور مجلس میں ہونا زیادہ فضیلت رکھتا ہے، اور یہ مُغالطہ بعض مانعین کا کہ "وہی اجتماع جس کا حُسن شرع میں وارد، جیسے جماعتِ نماز واجتماعِ جمعہ وعیدَین حسن ہے، نہ ہر اجتماع" خیال میں نہ لائیں؛ کہ مجالسِ ذکر کی خوبی حدیثوں سے ثابت ہے، اور اجتماعِ جمعہ وعیدَین مخالفِ قیاس نہیں، کیا اس قدر بھی نہیں جانتے کہ اُن کے امامِ ثانی "مأۃ مسائل" میں خاص اجتماعِ مولد کو اجتماعِ عیدَین پر قیاس کرتے ہیں، اور مسئلۂ عرس میں لکھتے ہیں: "وقیاسِ عرس بر مولد شریف غیر صحیح است، زیراکہ در مولد شریف ذکرِ ولادت حضرت خیر البشر ﷺ است، وآن موجبِ سُرور وفرحت است، ودر شرع شریف اجتماع برائے فرحت وسُرور کہ خالی از بدعات ومنکرات باشد آمدہ، واجتماع برائے حزن ثابت نشدہ، وفی الواقع فرحت مثلِ فرحت ولادتِ آنحضرت ﷺ در دیگر امر نیست، پس دیگر امر درین قیاس نخواہد شد"[1]۔

اٹھارہویں ۱۸ دلیل: شاہ ولی اللہ محدّث (کہ امام الائمۂ مانعین یعنی اسماعیل دہلوی کے جدِ امجد، واستاذ الاستاذ، وشیخ المشائخ ہیں) کس تصریح کے ساتھ اپنا مجلسِ مولد میں بمقام ولادتِ حضرتِ رسالت ﷺ مکۂ معظّمہ میں حاضر ہونا، اور انوار ملائکہ ورحمتِ خدا کو (کہ اُس مجلسِ پاک سے بلند ہوئے) مُعاینہ کرنا بیان فرماتے ہیں، اور اُسے اُن مجالس اَذکار سے (کہ مواردِ ملائکہ ورحمتِ الٰہیہ ہیں) ٹھہراتے ہیں۔

اور "انتباہ" وغیرہ میں اپنے پدر بزرگوار شاہ عبد الرحیم صاحب کا ہر سال بتقریب مولد ایامِ ولادت شریف میں نیازِ حضور کے لیے کھانا پکوانا، اور اہتمام اور اُس کا التزام، یہاں تک کہ ایک

---

(۱) "مأۃ مسائل" س۱۵: مقرر کردن یومِ عرس، ص۵۵، ۵۶ ملتقطاً بتصرف۔

سال بوجہِ عُسرت کچھ میسّر نہ ہوا تو نُخودِ بریاں پر نیاز کردی، اور حضرت رسالت نے بکمال پرورش و غلام نوازی قبول فرمائی، اور اس مُعاملہ پر شاہ صاحب ممدوح کا خواب میں مطلع ہونا نقل کرتے ہیں۔

اور مولوی رفیع الدین خان صاحب مراد آبادی (کہ رئیس المتکلّمین مانعین کے مستند ہیں) اس مجلسِ مبارک کے نہایت مدّاح و معتقد ہیں۔ اور انہیں رئیس المتکلّمین کے استاذ مفتی صدر الدین خان صاحب دہلوی (جن سے تلمّذ پر ان حضرت کو بڑا ناز ہے) کس شدّ و مد کے ساتھ اُس کے استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں! اور مولوی اسحاق صاحب "مأۃ مسائل" میں ذکر شریف کو موجبِ سُرور و فرحت، اور اس فرحت کو ہر خوشی سے زیادہ اور اجتماع کو (کہ فرحت کے لیے ہو) مشروع کہتے ہیں۔

اور تقسیمِ طعام و شیرینی خاص اس تقریب میں اور ولادتِ اقدس کی خوشی جناب مجدّد صاحب کے قول سے ثابت، اپنے "مکتوبات" میں تحریر فرماتے ہیں: "امروز طعامہائے متلوّن فرمودہ ایم کہ بروحانیتِ آن سُرور علیہ الصلوٰۃ والسلام پزند و مجلس شادی سازند"۔۔۔ الخ۔

اور شاہ عبد العزیز صاحب "رسالہ ذبیحہ" میں (کہ "مجموعۂ زبدۃ النصائح" میں چھپا ہے) تبرک قبورِ صالحین سے، اور ایصالِ ثواب قرآن اور تقسیمِ طعام و شیرینی کے استحسان پر اِجماع ذکر فرماتے ہیں، اور تعیینِ یوم کو بھی مناسب ٹھہراتے ہیں: "آرے زیارت و تبرک بقبورِ صالحین، و امدادِ ایشان بامدادِ ثواب تلاوتِ قرآن، و دعائے خیر، و تقسیمِ طعام، و شیرینی امرِ مستحسن و خوب است بِاجماعِ علماء، و تعیینِ روزِ عرس برائے آنست کہ آنروز مذکّر انتقال ایشان می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ این عمل واقع شود مُوجبِ فلاح و نجات است، و خلف را لازم است کہ سلَف خود را باین نوع بر و احسان نماید"۔۔۔ الخ، بلکہ بعض تحریرات میں اس عملِ مبارک اور مجلسِ شہادت کا خود کرنا بیان کرتے ہیں۔

اور مولوی اسحاق صاحب اگرچہ عملِ مولد کو بحوالہ "سیرتِ شامی" مختلف فیہ لکھتے ہیں، اور حوالہ اختلاف کا "سیرتِ شامی" کی طرف غلط ہے؛ کہ صاحبِ سیرت نے ہر طرح اس مجلسِ مبارک کو ثابت کیا ہے، اور قولِ فاکہانی و ابن الحاج بخوبی دفع کردیا ہے، لیکن طرزِ عبارت "مأۃ مسائل" باعلانِ تمام شاہد کہ خود

استحسان مولد کے بہیئت کذائیہ قائل ہیں، اور اس عمل کو شریف سمجھتے اور مولد شریف لکھتے ہیں، اگر مانعینِ وقت اگلے علماء وائمہ کے ارشادات (اگرچہ خود بھی اُن سے سو جگہ سند لاتے اور اپنے مطلب کے وقت علمائے راسخین وائمۂ دین ٹھہراتے ہیں) نہ مانیں گے تو ان حضرات کو جنہیں اپنے زعمِ فاسد میں مطلقاً اپنا ہم مشرب اور ملّت جدیدہ نجدیہ کا مقتدا وصاحبِ مذہب بنا رکھا ہے کیا کہیں گے؟! اور جو انہیں بھی (العیاذ باللہ) ائمۂ سابقین وعلمائے متقدّمین کی طرح بدعتِ ضلالت کا مرتکب ومجوِّز، اور شرع سے محض جاہل، یا حق سے دیدہ ودانستہ معرض، خواہ حق پوش ناحق کوش قرار دیں گے، تو کس کے ہو کر رہیں گے؟! اور کس کا نام لیا کریں گے؟!

انیسویں ۱۹ دلیل: صاحبِ "ہدایہ" مسئلہ تلبیہ میں لکھتے ہیں: "(ولو زاد فيها جاز) خلافاً للشّافعي رحمه الله في رواية الرّبيع عنه فهو اعتبره بالأذان والتشهّد من حيث إنّه ذكر منظوم. ولنا: أنّ أجلاء الصحابة كابن مسعود وابن عمر وأبي هريرة رضي الله عنهم زادوا على المأثور؛ ولأنّ المقصود الثناء وإظهار العبوديّة فلا يمنع من الزيادة عليه"[1].

دیکھو! ان امامِ اجل نے مطابقتِ مقصود کو باوصف اس کے کہ صیغِ مخصوصہ محدودہ میں اصل توقیف ہے، دلیلِ جواز ٹھہرایا، اور صحابۂ کرام نے امرِ مسنون محدود پر کچھ مضمون زیادہ فرمایا؛ کہ مقصود تلبیہ سے ثنا واظہارِ عبودیّت ہے، تو زیادت میں کچھ حرج نہیں بلکہ اَولیٰ ہے، اسی طرح مقصود عملِ مولد سے تعظیمِ نبوی واظہارِ عقیدت ونیاز مندی ہے، اور اُس کے لیے شرع میں کوئی ہیئت بھی خاص نہ کی، نہ محدود فرمایا، تو جو ہیئت کہ تعظیمِ خدا ورسول واظہارِ عقیدت پر دلالت کرے، خصوصاً جسے علماء نے قرناً فقرناً قبول کیا، ضرور مستحسن وعمدہ ہے۔

(۱) "الهداية" كتاب الحجّ، باب الإحرام، الجزء ۱، صـ۱٦٥ بتصرّف.

بیسویں ۲۰ دلیل: مجلسِ مولدِ اقدس مجلسِ وعظ و نصیحت ہے؛ کہ فضائل واخلاق وشمائل ومعجزات ودیگر کمالاتِ حضرت سیّد الکائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات اُس میں بیان ہوتے ہیں، سامعین کے قلب میں عظمت ومحبتِ جنابِ رسالت متمکّن ہوتی ہے، اور یہ امر سب مُعاملاتِ دینی کا اصلِ اصول ہے؛ کہ جب تک رسولِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے عقیدتِ کاملہ نہ ہوگی، خدا کے کلام واخبار واَحکام پر کس طرح اطمینانِ کامل ویقینِ واثق حاصل ہوگا؟! اور جسے حضور سے سچی محبت اور پوری عقیدت نہیں، وہ شریعت کی باتوں پر کب عمل کرے گا؟! اور اُن کی عظمت ورفعت کیا سمجھے گا؟!

ولہٰذا خود مالکِ حقیقی جلّ وعلا نے حضور کے فضائل وکمالات ومَناصبِ رفیعہ ومَناقبِ جلیلہ اور اس قسم کے حالات اِجمالاً وتفصیلاً ہر طرح بیان فرمائے، اور حضور نے بارہا اُمّت کو سنائے، تاکہ لوگ حضور کے منصبِ عظیم ومرتبۂ فخیم سے واقف ہوکر حضور کی محبت وطاعت میں مستعد وسرگرم رہیں، اور حضور کے ارشادات تہِ دل سے قبول، اور اَوامر ونواہی پر عمل کریں، جس کے سبب دارَین کی خوبی، بلکہ مالکِ حقیقی کی محبوبی ومغفرتِ کاملہ ہاتھ آتی ہے؛ کہ کریمہ: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[1] اس مضمون سے خبر دیتی ہے۔

بلکہ بنظرِ انصاف فائدہ مولد کا مجلسِ وعظ سے بمراتب زیادہ ہے، تجربہ تامّ سے ثابت کہ جو لوگ گھروں میں درود وسلام سے غافل رہتے ہیں، بلکہ اکثر اوقات اپنے مَعاصی وفضولیات میں ضائع کرتے ہیں، اس مجلس میں حاضر ہوکر تحفۂ درود وسلام بکثرت عرض کرتے ہیں، اور اکثر اُمراء واہلِ دنیا (کہ صحبتِ علماء ومجالسِ تذکیر سے متنفر اور بغرورِ جاہ وثروت خواہ اُن جلسوں کو خلافِ مزاج ومراد سمجھ کر بے رغبت

---

(۱) پ۳، آل عمران: ۳۱.

ہیں) اس تقریب میں آتے ہیں، اور دینی باتیں سن جاتے ہیں، اس نظر سے بھی ترتیب مجلس اور تداعی واجتماع میں اہتمام بلیغ عین مصلحت و مُوجب ثواب بے نہایت ہے؛ لأنّ الداعي إلى الخير كفاعله.

اور اس زمانہ پُر آشوب وفساد میں پادری اور کرسٹان کوچہ وبازار میں ندا کرتے، اور حضور اقدس ﷺ کی نبوت و رسالت، واخلاقِ کریمہ، وعاداتِ شریفہ پر طرح طرح کے بہتان، اور اس قسم کے خُرافات وہذیان بکتے پھرتے ہیں۔ مسلمانوں کو لازم کہ ہر تقریب میں اور ہر جگہ حضور پُر نور کے ذکرِ مبارک کا جلسہ کریں، اور اُن کے رَدّ کو معجزات وکمالات (جو نبوتِ والا کی دلیل ہیں) اور اَخلاقِ کاملہ وعاداتِ فاضلہ (جن سے مخالفوں کی تکذیب اور اُن کے بیان کا بطلان آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر ہوتا ہے) بیان میں لائیں، خصوصاً احوالِ ولادت وارہاصات کہ وقتِ تولّد شریف خواہ اُس کے قریب، اور ایامِ رَضاعت وصغرِ سن میں ظاہر ہوئے، جن میں کوئی بے دین کسی طرح کا احتمال اَز قسم سحر وکہانت وغیرہ اصلاً نہیں کرسکتا، اور حضور کی رسالت ومحبوبیت پر بالبداہۃ دلالت کرتی ہیں، نہایت تفصیل وشرح وبسط کے ساتھ بیان کریں، تاکہ عوام اہلِ اسلام مخالفانِ دین کے دامِ فریب سے محفوظ رہیں۔

اور اس مقام سے یہ شبہ کہ "صحابہ خواہ تابعین سے یہ خصوصیّت ثابت نہیں" بخوبی دفع ہوتا ہے؛ کہ اُس زمانے میں اس کی حاجت نہ تھی، کوئی مجمع، کوئی مجلس ایسے اذکار سے خود ہی خالی نہ ہوتا، اکثر اوقات حضور کے حالات وِردِ زبان، اور صغیر وکبیر ذکرِ والا میں مشغول بدل وجان تھے، رفتہ رفتہ لوگ حبِ دنیا وطلبِ مال وجاہ میں مصروف، اور اِس طرف سے غافل، اور اُمورِ دین سے جاہل ہوتے گئے، جب علمائے کرام نے یہ حال دیکھا، ایسے اُمور خیر ومفید کو رَواج دیا، اور اِس زمانے میں تو یہ عمل مبارک اور اس کے اَمثال حدِ ضرورت کو پہنچے۔

باوجود اس کے جو لوگ اس کی ممانعت کرتے ہیں وہ قصداً خواہ نادانی سے اسلام کے حفظ ونگہبان کو منع، اور پادریوں کی اِعانت اور کھلی حمایت کرتے ہیں۔ وہی انصاف سے کہیں! کہ ان دنوں گھر بیٹھے کون ایسے اَذکار میں مشغول ہوتا ہے؟! اور جس جگہ دس ۱۰ آدمی جمع ہوتے ہیں ایکٹ، گزٹ، چٹھی سرکلر، ناچ گانے،

باجے تماشے، اَشعارِ زلف و خال، اور فواحش کے حسن و جمال کا چرچا ہوتا ہے یا حضورِ والا کے معجزات و معراج و ہجرت اور اسلام کی ابتداء، و ترقی، و شان، و شَوکت اور اس قسم کے احوال کا تذکرہ رہتا ہے ؟!

اگر انعقادِ مجلس تمہارے کہنے سے چھوڑ دیا جائے، یہاں تک کہ لوگ ان احوال کے کبھی کبھی سننے سے بھی محروم رہیں، اور پادری لوگ گلی کُوچے اپنا کام کرتے پھریں، توانجام اس کا کیا ہو؟! اور کتنے عامی اور دنیادار لامذہب خواہ نصرانی ہوجائیں ؟! یُر ظاہر کہ تصدیقِ رسالت دوسرا جزوِ ایمان کا ہے، اور جزوِ اوّل کہ توحید سے عبارت ہے اس تصدیق پر موقوف، تو تصدیقِ رسالت اصلِ اصول تمام بھلائیوں اور خوبیوں کی ہے، اور جڑ کا استحکام نہایت اہم ہوتا ہے، اور وہ عقولِ عامّہ واَذہانِ عوام میں معجزہ کے طریق سے ہو سکتا ہے، خصوصاً وہ خوارق جو وقتِ ولادت اور اُس کے قریب ظاہر ہوئے؛ کہ اُن میں نہ احتمالِ سحر، نہ بناوَٹ اور تصنّع کا گمان، نہ طلسم و شعبدہ کی گنجائش، اور ان باتوں پر عوام کو اطلاع اور اُن کا یاد و محفوظ رہنا، اور دل میں تمکن و استقرار بدُون اس کے نہایت دشوار؛ کہ مجالس میں ان باتوں کا چرچا ہوتا رہے تو مسلمانوں پر قریب بواجب ہے کہ واسطے دفعِ اِس شر کے مجلسِ مولد اور اُس کے اَمثال کی نہایت کثرت کریں، اور خواصّ و عوام کو اس جلسہ میں ذکرِ مبارک سنانے، اور مخالفینِ دین کے فریب و مُغالطہ پر مطّلع کرنے اور جتانے کے لیے، اور جس طرح وہ بار بار اپنی خُرافات کو اِعادہ کرتے ہیں، اسی طرح اِس مشک کی خوشبو بار بار مہکانے کے واسطے جمع کریں، اور اس کام میں اہتمامِ بلیغ عمل میں لائیں، اور تعیینِ وقت اجتماعِ اخوان میں زیادہ مُداخلت رکھتا ہے۔

اور نیز حدیثِ بخاری سے (کہ دوسری دلیل میں گزری) ثابت کہ خود جنابِ رسالت ﷺ نے مکان و وقت وعظ کے لیے مقرّر فرمایا، اور جمع ہونے کا حکم دیا، اور ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پنجشنبہ واسطے وعظ و تذکیر کے مقرّر کر لیا تھا، کہ یہ دونوں روایات "بخاری شریف" میں موجود، اور تعیینِ بیان قبل از شروع وَلَو اِجمالاً ضروری، اور اُسے لوگوں پر ظاہر کرنا کہ یہ وعظ کہوں گا، یا یہ بیان کروں گا ایک سچی بات ہے۔

پھر اگر کسی نے اُسے مولد یا مجلسِ مولد کے نام سے شہرت دی تو کیا اُس کی حقیقت بدل گئی ؟! اور وہ مجلسِ وعظ و نصیحت نہ رہی ؟! اور جو اُمور کہ اس نام سے جائز تھے کس وجہ سے مجرّد اس تعبیر سے حرام و مکروہ

ہو گئے؟! اور مخالفین اُس کے انعقاد واہتمام میں نہایت توجہ رکھتے ہیں، تو اس مجلس سے کہ حقیقت اس کی وہی ہے، صرف نامِ مولد کی وجہ اور جنابِ رسالت ﷺ کی نسبت سے ایسے کیوں بیزار ہو گئے؟! نعوذ باللہ من قسوة القلوب وإحاطة الذنوب، مَن يهد اللهُ فلا مضلَّ له، ومَن يضلل اللهُ فما له مَن هاد.

اکیسویں ۲۱ دلیل: براہینِ سابقہ سے حُسن سب اُمور کا جن پر مجلسِ مولد مشتمل بخوبی ظاہر ہوا، اور قاعدۂ ثانیہ رسالہ "اُصول الرّشاد"[1] میں اس امر کو (کہ مجموع امورِ مستحسنہ مستحسن رہتا ہے) عقلاً ونقلاً ثابت کر دیا، اور یہ اعتراض کہ "وجود اُس کا قرونِ ثلاثہ میں نہ تھا" مَواضع متعدّدہ اور طرح طرح کی تقریروں خصوصاً جوابِ شیخین رضی اللہ تعالی عنہما سے (کہ در بابِ جمعِ قرآن "بخاری شریف" میں منقول ہے، اور اُس پر اتفاقِ صحابہ ہو گیا ایسے طریق سے جس میں کسی ذی عقل باانصاف کو دَم مارنے کی مجال نہیں) دفع ہوا۔

لیکن یہ سب محض تبرّع اور مانعین پر ہمارا احسان ہے، ورنہ اصل اِباحت ہے، جسے ہم نے رسالۂ مذکورہ[2] کے قاعدۂ ثالثہ میں ثابت کیا ہے، اور یہ امر نہایت ظاہر کہ ذکرِ حضرتِ رسالت ﷺ، وصدقہ، ودرود، وتلاوتِ قرآن وغیرہا اُمور جس ہیئت وکیفیّت کے ساتھ جائز قرار پائیں گے، تو باعتبار[3] اپنے

---

(۱) "اصول الرّشاد" قاعدہ ۲، ص۹۵۔۹۹۔

(۲) أي: "اصول الرّشاد" قاعدہ ۳، ص۹۹۔۱۰۵، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۶۔

(۳) مع ہذا ہر مُباح کہ بہ نیتِ محمود کیا جائے مستحب ومحمود ہو جاتا ہے؛ لقوله ﷺ: «إنّما الأعمالُ بالنيّات، وإنّما لكلّ امرئٍ ما نوى» ["صحيح البخاري" [كتاب بدء الوحي]، [باب] كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، ر: ١، صـ١] یہ مسئلہ بدیہیاتِ شرعِ مطہّر سے ہے، "أشباہ" میں ہے: "أمّا المباحات فإنّها تختلف صفتها باعتبار ما قصدت لأجله، فإذا قصد بها التقوّي على الطاعات أو التوصّل إليها كانت عبادةً، كالأكل والنوم واكتساب المال والوطء" ["الأشباه" الفنّ ١: القواعد الكلّيّة، القاعدة ١: لا ثوابَ إلاّ بالنيّة، صـ١٨]. "ردّ المحتار" مسئلۂ عقیقہ میں ہے: "على أنّه وإن =

حُسنِ ذاتی واصلی کے خواہ مخواہ مستحسن ہی ٹھہریں گے، اور جواز ضمنِ استحباب ہی میں متحقق ہوگا، اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ اصلِ جواز واستحسان کا ثبوت ہمارے ذمّہ نہیں، بلکہ بقاعدۂ مُناظرہ عدمِ جواز وکراہت کا ثبوت مانعین پر واجب، مانعین ایک دلیل بھی جو بقاعدۂ مُناظرہ صحیح ہو پیش نہیں کرتے، بلکہ بنائے بحث بالکل مُغالطات واَوہام وخیالات پر ہے، اب اُس کی کیفیت ملاحظہ کیجیے! اور ان صاحبوں کے جَوہرِ قابلیت ودیانت کی داد دیجیے!۔

=

قلنا: إنّها مباحة، لكن بقصد الشّكر تصير قربةً؛ فإنّ النيّةَ تصير العادات عبادات والمباحات طاعات" ["ردّ المحتار" كتاب الأضحيّة، ٥/ ٢٠٨]. (امام احمد رضا خان)

دوسرا باب مغالطاتِ مخالفین کے حل ودَفع میں

ہر چند اکثر مُغالطات واَوہام وخیالاتِ منکِرین بفضل حضرتِ ربّ العالمین وطفیلِ جنابِ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وعلٰی آلہ وصحبہ اجمعین ضمنِ تقریرِ دلائل میں مندفع ہوئے، مگر بنظر تسکینِ قلوبِ ناظرین اُن کے عمدہ شُبہات سے (جن پر بڑا ناز ہے) استقلالاً بھی تعرّض مناسب، اور بقیہ مُغالطات کورَدکر دیناواجب، واللہ الموفّق، وبہ نستعین، نعم المولی ونعم المعین!.

پہلا مُغالطہ[1]: "مجلسِ مولد بدعت ہے، اور ہر بدعت ضلالت، اور اَدنٰی مرتبہِ ضلالت کا کراہت"۔ یہ مُغالطہ خواص وعوامِ وہابیہ کی زبان پر تکیہ کلام کی طرح جاری رہتا ہے، اور متکلّم قنّوجی نے

---

(۱) واضح ہو کہ اکبر متکلّمینِ طائفہ بشیر صاحب قنّوجی کو "غایۃ الکلام" میں ذکرِ پاک صاحبِ لَولاک ﷺ کے (معاذ اللہ) باطل کرنے کی ہوس اچھلی، تو پیشِ عوام متکلّمی کی شرمِ مُلّائی کا نام رکھنے کو کچھ دلیلیں لکھنے کی بھی سُوجھی؛ کہ دعوٰی بے دلیل محض خوار وذلیل، لہٰذا کچھ کا سبق پُرانے سیانے نواب صاحب بھوپالی سے سیکھا پڑھا، ایک آدھ مُغالطہ اپنے جی سے گڑھا، پھر ایک ہی بات کو صرف طرزِ عبارت بدل کر جُداگانہ دلیل قرار دیا، یوں سہرار خرابی آٹھ ۸ دلیل کا بھرت بنالیا، اور براہِ ہوشیاری ابتداء میں خود اُس کا اقرار بھی کیا، فرماتے ہیں: "برائے ممنوعیّت این عمل ادلّہ بسیار ند بعض بنظرِ اختصار ند گوئی شوند، لیکن در تکثیر ادلّہ صرف لحاظ تکثیر عنوان بیانست والاّ بالمآل ردّ بعض جانب بعض آسان است"۔ یہ حماقت تو ملاحظہ ہو کہ بنظرِ اختصار ابطالِ مجلسِ مبارک کی بہت دلیلوں سے صرف بعض لکھتے ہیں، اور اُن بعض میں بغرضِ تکثیر صرف طرزِ بیان بدل کر ایک ایک دلیل کو دو ۲ دو ۲ بار گنتے ہیں، ان دونوں غرضوں کا تناقُض تو دیکھیے! صاف ظاہر ہوا کہ "بہت" محض جُھوٹ کہہ دیا، اوّل قلیل گڑھ پائے، اور نظرِ عوام میں گنتی بڑھانے کو یہ روپ دکھائے، خیر اس کتاب مستطاب میں یکم سے ششم تک جو چھ مغالطے ذکر فرمائے، یہ سب قنّوجی صاحب کی صرف دلیلِ اوّل کے ہیں، جن کا ردِّ بلیغ متن میں ارشاد ہوا۔

وانا اقول وباللہ التوفیق: یہاں منکرِ مُکابر کی صفرا شکنی کو مُعارضہ بالقلب بہت خوبی سے ممکن، "غایۃ الکلام" قنّوجی صاحب کی ساری تقریرِ پریشان بعینہٖ لے لیجیے، صرف لفظِ عمل کو منع سے بدل دیجیے، انہیں کی دلیل ذلیل انہیں پر تیر باز

=

گشت بنے گی۔ اب شدّتِ تعصب جواب پر لائے گی، اور اُس کے ساتھ ہی خود اپنی دلیل کی بیہودگی کھل جائے گی، کہ جس بات سے جانبِ عمل میں دیدہ ودانستہ چشم پوشی کر کے بے ثبوتی کا اِدّعاء ہوا تھا، جانبِ منع میں اُسی کا دامن تھامنا پڑا، اور اب جو آنکھ کھول کر دیکھا تو سویرا ہے۔ وہ تقریر یوں ہے: "منع از جمع واجتماع مسلمین برائے ذکر وتذکیر حالاتِ کریمۂ حضور سیّدِ عالم ﷺ از ولادت ورضاعت وبعثت وہجرت ومعراج ومعجزات وسائر اَحوالِ برکات آیات بدعت است، وہر بدعت ضلالت، وادنائے ضلالت کراہتِ صغریٰ یعنی بدعت بودن این منع پس صادق است برائے آنکہ این منع محدَث است بعدِ قرونِ ثلاثہ باتفاقِ فریقَین وغیر ثابت است از ادلّۂ شرع، یعنی کتاب وسنّت وقیاس واِجماع است وما یلحق بہا، امّا عدمِ ثبوت از کتاب وسنّت خود ظاہرست، وامّا از اجماع وقیاس برائے آنکہ دلیلِ اِجماع وقیاسِ مجتہدین است، واین منع از مجتہدین مسلَّمُ الاجتہاد منقول نیست، چہ جائے اجماع، وامّا از تعامُل لیس بسہ وجہ، اوّلاً: این منع مختلف فیہ است، پس تعامُل صریح غلط، دُوم: در بلادِ کثیرہ نام ونشانے ازین منع نیست، وتعامُلِ بعض بلاد تا آنکہ مستمر از صدرِ اوّل نبود حجتِ شرعیّہ نیست، سوم: حجیّتِ تعامُل در معاملات است، نہ در منع از عبادات، وامّا از استحسان پس نیز بسہ وجہ، اوّل: دلیل استحسانِ مجتہدین ست آن درین منع مفقود، دُوم: مرجعِ استحسان اثر یا اِجماع، یا قیاسِ خفی، یا ضرورت باشد وہمہ این چیزہا درین منع معدوم، سوم: حجتِ استحسانے است کہ مقابلِ قیاسِ جلّی باشد ودرین جا مقابلِ استحسان این منع قیاسِ جلی نیست وہر محدَث بدونِ دلیلِ شرعی بدعت باشد، وامّا کبریٰ یعنی ضلالت بودن ہر بدعت بدین معنی پس باتفاق است"۔

اگر کہیے: قرآن وحدیث میں اس منع کی تصریح نہ آنا اس وجہ سے ہے کہ یہ عمل اُس زمانے میں نہ تھا، اگر ہوتا منع فرما دیا جاتا۔ **أقول اوّلاً:** یہ وجہ عدمِ تصریح منع کی موجب نہیں، بہت باتوں سے منع فرمایا گیا جو اُس وقت موجود نہ تھیں، بلکہ بعض اب تک وجود میں نہ آئیں، مثلاً قدَریہ کے بارے میں ارشاد ہوا: «لا تعودوهم، وإن ماتُوا فلا تشهدوهم» "اُن کی عیادت نہ کرنا، مریں تو جنازے پر نہ جانا" رواه أبو داود [أي: في "السنن" كتاب السنّة، باب في القدر، ر: ٤٦٩١، صـ٦٦٢] عن ابن عمر ﷠، ابنِ ماجہ نے بڑھایا: «لا تسلّموا عليهم» ["سنن ابن ماجه" المقدّمة، باب في القدر، ر: ٩٢، صـ٢٦] "اُنہیں سلام نہ کرنا"۔

=

=

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں روافض کی نسبت ہے: «لا تجالِسوهم ولا تشارِبوهم ولا تؤاكلوهم ولا تناكِحوهم» "اُن کے پاس نہ بیٹھنا، اُن کے ساتھ کھانا پینا شادی بیاہت نہ کرنا" رواه العقَيلي [أي: في "الضعفاء الكبير" باب الألف، تحت ر: ١٥٣- أحمد بن عمران الأخنسي، ١/ ١٢٦]، ابنِ حبّان نے زائد کیا: «لا تصلُّوا عليهم ولا تصلّوا معهم» ["كتاب المجروحين" بشر بن عبد الله القصير، الجزء ١، صـ١٨٧] "اُن کے جنازے کی نماز نہ پڑھنا، اُن کے ساتھ نماز نہ پڑھنا"۔ ظاہر ہے کہ قدریہ وروافض کا عہدِ رسالت، بلکہ صدرِ خلافتِ مرتضوی تک کہیں نشان نہ تھا۔

"صحیحین" میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «يوشك الفرات أن يحسرَ عن كنز من ذهب، فمَن حضره فلا يأخذ منه شيئاً» ["صحيح البخاري" كتاب الفتن، باب خروج النار، ر: ٧١١٩، صـ١٢٢٦. و"صحيح مسلم" كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتّى يحسرَ الفرات عن جبلٍ من ذهب، ر: ٧٢٧٤، صـ١٢٥٣] "قریب ہے کہ نہرِ فُرات ایک کان سونے کی ظاہر کرے، جو وہ وقت پائے اُسے حکم ہے کہ اس میں سے کچھ نہ لے"۔ اس قسم کی احادیث فِتن واَشراط وغیرہا میں بکثرت ملیں گی۔

ثانیاً: تم نے وہ کہا، ہم یوں کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اس عملِ مبارک کے ندب واستحباب کی تصریح نہ آنا اس وجہ سے ہے کہ یہ عمل اس زمانے میں نہ تھا، اگر ہوتا مستحب فرمادیا جاتا۔ اب اگر نرے زبانی دعوے پر قناعت ہو تو وجہ کیا کہ تمہاری مان لی جائے اور تمہارے خصم کا دعویٰ مسموع نہ ہو؟ اور اگر خدا انصاف دے تو سب این وآں سے گزر کر نفسِ عمل کی حالت پر نظر واجب ہوگی، اور اب بے تکلّف میدان ہمارے ہاتھ ہے، وہ دیکھو! قواعدِ شرعیّہ کے شیر گونج رہے ہیں کہ یہ عملِ مبارک مقاصدِ شرع سے مطابق، مرادِ شارع کا مُوافق، محموداتِ قرآن وحدیث کا مجمع، محبوباتِ خدا اور سول کا منبع ہے، تو بے شک شرعِ مطہّر سے خلعتِ قبول پانے کا مستحق ہے، نہ کہ (معاذاللہ) تازیانۂ ردّ وغضب کا!۔ جسے محبوب ربّ العالمین جلّ جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچّی محبّت ہے، اس کی ایمانی شہادت تو یہی کہے گی، اور مرضِ قلب کا علاج ہمارے پاس نہیں!۔

ثالثاً: عجب مخمصے میں ہو! منع کی بِنا تو اسی زعم پر رکھے تھے کہ "یہ فعل اُس زمانے میں نہ تھا، اگر ہوتا تو ممنوع نہ ہوتا"، اب اسی پر قرآن وحدیث میں ممانعت نہ آنا مبنی کرتے ہو کہ اگر اس زمانے میں ہوتا تو منع فرمادیا جاتا، کچھ بھی ٹھکانے کی کہیے گا!

=

اُسے نہایت طمطراق سے "غایۃ الکلام" میں لکھا ہے۔ حل اُس کا یہ ہے کہ بدعت سے اگر مخالف ومُزاحمِ سنّت مراد، توصغریٰ ممنوع اور جو معنیٔ دُوم یعنی ما لم یکن في عهد رسول الله ﷺ مقصود، تو کلّیتِ کبریٰ بتقریرِ مقدمۂ رسالۂ ہٰذا مدفوع، اور جو صغریٰ میں اوّل اور کبریٰ میں ثانی ملحوظ، تو اَوسط غیر مکرّر، اور دلیل کھلا قیاسِ مُغالطہ ہے، جس طرح تصویرِ فرس پر فرس کو حمل کرنے، اور اس مقدّمہ کے ساتھ کلّ فرس صاهل کو ملانے سے یہ نتیجہ نکالیں کہ: تصویرِ فرس صاہل ہے، اسی طرح یہ مُغالطہ ان حضرات

=

رابعاً: یہی سوال کافی ہے کہ یہ عملِ مبارک نبی ﷺ کے سامنے کیاجاتا تو حضور منع فرماتے یا جائز رکھتے؟ بر تقدیرِ ثانی اُس کے جواز میں کیا شبہ رہا جس پر صاحبِ شرع مطلع ہوتے تو جائز رکھتے؟! اُسے جو منع کرے اپنا سر کھائے، بر تقدیرِ اوّل زمانے میں ہونے نہ ہونے کا خرخشہ اُٹھ گیا، اسی پر دلیل درکار ہے کہ اگر نبی ﷺ پاتے منع فرماتے، وہی شناعت اس عمل میں دلائلِ شرع سے ثابت کردو! نزاع ختم ہے، اور جب ہرگز قدرت نہ پاؤ، اور بے شک نہ پاؤ گے! تو اللہ ورسول پر اِفترا سے باز آؤ! فهل أنتم منتهون؟!.

اگر کہیے: یہی کیا ضرور ہے کہ خاص فعل کا نام ہی لے کر قرآن وحدیث میں ممانعت لکھی ہو، بلکہ عموماتِ منع کے تحت میں داخل ہے، لہٰذا اُس کا منع کتاب وسنّت سے ثابت۔ **اقول:** اب ٹھکانے سے آگئے، یہی تو تمہیں پہلے سے نہ سُوجھی، یا سُوجھی اور قصداً چشمِ انصاف بند کرلی تھی، یہی کیا ضرور ہے کہ خاص اس فعل کا نام ہی لے کر قرآن وحدیث میں اجازت آتی، بلکہ عموماتِ اجازت واستحباب کے تحت میں داخل ہے، لہٰذا اُس کا استحسان کتاب وسنّت سے ثابت، اب بیاناتِ سابقہ اور ائمۂ دین کے براہینِ شاہقہ ملاحظہ کیجیے اور اپنے اس لکھے کو رویئے کہ "اما عدمِ ثبوت آن از کتاب وسنّت خود ظاہر ست"۔ رہے عموماتِ منع وہ وہی احادیثِ منعِ بدعت ہیں، اُن کا بیانِ شافی اور آپ کے ہذیانات کا ردّ کافی مقدمۂ کتاب مستطاب وارشاداتِ عالیہ "اصول الرّشاد" [قاعدۂ اُولیٰ ۱، فائدۂ رابعہ ۴، ص ۴۸-۸۱] سے آبین من الامس واظہر من الشمس ہے، ہر ذی انصاف سمجھ چکا کہ مجلسِ مبارک ہرگز بدعتِ مذمومہ کا فرد نہیں، تو بعونہٖ تعالیٰ آپ کا ہاتھ یکدست تہی، اور کتاب وسنّت کی نصرت وحمایت بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے ہی ساتھ رہی، وللہ الحمد!۔ (امام احمد رضا خان)

کی جانب سے اکثر موارد نزاع میں پیش ہوتا ہے کہ بدعت کو حدِ آوسط اور صغریٰ کو باعتبارِ معنی دُوم، اور کبریٰ کو بنظر معنیٰ اوّل صحیح وحق قرار دے کر عوام کو بہکاتے ہیں۔

ایسا ہی فریب اَور الفاظ میں بھی کرتے ہیں، گویا عامّۃ الودود ٹھہرالیا ہے، اور متکلّم قنّوجی کا یہ کلام کہ "عملِ مولد قرونِ ثلاثہ کے بعد حادث ہوا، اور کسی دلیلِ شرع سے ثابت نہیں، تو بدعت ہے"، اور بدعت بایں معنی باتفاقِ فریقین ضلالت، قطع نظر اس سے کہ حاصل اس معنیٰ کا احد المعنیین کی طرف راجع، اور آپ نے من حيث لا يدري ہمارے مدّعا کا اعتراف[1] کیا۔

دوسرا ۲ مُغالطہ ہے ذات شریف نے جو حاصل قرار دیا ہے، کسے مسلَّم اور نہ ہماری اصطلاح میں اُس کا کچھ پتا، تو ہم باعتبار اُس کے ہر بدعت کو ضلالت کب کہیں گے؟! اور اس امر میں مستدِل کے ساتھ کس طرح اتفاق کریں گے؟! اور جو ہمارا فریق ابنِ حجر مکّی وملاّ علی قاری وغیرہما علماء میں (جن کی عبارات سے آخر مقدّمۂ "غایۃ الکلام" میں استناد کیا) منحصر ٹھہرایا ہے، تو یہ تیسرا ۳ مغالطہ ہے، سوا اس کے حضراتِ ممدوحین خاص مجلسِ مولد اور دوسرے اُمور کو کہ قرونِ ثلاثہ میں بہیئتِ کذائی نہ تھے، نہ مجتہدین نے اُن کی تصریح فرمائی، نہ کتاب وسنّت واہلِ اِجماع نے اس ہیئت وخصوصیت کے ساتھ صریح اجازت دی، مستحسن کہتے ہیں، تو وہ انعدامِ اصل ومستند سے وہی معنیٰ جن سے مولِد وغیرہ اُمورِ متنازع فیہا پاک ومحفوظ ہیں مراد لیتے ہیں، اور فی الواقع اگر عدمِ ثبوت سے عدمِ تصریحِ ہیئت وخصوصیتِ کذائی مراد تو قائلینِ تقسیم سے کوئی ایسے اُمور کو مطلقاً ضلالت نہیں کہتا، دعویٰ اتفاق دَروغ گوئی وبررُو کے قبیل سے ہے۔

اور جو عدمِ ثبوت مطلقاً مقصود، تو ہم نے مجلسِ مولد کو قرآن وحدیث وتعامل وغیرہ دلائلِ شرعیہ سے ثابت کردیا، باوصف اس کے کوئی مسلمان ذی عقل اُسے ضلالت کہہ سکتا ہے؟! اسی طرح متکلّم

---

(١) كما تقدّم التنبيه عليه فتذكّر!.　　　(امام احمد رضا خان)

صاحب نے مسئلۂ تعامُل میں جو گفتگو کی ہے، رسالۂ "اصول الرَّشاد"[1] کے قاعدۂ ششم ٦ سے ظاہر کہ محض نافہمی اور بے سمجھی پر مبنی ہے۔

اور یہ تقریر ذات شریف کی: "واما عدمِ ثبوت آن از اِجماع وقیاس پس برائے آنکہ اِجماع وقیاس کہ دلیل است اِجماع وقیاسِ مجتہدین است" **چوتھا ۴ مُغالطہ** ہے، جس کا حل بھی ہمارے اُسی رسالے پر محوّل اور اس مختصر میں بھی ضمنِ دلائل میں جابجا تنبیہ کر دی ہے۔

اور تحریر شریف "مرجعِ استحسان کہ حجتِ شرعیہ است اثر یا اِجماع، یا قیاسِ خفی، یا ضرورت باشد، وہمہ این چیزہا درین عمل معدوم اند" محض غلط اور **پانچواں ۵ مغالطہ** ہے، خدا جانے اثر وغیرہ آپ نے کس چیز کا نام ٹھہرایا ہے! اثر ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود، اِجماعِ سکوتی بھی ثابت، ائمۂ سابقین ولاحقین نے اپنے قیاسات بتصریح بیان فرمائے، ضرورت بھی بیسویں ۲۰ دلیل میں بخوبی ثابت کردی، سوا اس کے مُوافقتِ قوم بھی اُمورِ جائزہ خصوصاً مستحسنہ میں ایک طرح کی ضرورت، اور منع کرنا موجبِ وَحشت اور فتحِ بابِ غیبت وتہمت ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ "اِحیاء العلوم"[2] میں فرماتے ہیں: "فالموافقة في هذه الأمور من حسن الصحبة والعشرة؛ إذ المخالفة موحِشة، ولكلّ قومٍ رسم، ولا بدّ من مخالقة النّاس بأخلاقهم كما ورد في الخبر"[3]... إلخ.

اور حوالہ "تلویح" کا **چھٹا ٦ مغالطہ** ہے، یہ عبارت: "قد سبق أنّ الاستحسان دليلٌ يقابل قياساً جليّاً، سواءٌ كان أثراً"[4]... إلخ، وجوبِ تحقّقِ قیاسِ جلّی پر خاص اُس مادّہ میں نص نہیں، اور نہ اِستقراءِ کسی ناقص (خصوصاً تم جیسے) کا مُثبتِ کلّیت، سوا اس کے دلائلِ مخالفین اور فاکہانی وغیرہ مستندینِ مانعین

---

(۱) "اصول الرَّشاد" قاعدہ ٦، ص ۱۴۹-۱۵۵۔

(۲) "الإحياء" كتاب آداب السماع والوجد، الباب ۲ آثار السماع وآدابه، المقام ۳ من السماع، ۲/ ۳۳۱.

(۳) "المستدرَك" كتاب معرفة الصحابة، محنة أبي ذر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ر: ٥٤٦٤، ٦/ ۲۰۱۹.

(٤) "التلويح في كشف حقائق التنقيح" ۲/ ۱۸۹.

کے اُن کے نزدیک قیاس شرعی ہیں یانہیں ؟ اگر ہیں تو جلی ہونا اُن کا ظاہر، اور قیاسِ جلی خاص اس مادّہ میں اُن کے اقرار سے متحقق، اگرچہ واقع میں بوجہِ فقدانِ ملکۂ اجتہاد اعتبار سے ساقط، بلکہ فی نفسہٖ غلط ہیں۔ دوسری صورت میں مثبت مدعا اور مفید ہیں یانہیں ؟ پچھلی شق پر مانعینِ سابقین ولاحقین کی سب سعی برباد ورائیگاں، اور خاص یہ دلیل بھی لغو ہو گئی، اور جو باوصف اس کے کہ قیاسِ شرعی سے خارج اور مستدِلّ منصبِ اجتہاد سے عاری اِفادۂ مطلب کرتے ہیں، اور یہ لوگ دلائلِ شرعیہ سے اِثباتِ مدعا کی گنجائش رکھتے ہیں، تو یہ گنجائش مختص بمانعینِ مولد ہے یا مجوّزین کو بھی حاصل ؟ پچھلی صورت میں اعتراضِ مانعین کہ "تم اور تمہارے مستندین مجتہد نہیں تو تمہارے اور حافظ امام ابنِ حجر عسقلانی وامام جلال الدین سیوطی کے استنباط بے کار ہیں" ھباءً منثوراً ہو گیا، اور پچھلی تقدیر پر تحکم وزبردستی اور اپنی ناانصافی اور ہٹ دھرمی کا کھلا اقرار ہولیا۔

ساتواں ۷ مغالطہ[1]: جسے اِنہی بزرگوار نے اس عبارت سے لکھا ہے: "این عمل از آن اعمال است کہ عملِ حضرت[2] وصحابہ وتابعین وتبع تابعین بہ آن باوجود ہمہ مقتضیات وعدمِ موانع آن یافت نشدہ ومنقول از ایشان نگردیدہ، وعامّہ علماء وفقہاء بامتناع وکراہت ہمچو اعمال تصریح فرمودہ اند کتبِ دینیہ از روایاتِ این قسم مالامال اند"۔

اَقول وبحول الله أصول، **اوّلاً**: مستدِلّ نے اس جگہ برخلاف اپنے ائمۂ مذہب اور خود اپنی تصریحِ سابق کے عصرِ تبع تابعین کو بھی معتبر ٹھہرایا، اور قرون کو ثلاثہ سے اربعہ بنایا، اُس پر طرّہ یہ کہ تحقّقِ جملہ دواعی اور عدمِ موانع کی قیدیں بڑھائیں، تبع تابعین کے حال پر عنایت کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، لیکن قیدِ دواعی بغرضِ انطباقِ عباراتِ کتبِ فقہ جن میں حرص وغیرہ اُمور کی تصریح ہے زیادہ فرمائی، کاش! اس قید کو ہر جگہ معتبر رکھتے تو بہت مواردِ نزاع طے ہوجاتے، جس طرح خود یہ مسئلہ مجلسِ مبارک بحمد الله تعالیٰ ان کی اسی قید کی بدَولت طے ہو گیا۔

---

(۱) یہ "غایۃ الکلام" کی دلیلِ دُوم ہے۔ (امام احمد رضا خان)

(۲) **اَقول**: ﷺ۔ (امام احمد رضا خان)

تحقّقِ دواعی وعدم جملہ موانع کا ثبوت دینا ذمّۂ مستدِلّ ہے، پہلے سب دواعی اور تمام مَوانع عملِ مولد باعتبار اُس زمانے کے مشخّص و محدود کیجیے، پھر تحقّقِ مقتضیات اور فرداً فرداً اِنعدام جملہ موانع کا ثبوت دیجیے! یا ایسی دلیلوں کا کہ یہ فعل بدعت ہے، اور صحابہ وتابعین سے منقول نہ ہوا، یا قرونِ اربعہ میں نہ پایا گیا، اور اُن عباراتِ کتبِ فقہ کا جن میں اِن اُمور سے احتجاج واقع ہوا ہے نام نہ لیجیے! آپ صاحبوں کے کہنے سے مانع کسی خاص امر میں منحصر نہ ہوجائے گا، جس طرح رئیس المانعین نے شیوعِ ملّتِ اسلام کو ارتفاعِ مانع ٹھہرایا، اور یہ نہ سمجھا کہ اُن کے خصم اَور(۱) مَوانع بھی بیان کرتے ہیں، بعد اعترافِ اعتبارِ قیدِ تحققِ دواعی، وانعدامِ موانع بدُونِ اِثباتِ اِرتفاعِ جمیع اس دلیل اور اِس کے اَمثال سے کچھ نتیجہ نہ نکلے گا۔

ثانیاً۲: اکثر روایات (کہ کبریٰ کے اِثبات میں ذکر کیں) خود تحقیقِ مستدِلّ کے مخالف؛ کہ صرف ترکِ حضرتِ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ پر کراہت کا حکم دیا ہے، اِس تقدیر پر معمولاتِ صحابہ وتابعین بھی مکروہ ٹھہریں گے۔

ثالثاً۳: بعض دواعی ومقتضیات کہ اس زمانے میں موجود، قرونِ ثلاثہ میں نہ تھے، جن کی تفصیل بیسویں ۲۰ دلیل میں مذکور، اور اکثر اُمور جن کا ذکر مقدمہ میں ہے، اُس وقت ترک کے باعث ہوئے، بایں ہمہ دعویٰ وجودِ مقتضیات وعدم جملہ موانع کب صحیح ہے؟!

رابعاً۴: اکثر مسائل جن کی کراہت کتبِ فقہ سے اس جگہ نقل کی، بعض مجتہدین اُنہیں جائز، یا مُباح کہتے ہیں، تو مستدِلّ کے طَور پر سنّت سے ملحق ہیں، گو یہ فقہاء مکروہ کہیں۔

خامساً۵: عملِ مولد کو حج ونماز کے مسائل پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اُن کے ہیآت وواقعات توقیفی ہیں، اُن کا حکمِ عام مطلق نامخصوص ونامحدود وارد نہ ہوا، حتّٰی کہ بعض کے نزدیک اُن کے متعلقات بالکل سماع پر موقوف ہیں، نہ قیاس کو اُن میں مدخل، نہ کسی طرح تغییر خواہ کمی زیادتی جائز، اگر فقہاء اس بِنا پر بوجہ عدمِ نقل وعدمِ ماثوریّت مکروہ کہیں تو ایسے امر کی کراہت جو عموم واطلاقِ شرع کے تحت میں داخل، اور

(۱) حاشیہ ہذا بر صفحہ ۱۲۷ [امام احمد رضا اپنے نسخے کے مطابق جس صفحہ کا ذکر فرما رہے ہیں، اس تک ہماری رسائی نہ ہوسکی]۔

ایسی چیز کے افراد سے ہے جسے شرع نے عموم واطلاق پر چھوڑا، اور محدود بحدود ہیآتِ مخصوصہ نہ کیا، اور وہ ہر طرح مقصودِ شارع کے مُوافق، اور رَونقِ اسلام وترقیٔ محبت وطاعتِ سیّد الانام علیہ الصلاۃ والسلام کا باعث ہے، خصوصاً جبکہ طریقۂ نصیحتِ بعض عوامِ زمانہ اُس میں منحصر، اور اس زمانے میں اُس کی ضرورت رَوشن وظاہر ہو، مجرّدِ عدمِ نقلِ قرونِ ثلاثہ سے کب ثابت کر سکتے ہیں؟! ع

ببین تفاوُت رہ از کجاست تا بکجا

بلکہ خود یہی فقہاء اُن بعض اُمور کی نسبت جن کی کراہت کی تصریح ہے نظر بمصلحتِ زمانہ یہ حکم دیتے ہیں، وأمّا العوامّ فلا يمنعون من تكبير وتنفّل أصلاً؛ لقلّة رغبتهم في الخيرات، كما في "الدرّ المختار"(۱) معزياً إلى "البحر الرّائق"(۲).

سادساً۶: مانحن فیہ میں نقل موجود، اور عدمِ نقل مفقود ہے، علماء سلَفاً وخلَفاً عمومات واطلاقاتِ کتاب وسنّت سے افراد وخصوصیات پر استدلال کرتے ہیں، اور ایسے موادّ میں تنصیصِ مجتہدین ضروری نہیں سمجھتے، نہ اسے خاص باہلِ اجتہاد جانتے ہیں، بلکہ اِطلاق وعمومِ منصوصاتِ مجتہدین سے بھی اِستناد جاری، اور مقصودِ دینی سے مطابقت، اور حصولِ مطالبِ شرعیّہ میں مُداخلت بھی دلیلِ ندب واِباحت ہے کما مرّ.

بالجملہ یہ دلیل متکلّم قنّوجی کی محض غلط اور سراسر نافہمی پر مبنی ہے، اور اس تقریر سے ظاہر کہ تردید رئیس المانعین کی بھی اس سند کے بیان میں کہ "یہ عمل فعلِ اصحابِ کبار واَہلِ بیتِ اَطہار سے باوجود غلبۂ محبّت وثورانِ تعشّق منقول نہ ہوا، آیا ماہِ ربیع الاوّل اُس زمانے میں نہ تھا؟! یا ذکرِ ولادت ومَحامد نبویہ بتخصیص ماہ ویوم بہیئتِ گذائیہ دین سے شمار نہ کرتے؟! یا اس کے ثواب واجر سے ناواقف تھے؟!"۔

اوّل وثالث باطل، تو ثانی متعیّن، وفیہ المطلوب. اور اسی طرح تقریرِ دلیلِ چہاردَہم ۱۴ انوابی؛ کہ بعینہٖ اسی دلیل کو دوسری طرح رنگ کر نمائش کے لیے دلیلِ مستقل قرار دیا ہے، جس کی عبارت یہ ہے:

---

(۱) "الدرّ" كتاب الصّلاة، باب العيدين، ۵/ ۱۱۸.

(۲) "البحر" كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ۲/ ۲۸۰.

"این فعل در صدرِ اوّل واقع نہ شد و در عدمِ وقوع چند احتمال است، یا احتیاج بآن نبود، یا مانع یافتہ شد، یا علم برآن حاصل نشد، یا در امتثالِ آن تقاعد و مسامحت رفت، یا مکروہ و نامشروع دانستند" نری تلمیع وسخن سازی ہے، علاوہ بریں تخصیص والتزام ماہ ربیع الاوّل کا الزام محض غلط، اور یہ تقریر تمام محدثاتِ قرنِ تابعین، واستنباطاتِ مجتہدین، ومستحسناتِ محققین، ومستندینِ مانعین سے منقوض ہوتی ہے۔

خیر کچھ نہ دیکھیں، جناب مجدّد صاحب کی طرف سے تو جواب دیں کہ ذکر خلفائے راشدین بمنزلہ شعائرِ دین ٹھہرا کر التزام کی تاکید اور ترک پر اعتراض[1] شدید فرماتے ہیں، آیا خطبہ اُس زمانے میں نہ تھا؟!

---

(۱) جلد دُوم ۲، مکتوب پانزدہم ۱۵: "شنیدہ شد کہ خطیبِ آن مقام در خطبۂ عید قربانی ذکرِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ترک کردہ واسامی متبرکہ ایشان نخواندہ وبسہو خود اعتذار ناکردہ بہ تمرّد پیش آمدہ وگفتہ کہ چہ شد اگر اسامیِ خلفائے راشدین مذکور نشدہ، ونیز شنیدہ کہ اہالیِ آن مقام درین باب بشدّت وغلظت بآن خطیبِ بے انصاف پیش نیامد ندے وائے نہ یکبار کہ صدبار وائے ذکرِ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین اگرچہ از شرائطِ خطبہ نیست لیکن از شعائرِ اہلِ سنّت است ترک نہ کند آنرا بعمد وتمرّد مگر کسیکہ دلش مریض وباطنش خبیث است، اگر فرض کنیم کہ بتعصّب وعناد ترک نکردہ باشد وعیدِ: «مَن تشبّه بقوم فهو منهم» ["سنن أبي داود" كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ر: ٤٠٣١، صـ٥٦٩] راچہ جواب خواہد گفت واز مظانِ تہم کہ «اتّقوا مواضع التهم» ["كشف الخفاء" حرف الهمزة، حرف الهمزة مع التاء المثنّاة، ر: ٨٨، ١/ ٥٨] چگونہ خلاص خواہد گشت، دور نیست کہ آن بے حقیقت کہ بکشمیر منسوب است این خبث را از مبتدعانِ کشمیر اخذ کردہ باشد، این قسم گل بد از ابتدائے اسلام تا این وقت معلوم نیست کہ در ہندوستان شگفتہ باشد، نزدیک ست کہ ازین معاملہ تمام شہر متہم گرد وبلکہ اعتماد از ہندوستان مرتفع شود، سلطانِ وقت از اہلِ سنّت وحنفی است، در زمانِ او این چنین بدعت نہایت جرأت است، بلکہ فی الحقیقت مُنازعہ با سلطان وخروج است از طاعتِ اُولي الأمر عجب کہ مخادیمِ آن مقام درین واقعہ مساہلہ فرمایند، قال الله تعالی: ﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ [پ٧، المائدة: ٧٩]، درین طَور واقعات تغافُل در زیدن مبتدعان رادلیر ساختن است ورخنہ در دین کردن" ["مکتوبات" جلد دُوم ۲، دفتر دُوم ۲، حصّہ =

یا وہ اُس فعل کی خوبی اور ترک کی برائی سے ناواقف تھے؟! یا اُسے بلا اذنِ شارع تشریع من عند أنفسهم سمجھ کر مکروہ جانتے؟! شقّین اوّلین باطل، تو ثالث متعیّن، ورنہ ممکن نہ تھا کہ باوجود علم وحرصِ عمل وحسنِ عقیدت وکمالِ محبت خلفائے راشدین یہ فعل زمانۂ صحابہ میں جاری نہ ہو جاتا!۔

اور جو اعمال واَذکار "قولِ جمیل" شاہ ولی اللہ صاحب، و"صراط المستقیم" اسماعیل دہلوی میں مذکور، اگر دین میں مفید ہوتے، اور بوجہِ عدمِ اذنِ شرع کے مکروہ نہ ٹھہرتے، تو ترک اُن کا صحابۂ کرام وتابعینِ اَعلام سے واقع نہ ہوتا، فما هو جوابُكم، فهو جوابُنا!.

آٹھواں ۸ مغالطہ[1]: جسے متکلّم قنّوجی نے اس عبارت سے لکھا: "ذکرِ رسول اللہ[2] از قبیل عبادت است، وغالب در ہیئتِ عبادات توقیف است، وآن چہ درآن اصل توقیف است بدُون بیانِ شارع مکروہ بود، پس این عمل کہ عبادت از ذکرِ رسول اللہ باین ہیئت وتخصیصات مبتدعہ است مکروہ باشد، بحسب این ہیآت وتخصیصات"۔

اَقول بتوفیق اللہ تعالی وتوقیفہ، **اوّلاً**: کلّیتِ کبریٰ مفقود، تو شکلِ مستدلّ عقیم ہے۔

ثانیاً: دعویٔ غلبۂ توقیف بھی مردود، یہ امر ہیئتِ بعض عبادات سے جواز جانبِ شرع محدود ومتعیّن ہیں، مخصوص ذکر، وشکر، وفکر، ودرود، واحسان، وحسنِ خلق، وتصدّق، ورفق، ونصیحت، وخشوع، وخضوع، واعانتِ مسلمین، وصلابت فی الدین وغیرہا کے لیے شرع میں کوئی خاص ہیئت ووقت وطریق مقرّر نہیں، بلکہ اصل اُن میں رعایتِ اصل مقصود ہے۔

=

ششم ۶، مکتوب پانزدہم ۱۵، ص۴۰-۴۲] اھ ملخّصاً، ذرا اس مکتوب کے تیوَر دیکھیے! اور اپنی "بدعت بدعت" "ضلالت ضلالت" "اہتمام التزام" کے نصیبوں کو روئیے!۔　　(امام احمد رضا خان)

(۱) یہ "غایۃ الکلام" کی دلیلِ سوم ۳ ہے۔

(۲) **اَقول**: ﷺ۔

ولہذا اکثر ائمۂ دین وعلمائے راسخین ما ورائے عباداتِ محدودہ متعینہ مِن جهة الشّرع میں جس ہیئت وطریق کو مقصودِ شرع سے مطابق پاتے ہیں، بلالحاظ بیانِ شارع، بلکہ بعد علمِ عدمِ بیان بھی پسند فرماتے ہیں، اور مستندینِ مانعین بھی ایسے اُمور کو صفائے قلب و حصولِ برکات ووصولِ قرب کا وسیلہ، اور سلوک میں مفید سمجھ کر اُن کی ترکیبیں لکھتے ہیں، اور باوجود عدمِ ورود اُن تراکیب و ہیآت کو (کہ مستدِلّ کے طَور پر محدَثات وبدعات ہیں) مریدوں اور متوسّلوں کو تعلیم کرتے ہیں۔

اَذکار واَشغال وطرقِ اعمالِ طریقۂ نقشبندیہ خصوصاً مجدّدیہ کی نسبت مانعین سے سوال ہے کہ بدُونِ بیانِ شارع کس طرح جائز ٹھہرے؟! اور جو انہیں بھی بدعت وضلالت اور بوجہِ عدمِ بیانِ شارع مکروہ ومعصیت قرار دیں، اور "قولِ جمیل" و "ظفرِ جلیل" سے دست بردار ہوجائیں، تو کیا مولائے طائفہ بانیٔ ملّتِ حائفہ کی "صراطِ مستقیم" کو بھی راہِ بدعت وطریقِ ضلالت ٹھہرا دیں گے؟!

ثالثاً۳: بعد تسلیم اس مقدّمہ کے کہ "غالب توقیف ہے" کلام اُس عبادت میں ہے جس کی خوبی تو شرع سے ثابت ہوئی، اور اُس کے لیے کوئی ہیئتِ خاصّہ مقرّر فرما کر اُس میں محدود ومنحصر نہ کردی، ولہذا صحابۂ کرام وائمۂ عظام ومشائخ وعلمائے دین ایسی عبادت کو جس طرح اور جس ہیئت کے ساتھ چاہتے بلا لحاظِ خصوصِ موارد بجالاتے، اور دوسرے اُن کے افعال کو پسند کرتے، مکروہ وممنوع نہ ٹھہراتے۔

رابعاً۴: توقیف کے غلبہ وکثرت سے اُس کی اَصالت بایں معنیٰ لازم نہیں آئی کہ جب تک ہیئت وخصوصیّت ہر عبادت کی شرع میں بتصریح ثابت نہ ہو، وہ عبادت جس ہیئت سے کی جائے مکروہ وضلالت ٹھہرے؛ کہ اس تقدیر پر کل عمومات واِطلاقات، بلکہ کل اَحکامِ شرعیّہ (کہ طلبِ عبادت میں وارد ہیں) مجمل اور تعمیل اُن کی بیانِ شرع پر موقوف رہے گی، پھر اُن کی کسی ہیئت وخصوصیت کا پتا شرع سے مل گیا، تو حمل مطلق کا اُس مقید پر واجب، اور حکمِ اِطلاق کا باطل وذاہب، ورنہ وہ مجملات متشابہات اور حسنِ شرعی اُن کا بے کار، بلکہ اُن کی طلب طلبِ محال کے قبیل سے ٹھہرے گی، اور سکوت بیان سے عند الحاجت لازم آئے گا... إلى غير ذلك من المفاسد.

اور یہاں سے ظاہر کہ اسماعیلیہ جو بلفظ: زیادة علی الدین أو المأثور أو المسنون ولزومِ نسخ معترض ہوتے ہیں، زیادت[1] ونسخِ شرعی کے معنی نہیں سمجھتے، مجرّد استحسان اُمورِ مستقلّہ سے (کہ عمومِ

---

(۱) **اوّلاً:** کسی امرِ مستقل کا زائد کرنا اصلاً زیادت مبحوث عنہا سے علاقہ نہیں رکھتا، "مسلّم" و"فواتح" میں ہے: "(زیادة عبادة مستقلّة لیست نسخاً للمزید علیه، وإن كانت) من جنسه؛ فإنّه لا یرفع شیئاً من المزید علیه، وهو ضروريٌّ أولى" ["فواتح الرَّحموت شرح مسلّم الثبوت" الأصل ۱: الكتاب، باب النسخ، صـ۳۸۲] "تلویح" میں ہے: "إنّما النزاع في غیر المستقلّ ["التلويح" ۲/ ۸۵] تو مجلس مبارک وغیرہ اُمور متنازع فیہا کہ مستقل اعمال ہیں، کون سی عبادتِ مخصوصہ کا تتمہ وتکملہ بنائے گئے کہ زیادت لازم آئے؟! ولكنّ الوهابيّة قومٌ يجهلون!.

ثانیاً: بطورِ استحباب، بلکہ وجوب بھی زیادت ہرگز نسخ وزیادتِ مبحوث عنہا نہیں، وہ صرف اُس حالت میں ہے کہ کوئی فرض یعنی رکن یا شرط بڑھائیں کہ بے اُس کے اصل کو بے کار بتائیں، "تنقیح" میں ہے: "الزيادة على النصّ إمّا بزيادة جزءٍ كركعة على ركعتَين، أو شرط كالأيمان في الكفّارة" ["التنقيح" باب البيان، فصل في بيان التبديل وهو النسخ، ۲/ ۸۵] اهـ ملخّصاً. "تلویح" میں ہے: "الزيادة بطريق الوجوب لا يرفع أجزاء الأصل، فلا يكون نسخاً فلا يمتنع بخلاف الزيادة بطريق الفرضيّة بمعنى عدم الصحّة بدونها، فإنّها ترفع حكم الكتاب" ["التلويح" ۲/ ۹۱ بتصرّف]. "فتح القدیر" میں ہے: "الزيادة إنّما يلزم على تقدير الافتراض دون الوجوب" ["الفتح" كتاب الطهارات، ۱/ ۲۱ ملتقطاً بتصرّف] تو مجلسِ مبارک وغیرہ کا صرف مستحسن ماننا کیونکر نسخ ہونے لگا؟! اس جہالت کی کوئی حد ہے؟! اعلیٰ حضرت تاج المحقّقین قدّس سرّہ نے ان دونوں جوابوں کی طرف ان دو ۲ لفظوں میں اشارہ فرمایا کہ "مجرّد استحسان اُمورِ مستقلّہ" فللّه درُّه ﷺ وأتمّ نوره، آمين!.

ثالثاً: زیادت کہ نسخ ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ کہ مطلق شرعی اپنے اِطلاق پر نہیں رہتا، بعض صوَر میں محصور ہوا جاتا ہے، "مسلّم الثبوت" میں ہے: "إمّا زيادة جزءٍ أو شرط هل هو نسخ؟ فالحنفيّة نعم! والشافعيّة والحنابلة لا! لنا أنّ المطلق دلّ على الأجزاء مطلقاً؛ لأنّه كالعامّ بدلاً، والتقييد ينافيه، فيرفع حكماً

=

شرعیاً" ["مسلّم الثبوت" الأصل ۱: الکتاب، ق۱۱۵ ملتقطاً] اب خدارا انصاف! ذکر وشکر وتعظیم خدا ورسول جن کے اَحکام مطلق وارد ہوئے، انہیں صرف صوَرِ وارده میں محصور ومقصور اور ماوراء کو محظور ومہجور ٹھہرا کر تم ہی کتاب اللہ کو نسخ کیے دیتے ہو! اور عاملانِ کتاب اللہ پر اِلزام رکھتے ہو!۔

رابعاً۴: اگر یہ زیادت ہو تو جس قدر اعمالِ صالحہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں سب باطل، اور (معاذ اللہ) کتاب اللہ کے مُبطِل ہوں جب تک حدیثِ متواتر یا مشہور نہ ہو؛ کہ حنفیہ تو خبرِ واحد سے بھی زیادت کو نسخ مانتے ہیں، "مسلّم" میں ہے:

"ولهذا امتنع الزيادة عندنا بخبر الواحد على القاطع كالكتاب".

["مسلَّم الثبوت" الأصل ۱: الكتاب، ق۱۱۵ بتصرّف].

خامساً۵: یہیں سے ظاہر ہوا کہ تعریفِ بدعت میں جو کوششیں کبرائے طائفہ خصوصاً متکلّم قنّوجی نے کیں، اور جو باتیں نبی ﷺ سے قولاً یا فعلاً ولو آحاداً، بلکہ صحابہ، بلکہ تابعین، بلکہ قیاساتِ مجتہدین سے ثابت ہوں، سب مقبول وداخلِ سنّت مانیں، محض باطل ولاطائل تھیں، زیادت فی الدین نہ حدیثِ آحاد سے ممکن، نہ صحابی یا تابعی کے قول، نہ کسی مجتہد کے قیاس سے، تو بظاہر مجلسِ مبارک پر اعتراض کیا؟ اور حقیقۃً سِوا معدود اَحکامِ قطعیہ کے تمام شریعتِ مطہَّرہ کا دروازہ بند کردیا، وسيعلم الذين ظلموا أيَّ منقلبٍ ينقلبون.

سادساً۶: لبیک وتشہد واستلامِ ارکانِ کعبہ میں زیادات کہ امیر المؤمنین فاروقِ اعظم، وعبد اللہ بن مسعود، وعبد اللہ بن عمر، وامامِ حسن، وامامِ حسین، وامیر معاویہ، وعبد اللہ بن زبیر، وجابر بن عبد اللہ، وانس بن مالک وغیرہم اجلّہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں، ان کا کیا جواب ہوگا؟ تمہاری ضلالت پر یہ حضرات بھی (معاذ اللہ) ناسخانِ شریعت واصحابِ ضلالت قرار پائیں گے!

لبیک وتشہد میں زیادت کی حدیثیں عنقریب آتی ہیں، اور "صحیح بخاری شریف" میں ہے: "عن عمرو بن دينار عن أبي الشعثاء أنّه قال: ومَن يتّقي شيئاً من البيت؟ وكان معاوية رضي الله عنه يستلم الأركان الأربعة، فقال له ابن عبّاس رضي الله عنهما: إنّه [للحَمَوي والمستملّي كما في نسخة: "لا يستلم" بفتح المثنّاة "هذَين الركنَين" بالنصب على المفعوليّة، والضمير في "أنّه" عائد على النبي ﷺ، وكذا فاعل "لا يستلم"

=

=

ضمير يعود عليه ﷺ" اهـ "إرشاد السّاري" [كتاب الحجّ، باب مَن لم يستلم إلاّ الركنين اليمانين، تحت ر: ١٦٠٨، ٤/ ١٤٨]، وروى الترمذي [أي: في "الجامع" أبواب الحجّ، باب ما جاء في استلام الحجر والركن اليماني دون ما سواهما، ر: ٨٥٨، صـ٢١٣] والحاكم [أي: في "المستدرَك" كتاب معرفة الصحابة، ذكر عبد الله بن عبّاس بن عبد المطّلب رضي الله عنهما، ر: ٦٣٠٥، ٦/ ٢٢٦٠] من طريق عبدالله بن عثمان بن خثيم، عن أبي الطفيل، قال: كنتُ مع ابن عبّاس، ومعاوية رضي الله عنهم، فكان معاوية لا يمرّ بركن إلاّ استلمه، فقال ابن عبّاس: إنّ رسول الله ﷺ لا يستلم إلاّ الحجر واليماني، فقال معاوية: ليس شيءٌ من البيت مهجوراً. منه دام ظلّهم العالي] ﷺ لا يستلم هذَين الركنَين، فقال: ليس شيءٌ من البيت مهجوراً، وكان ابن الزبير رضي الله عنهما يستلمهنّ كلّهنّ. حدّثنا أبو الوليد: ثنا ليث عن ابن شهاب، عن سالم بن عبد الله، عن أبيه رضي الله عنهما قال: لم أر النّبي ﷺ يستلم من البيت إلاّ الركنَين اليمانيين" ["صحيح البخاري" كتاب الحجّ، باب مَن لم يستلم إلاّ الركنين اليمانيين، ر: ١٦٠٨، ١٦٠٩، صـ٢٦١ بتصرّف].

دیکھو! حضور اقدس ﷺ کعبہ معظمہ کے صرف دو۲ رکنِ جنوبی کو مس فرماتے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاروں رُکن کو مس کیا، جب عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: "نبی ﷺ ان دو۲ رکنِ شمالی کو مس نہ فرماتے تھے" جواب فرمایا: "کعبہ کا کوئی حصہ چھوڑ دینے کا نہیں"، عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما نے سکوت فرمایا، اسی طرح عبد اللہ بن زبیر چاروں رُکن کو مس فرماتے، یہی گفتگو انہیں بھی عبد اللہ بن عبّاس سے پیش آئی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین، رواه الشّافعي في "مسنده" [ومن كتاب المناسك، ر: ٥٩٦، صـ٢٤٠] عن محمّد بن كعب.

"عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری" میں ہے: "يستفاد من هذا الحديث مذهبان، الأوّل: مَن يستلم الأركان كلّها، وهو مذهب مُعاوية وعبد الله بن الزبير وجابر بن زيد وعروة بن الزبير وسويد بن غفلة، وقال ابن المنذر: وهو مذهبُ جابر بن عبد الله والحسن والحسين وأنس بن مالك رضي الله عنهم" ["عمدة القاري" كتاب الحجّ، باب مَن لم يستلم إلاّ الركنَين اليمانيَين، تحت ر: ١٦٠٩، ٧/ ١٨٥، ١٨٦].

=

مندوباتِ شرع میں داخل اور کسی محدودِ شرعی کے مُنافی ومُزاحم نہ ہوں) صرف بجہت عدمِ نقلِ ہیئت وخصوصیتِ خاصّہ زیادت ورفع ونسخ لازم آئے، تو صحابۂ کرام کی طرف سے اَمثالِ مسئلۂ تلبیہ وغیرہا میں کیا جواب دیا جائے گا؟! یا (العیاذ باللہ) اُنہیں رافعِ سنّت ومخالفِ شریعت کہا جائے گا؟!

خامساً٥: جس طرح شرع شریف نے بعض عبادات کو بعض ہیآت وخصوصیات کے ساتھ مقیّد ومحدود کردیا ہے کہ اُنہیں ہیآت سے ادا ہوتی ہیں، تغییر وتبدیل وزیادت ونقص اُن میں روا نہیں، اسی طرح بعض کو مطلق وعام رکھا ہے، کسی ہیئت، ووقت، وحال، وکیفیت، وکمیت، وفرد دُون فرد کے ساتھ محدود ومقید نہیں کیا ہے، اُنہیں جس طرح ادا کریں گے (بشرطیکہ اُس خاص شکل کی ممانعت شرع میں نہ ہو) امتثالِ امر حاصل ہوگا، ایسی جگہ شرع کا اِطلاق ہی بتا رہا ہے کہ اُس نے اِجمالاً سب صورتوں کی اجازت دی ہے کہ اگر بعض میں حصر مقصود ہوتا، مطلق نہ چھوڑا جاتا تو جس طرح کیا جائے گا توقیف ہی پر عمل ہوگا۔

اور جو بعض ہیآت وخصوصیات وافراد وحالات کو بلا دلیلِ شرع (صرف اس قیاس سے کہ شرع میں تصریح اس ہیئت کی نہیں) مانع ہوتا ہے، وہی مسئلہ توقیف کا خلاف اور تحریم ما أحلّ اللہ کرتا ہے، کیا تحریم من عند نفسہٖ خدا پر اِفتراء نہیں؟! یا ارشادِ ہدایت بنیاد: ﴿لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾[1] قرآن مجید میں پڑھا نہیں؟! اس تقریر پر قضیۂ توقیف کلیہ ہے؛ کہ ہر عبادت کی ہیئت شرع کے بتانے پر موقوف ہے، اپنی رائے کو دخل دینا بے جا ہے، جسے ایک خاص صورت پر محدود ومقصور فرمادیا وہ اُسی کے ساتھ ادا کی جائے، اور جسے باعتبار ہیئت کے مطلق چھوڑا، کسی خاص ہیئت سے محدود اور اُس میں منحصر نہ کیا اُسے مطلق رکھا جائے، تجاوز پہلی صورت میں اور دعوئ انحصار دوسرے مادہ میں مخالف حکمِ توقیف ہے۔

سابعاً٧: عنقریب متعدّد مسائل مذکور ہوں گے جن سے ثابت کہ علماء نے خود اَذکار نماز میں غیر مروی الفاظ کی زیادت رَوا رکھی، ولكنّ الوهابيّةَ قومٌ لا يعقلون، والله المستعان على ما يصفون!. (امام احمد رضا خان)

(۱) پ١٤، النحل: ١١٦.

یہاں سے شمس واَمس کی طرح ظاہر ہوگیا کہ مسئلہ توقیف ان حضرات کو کچھ نفع نہیں بخشتا، بلکہ ما نحن فیہ میں انہیں مضر، اور ہمیں مفید ہے، ذکرِ اقدس حضرتِ رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ کا حُسن شرع سے بر سبیلِ اطلاق ثابت، اور شارع نے اُسے کسی صورت کے ساتھ مقید اور اُس میں منحصر نہیں کیا، بلکہ مقصود اُس سے تعظیم واجلال وادب واکرام ومحبت وعقیدتِ سیّدِ اَنام علیہ الصلاۃ والسلام ہے، جس پر مدارِ اسلام ہے، توجب تک شرع سے کسی خاص صورت کی نہی ثابت نہ ہو حکم مطلقاً[1] جواز واستحباب ہے۔

(۱) **تذییلِ جلیل:** الحمد للہ اعلیٰ حضرت تاج المحققین قدّس سرّہ العزیز نے منکرین کے واہمۂ توقیف کو اس اعلیٰ توفیق سے رَد فرمایا جس نے حق کو شمس واَمس سے رَوشن تر کردکھایا، فقیر غفرلہ المولی القدیر باستعانتِ رُوحِ منیر بعض فوائد عوائد اَور زائد کرے، فأقول وباللہ التوفیق: عبادات میں وہ اُمور جن کی طرف عقل کو اہتدا نہیں، مثل تعیینِ اوقات، وعددِ رکعات، وترتیبِ افعال، ووَحدتِ رکوع، وتعددِ سجدات، وتحدیدِ نصاب، ومصرفِ زکاۃ، ووقت ومکانِ وقوف ومطاف، وعددِ اَشواطِ سعی وطواف وغیرہا قطعاً توقیفی ہیں، یوہیں وہ اَوضاع وہیآت کہ شارع نے ایسے اُمور میں محدود ومعیّن فرمائے، اور مجملاتِ کتاب کے بیان واقع ہوئے، جن کی تعیین کی طرف اَمثال: «صلّوا كما رأيتموني أصلّي» [انظر: "صحيح البخاري" كتاب الأذان، باب الأذان للمسافرين إذا كانوا جماعة والإقامة... إلخ، ر: ٦٣١، صـ١٠٤] نے اشارہ فرمایا۔

اسی طرح وہ اَذکار وافعالِ مخصوصہ کہ اَوقاتِ خاصہ پر غایات ومقاصدِ معینہ کے لیے علی وجہ التعیین مقرّر ہوئے، اور مکلفین اُن کی طرف مطلقات وعمومات سے دعوت نہ کیے گئے، جیسے تکبیرِ تحریمہ، وتحلیلِ نماز، وتشہد، واذان، واقامت وغیرہا، یہی وہ اشیاء ہیں جنہیں توقیفی کہا جاتا ہے، ان کے سوا باقی تمام اُمور جن میں نصّاً ودلالۃً شرعِ مطہر سے تحدید، وحظر، وتوقیف، وحجر ثابت نہیں، اگرچہ وہ اُنہی توقیفیات سے علاقہ رکھتے ہوں، اُن میں بھی توقیف پر توقف نہیں، اگرچہ بوجہِ تعلّقِ توقیفی وقوف اَولیٰ ہو، ولہٰذا دعائے قعدۂ اَخیرہ صرف الفاظِ وارِدہ پر مقصور نہیں، ہر شخص جو چاہے دعا کرسکتا ہے، بعد اس کے کہ کلامِ ناس سے مشابہ نہ ہو۔

=

=

اسی طرح عیدین وغیرہما کے خطبے خصوصاً خطبۂ جمعہ کہ شرطِ صحت نماز ہے، ان میں بھی الفاظ مرویہ پر اقتصار نہیں، یہ صورت چہارُم ۴ اعنی: متعلقات، بلکہ بعض افرادِ صورتِ سوم ۳ بھی انظارِ مجتہدین کے جَولان گاہ ہیں، بعض نے اُن میں کسی کو قسمِ اوّل سے خیال فرمایا، اور وقوف لازم ٹھہرایا، اور بعض نے قسمِ دُوم ۲ سے سمجھا، اور رخصت کا حکم بتایا، ورنہ نہ قسمِ اوّل میں ارسال واطلاق معقول، نہ دُوم میں، جہاں شرع نے اطلاق کو کام فرمایا، تحدید وتقیید مقبول، ہاں! کسی سنّت ثابتہ کو اُٹھا دینا، کوئی نیا امر مُزاحم ومراغمِ سنّت پیدا کرنا کسی حال رَوا نہیں۔ ذکر وشکر وتعظیم خدا اور رسول جلّ جلالہ وصلّی اللہ تعالی علیہ وسلّم بے شک اَجل عبادات سے ہیں، مگر شرعِ مطہّر نے ہرگز انہیں کسی وقت وہیئت خاص پر مقیّد ومحصور نہ فرمادیا، بلکہ اُن کی طرف اطلاقات وعمومات سے بلایا، اور اُن میں مرادِ شرع تنویع، وتکثیر، وتوسیع، وتوفیر ہی ہے، نہ تقلیل وتحدید وتضییق وتقیید، تو انہیں بند ومحدود کرنا ہی مقصودِ شرع کے خلاف، اور مرادِ شارع سے تضاد واختلاف ہے، ولکنّ الوهابيّة قومٌ يفرقون!۔

اب میں خاص عباداتِ توقیفیہ کے متعلقات سے چند مسائل شمار کروں کہ علماء نے وِفاقاً، یا اُسی مجالِ انظار کے طَور پر خود اُن میں کہاں تک وسعتیں دیں، اور خود متعلقاتِ توقیفیات کو توقیفی نہ مانا، جس سے بحمد اللہ تعالی ان حضرات کے اِدّعائے توقیف کا بھی بھرم کھلے، اور ہر جگہ مجرّد عدمِ وُرود پر "بدعت بدعت"، "ضلالت ضلالت" بَرا اُٹھنے کا بھی درباجلے، وباللہ التوفیق!۔

مسئلۂ اُولیٰ ۱: یہی مسئلۂ تلبیہ جس کا ذکر متن میں ارشاد ہوا، "صحیحین" میں ہے: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما رسول اللہ صلّی اللہ تعالی علیہ وسلّم کا تلبیہ روایت کرتے اور فرماتے: «هذه تلبية رسول الله ﷺ» "یہ لبیک رسول اللہ صلّی اللہ تعالی علیہ وسلّم کی ہے"، «لا يزيد على هؤلاء الكلمات» ["صحيح البخاري" كتاب اللباس، باب التلبيد، ر: ٥٩١٥، صـ١٠٣٨. و"صحيح مسلم" كتاب الحجّ، باب التلبية وصفتها ووقتها، ر: ٢٨١٢، صـ٤٨٩] "حضور ان کلمات پر کچھ زیادہ نہ فرماتے"۔ "صحیح مسلم" [كتاب الحجّ، باب التلبية وصفتها ووقتها، ر: ٢٨١٢، صـ٤٨٩] میں ہے: پھر ابنِ عمر خود اُس پر بہت کلمات بڑھاتے۔ اُسی [أي: في "صحيح مسلم" كتاب الحجّ، باب التلبية وصفتها ووقتها، ر: ٢٨١٤، صـ٤٨٩] میں ہے: امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نبی صلّی اللہ تعالی علیہ وسلّم کا تلبیہ کہہ کر اَور کلمات اضافہ کرتے۔ "مسندِ اسحاق بن راہویہ" میں ہے: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ لبیک میں یہ لفظ بڑھاتے: «لبّيك عدد التراب».

=

مسئلہ ثانیہ ۲: "سننِ ابی داود" میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے ہے التحیات کے الفاظ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے روایت کرتے اور فرماتے: «زدتُ فيها "وبركاته"» "اس میں "وبرکاتہ" کا لفظ میں نے بڑھا دیا ہے"، جب "أشهد أن لا إلهَ إلاّ الله" پر پہنچتے فرماتے: «زدتُ فيها "وحدَه لا شريكَ له"» ["سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب التشهّد، ر: ۹۷۱، صـ۱٤۷، ۱٤۸] "یہاں "وحدَه لا شريكَ له" میں نے زائد کیا ہے"۔ یہ ابنِ عمر وہ ہیں جن کا اتباعِ سنّت میں شغف تام شہرۂ عام ہے، یہاں تک کہ اگر سفر میں حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کسی منزل میں نزول فرمایا، انہیں اُترنا ضرور، اگرچہ ضرورت نہ ہو، حتی کہ جہاں اُتر کر حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا، انہیں وہاں اس انداز پر بیٹھ جانا اگرچہ حاجت نہ ہو، ان کی وہ روایات تو منکر صاحبوں کو سُوجھیں جن میں اُنہوں نے اِفادۂ مسئلہ وازالۂ وہم سنّیت کے لیے کچھ ارشاد فرمایا، جیسے ترمذی کی حدیث کہ ایک شخص نے چھینک پر الحمد لله والسّلام على رسول الله کہا، فرمایا: میں بھی کہتا ہوں: الحمد لله والسّلام على رسول الله، مگر چھینک پر نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمیں یہ نہ سکھایا، بلکہ "الحمد لله على كلّ حال" ["جامع الترمذي" أبواب الأدب، باب ما يقول العاطس إذا عطس، ر: ۲۷۳۸، صـ۶۲۰] تعلیم فرمایا، اور اِنہیں کی یہ حدیثیں نہ سُوجھیں جن سے آنکھیں کھلتیں!۔

مسئلہ ثالثہ ۳: "حلبہ شرح منیہ" ["الحلبة" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۲/ ق۸۸] و"بحر الرائق" میں ہے: "لو قيل: "بحمدك" بلا حرفِ العطف كان جائزاً صواباً كما روي عن أبي حنيفة رحمه الله؛ لأنّه لا يخلّ بالمقصود" ["البحر الرائق" كتاب الصّلاة، باب صفة الصلاة، فصل، ۱/ ۵٤۰ ملتقطاً] "اگر "سبحانك اللّهمّ وبحمدك" میں حرفِ عطف نہ پڑھے، جائز وحق ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہوا؛ کہ اس سے مقصود میں کچھ خلل نہیں آتا۔

مسئلہ رابعہ ۴: علماء نے تصریح فرمائی کہ "سبحانك اللهمّ "ثنائے نماز میں "وجلّ ثناؤك" مروی نہ ہوا، مگر کہے تو حرج نہیں؛ کہ آخر ثناء ہے، وہ گھٹانا تھا، یہ بڑھانا ہے۔ "منیہ" میں ہے: "إن زاد "جلّ ثناؤك" لا يمنع، وإن سكتَ لا يؤمر به" ["المنية" فصل في صفة الصّلاة، صـ۱۷۶]. "حلبہ" میں ہے: "كذا ذكره الحلواني عن مشايخنا، فلا جَرم أنّ في "الكافي": ولم يذكر "وجلّ ثناؤك"؛ لأنّه لم ينقل في المشاهير، قالوا: ولو

=

سكتَ عنه لم يؤمر به، ولو قال: لم يمنع منه" ["الكافي" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۱/ ق٦٥] انتهى. أقول: كونه لا يؤمر به ظاهر؛ لأنّه لم يذكر في خصوص هذا الثناء في الصّلاة، ومن وقف عند المرويّ في مثله لا يؤمر بالزيادة عليه بما لم يرد فيه، وأمّا كونه لا يمنع؛ فلأنّه ثناء حسن على الله تعالى، ليس في ذكره ما يخلّ في الصّلاة" ["الحلبة" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۲/ ق۸۹] اهـ مختصراً.

مسئلہ خامسہ ۵: فرض کی پچھلی رکعتوں میں سورت ملانا سنّت سے ثابت نہیں، علماء فرماتے ہیں: ملالے گا تو حرج بھی نہیں، "درِ مختار" میں ہے: "(اكتفى) المفترض (فيما بعد الأوليَين بالفاتحة) فإنّها سنّة على الظاهر، ولو زاد لا بأسَ به" ["الدرّ" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۳/ ۳٦۹]. "ردّ المحتار" میں ہے: "أي: لو ضمّ إليها سورةً لا بأسَ به؛ لأنّ القراءةَ في الأخرَيَين مشروعة من غير تقدير، والاقتصار على الفاتحة مسنونٌ لا واجب، فكان الضمُّ خلافَ الأولى، وذلك لا ينافي المشروعيّة والإباحة" ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب مهمّ في عقد الأصابع عند التشهّد، ۳/ ۳٦۹، ۳۷۰]... إلخ.

مسئلہ سادسہ ٦: امام ابو یوسف نے سیّدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی: کیا فرضوں میں رکوع سے سر اٹھاکر "اللّهمّ اغفرلي" کہے؟ حضرت امام الائمہ نے اس پر اتنا بھی نہ فرمایا کہ نہ کہے، نہ کہ (معاذ اللہ) وہابی صاحبوں کی طرح یہ ہولناک دعویٰ، کہ بدعت ہے، ضلالت ہے، حرمت ہے، ممانعت ہے، ایمانِ "تقویۃ الایمان" پر اصلِ ایمان میں کھنڈت ہے، بلکہ صرف اسی قدر فرمایا کہ "ربّنا لك الحمد" کہے اور خاموش رہے، جس سے ظاہر ہوگیا کہ یہاں ذکر مسنون اس قدر ہے، ائمہ فرماتے ہیں: یہ امام کا حُسنِ ادب ہے کہ استغفار سے منع نہ فرمایا؛ کہ اُس سے منع کرنا قبیح ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: "بلکہ اس میں جواز کی طرف اشارہ ہے؛ کہ ناجائز ہوتا تو منع فرماتے"، "جامعِ صغیر" میں ہے: "قال أبو يوسف: سألت أبا حنيفةَ عن الرجل يرفع رأسَه من الركوع في الفريضة أيقول: اللّهمّ اغفرلي؟ قال: يقول: "ربّنا لك الحمد، ويسكت" ["الجامع الصغير" كتاب الصّلاة، باب في تكبير الركوع والسجود، صـ۸۸]. "حلبہ" میں ہے: "قال قاضي خانْ [أي: في "شرح الجامع الصغير" باب التكبير،

=

=

۱/ ق۱٦] وغيره: أطرف أبو حنيفة في العبارة حيث لم يقل: لا؛ لأنّ النهيَ عن الاستغفار قبيح، لكن بيّن ما يستحبّ له أن يقول" ["الحلبة" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۲/ ق۱۱۱]. "ردّالمحتار" میں ہے: "قد أحسن في الجواب؛ إذ لم ينهِ عن الاستغفار، "نهر" [كتاب الصّلاة، باب صفة الصلاة، ۱/ ۲۱۸]. أقول: بل فيه إشارةٌ إلى أنّه غير مكروه؛ إذ لو كان مكروهاً لنهى عنه كما ينهى عن القراءة في الركوع والسجود، وعدم كونه مسنوناً لا ينافي الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة" ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، ۳/ ۳٤۹]... إلخ.

مسئلہ سابعہ: "صحیحین" [أي: "صحيح البخاري" كتاب أحاديث الأنبياء، [باب]، ر: ۳۳٦۹، صـ٥٦٤. و"صحيح مسلم" كتاب الصّلاة، باب الصّلاة على النّبي ﷺ بعد التشهّد، ر: ۹۱۱، صـ۱۷۳]،وغیرہما جملہ کتب [انظر: "جامع الترمذي" أبواب الوتر، باب ما جاء في صفة الصّلاة على النبي ﷺ، ر: ٤٨٣، صـ۱۲۸. و"سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب الصّلاة على النبي ﷺ بعد التشهّد، ر: ۹۷٦، صـ١٤٩. و"سنن النَّسائي" كتاب السهو، باب كيف الصّلاة على النبي ﷺ، ر: ۱۲۸۲، الجزء ۳، صـ٤٧. و"سنن ابن ماجه" كتاب إقامة الصّلاة والسنّة فيها، باب الصّلاة على النبي ﷺ، ر: ۹۰٥، صـ۱٥٦] میں ہے: جب حضور سے عرض کی گئی: يا رسولَ الله! كيف نصلّي عليك؟ یارسول اللہ! حضور پر درود کس طرح بھیجیں؟ ارشاد ہوا: «قولوا: اللّهمّ صلّ على محمّد» "یوں کہو: اللّهمّ صلّ على محمّد"، یہ خاص سوال طریقہ پر تعلیم ہے، اور اصلاً کسی روایت میں سیّدنا کا لفظ نہیں، بایں ہمہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ نامِ پاک کے ساتھ سیّدنا [ہامش "الدلائل" میں شیخ الدلائل سے ہے: "ایک ترکی قرأتِ "دلائل" میں نامِ اقدس کے ساتھ "سیّدنا" نہ کہتا، شیخ نے نصیحت کی، اُس نے کہا: کتاب میں کہاں ہے؟ میں کتاب کے خلاف نہ کہوں گا، رات کو ترکی نے امیر المؤمنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ اُس کے پیٹ پر خنجر رکھ دیا اور فرماتے ہیں: تُو رسول اللہ ﷺ کو "سیّدنا" نہ کہے گا؟ حالانکہ حضور سیّد العالمین ہیں ﷺ! ترکی تائب ہوا ["دلائل الخيرات" صـ۱۱]۔ منہ[أي: من الإمام أحمد رضا] بڑھانا چاہیے کہ عین ادب اور افضل و مستحب ہے۔

=

=

"درّ مختار" پھر "فتح اللہ المعین حواشی الکنز" [کتاب الصّلاة، باب صفة الصلاة، فصل، ۱/ ۱۹٦] للعلّامۃ السیّد ابی السعود الأزہری میں ہے: "ندب السيادة؛ لأنّ زيادةَ الإخبار بالواقع عين سلوك الأدب، فهو أفضل من تركه" ["الدرّ" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل، ۳/ ۳۷٦]. محشّین کرام سادات ثلاثہ ابراہیم حلَبی واحمد طحطاوی ومحمد شامی فرماتے ہیں: یوہیں نامِ پاک ابراہیم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ "سیّدنا" زیادہ کرے۔ اوّلین نے فرمایا: "ظاهر الشرح طلبها في نبيّنا وأبيه الخليل لاشتراكهما فيها، ولا يخفى أنّ هذه الزيادةَ مستحبّة" ["تحفة الأخيار" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل، ق۷۲ بتصرّف. و"ط" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل، ۱/ ۲۲٦ ملتقطاً]، ثالث نے فرمایا: "التحیات کا حکم یہاں جاری نہیں؛ فإنّ الصّلاةَ زائدة على التشهّد ليست منه، نعم ينبغي على هذا عدمُ ذكرها في "أشهد أنّ محمّداً عبده ورسوله" وأنّه يأتي بها مع إبراهيم ﷺ". ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل، مطلب في جواز الترحّم على النّبي ابتداء، ۳/ ۳۷۸].

علّامہ احمد بن محمد بن عطاء اللہ تاج الدین اسکندرانی نے "مفتاح الفلاح" میں اس زیادت کے ترک کی سخت ممانعت کی اور فرمایا: جو اس عبادت کا التزام رکھے گا اُس پر اُس کا راز ظاہر ہوگا۔ "مَطالع المسرّات شرح دلائل الخیرات" میں ہے: "الصحيح جواز الإتيان بلفظ السيّد والمولى ونحوهما ممّا يقضي التشريف والتوقير والتعظيم في الصّلاة على سيّدنا محمّد ﷺ وإيثار ذلك على تركه، ويقال في الصّلاة وغيرها إلاّ حيث تعبّد بلفظ ما روي، فيقتصر على ما تعبّد به، أو في الرواية فيؤتى بها على وجهها. وقال البرزلي: ولا خلافَ أنّ كلّ ما يقتضي التشريف والتوقير والتعظيم في حقّه ﷺ أنّه يقال بألفاظ مختلفة حتّى بلغها ابن العربي مئة فأكثر، وقال صاحب "مفتاح الفلاح" [باب تدريج السالك بالأذكار وكيفية تنقله في الأطوار، فصل، صـ۳۵]: "وإيّاك أن تتركَ لفظ السيادة؛ ففيه سرّ يظهر لمَن لازم هذه العبادة" ["مَطالع المسرّات" فصل، صـ۱۷۰].

=

=

مسئلہ ثامنہ۸: علماء فرماتے ہیں: درود نماز میں "إنك حميد مجيد" سے پہلے لفظ "ربّنا" کسی حدیث میں نہ آیا، مگر زیادہ کرے تو حرج نہیں؛ کہ آخر ذکرِ خداوند و دُعا ہے۔ "منیہ" و "غنیہ" میں ہے: "(لا يقول) بعد قوله: (في العالمين ربّنا إنّك حميد مجيد)؛ لعدم وُروده في الأحاديث (و لو قال:) ذلك (لا بأسَ به)، أي: لا يكره؛ إذ هو زيادة نداء لله تعالى، ولا ضررَ له، ولا تغيير فيه للمعنى، وإن كان الأولى تركه لعدم الورود" ["الغنية" صـ٣٣٦].

مسئلہ تاسعہ۹: امرِ روایت کس قدر محلِّ شدّت احتیاط ہے، اُس میں کسی ایسی چیز کی زیادت جس کا اصل میں پتا نہیں اصلاً رَوا نہیں، مگر تعظیم خدا اور رسول و بندگانِ مقبول عزّ جلالہ و صلّی اللہ تعالی علیہ وعلیہم وسلّم وہ عظیم شے ہے کہ ائمۂ دین نے تصریح فرمائی: نامِ اقدس حضرت عزّت عزّ جلالہٗ کے ساتھ عزّوجلّ، نامِ پاک حضور پُر نور صلوات اللہ تعالی وسلامہ علیہ کے ساتھ ﷺ، اسمائے طیبہ اہلِ بیت کرام وصحابۂ عظام رضوان اللہ تعالی علیہم کے ساتھ رضی اللہ تعالی عنہم وأمثال ذلک ضرور پڑھے، اگرچہ روایت میں نہ ہو، نقل کتبِ حدیث وغیرہ میں ضرور بڑھادے، اگرچہ اصل میں نہ ہو، نامِ پاک کے ساتھ پورا ﷺ لکھے (نہ سَفیہوں، جاہلوں، محروموں، کسل مندوں کی طرح "ؐ یا عم یا صلعم یا صللم وغیرہ مہملاتِ المِ غلم) اور فرماتے ہیں: جو اس سے غافل رہا خیرِ عظیم وفضلِ جسیم سے محروم ہوا، والعیاذ باللہ تعالی!۔

امامِ آجل ابو زکریا نووی رحمہ اللہ مقدمہ "شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں: "يستحبّ لكاتب الحديث إذا مرّ بذكر الله ﷻ أن يكتبَ عزّ وجل، أو تعالى، أو سبحانه وتعالى، أو تبارك وتعالى، أو جلّ ذكره، أو تبارَكَ اسمُه، أو جلّت عظَمتُه، أو ما أشبه ذلك، وكذلك يكتب عند ذكر النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم بكمالها، لا رامزاً إليها، ولا مقتصراً على أحدهما، وكذلك يقول في الصحابي: رضي الله تعالى عنه، وإن كان صحابيًا ابن صحابي قال: رضي الله تعالى عنهما، وكذلك يترضّى ويترحّم على سائر العلماء والأخيار، ويكتب كلّ هذا وإن لم يكن مكتوباً في الأصل الذي ينقل منه، فإنّ هذا ليس روايته، وإنّما هو دعاء، وينبغي للقارئ أن يقرأ كلّ ما ذكرناه وإن لم يكن مذكوراً في الأصل الذي يقرأ منه، ولا يسأم مَن تكرّر ذلك، ومَن أغفل هذا حرمَ خيراً عظيماً، وفوّت فضلاً جسيماً".

=

مسئلۂ عاشرہ ۱۰: منافعِ خاصہ کے لیے اذکارِ مخصوصہ جو ارشاد ہوئے اُن میں تغییر تبدیل کی گنجائش نہیں؛ کہ وہ برکات انہیں الفاظِ کریمہ ونظمِ معیّن سے وابستہ ہیں، ولہٰذا جب حضور اقدس ﷺ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو ایک دعا تعلیم فرمائی کہ سوتے وقت باوضو دہنی کروٹ پر لیٹ کر پڑھیں پھر بات نہ کریں، اور فرمایا: «فإن مُتَّ من ليلتك، متَّ وأنت على الفطرة» "اس رات مروگے تو اسلام پر مروگے"، اُس کے آخر میں یہ کلمات تھے: «آمنتُ بكتابك الذي أنزلتَ، وبنبيّك الذي أرسلتَ» براء رضی اللہ عنہ نے یاد کرنے کو حضورِ پُر نور ﷺ کے حضور میں اُس کا اعادہ کیا بجائے «بنبيّك الذي أرسلتَ» زبان سے "برسولك الذي أرسلتَ" نکلا، حضور نے فوراً روک دیا، اور فرمایا: یوں کہہ: «بنبيّك الذي أرسلتَ» ["صحيح مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب الدعاء عند النوم، ر: ٦٨٨٢، صـ١١٧٧، ١١٧٨].

امام نووی "شرح صحیح مسلم" میں زیرِ حدیث مذکور فرماتے ہیں: "اختار المازري [أي: في "المعلم بفوائد مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، تحت ر: ١٢١٦، ٣/ ١٨٧] وغيره [انظر: "إكمال المعلم بفوائد مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب ما يقول عند النوم وأخذ المضجع، تحت ر: ٢٧١٠، ٨/ ٢٠٩] أنّ سببَ الإنكار أنّ هذا ذكر ودعاء، فينبغي فيه الاقتصار على اللفظ الوارد بحروفه، وقد يتعلّق الجزاء بتلك الحروف، ولعلّه أوحي إليه ﷺ بهذه الكلمات، فيتعيّن أداؤها بحروفها، وهذا القول حسن" ["شرح صحيح مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب الدعاء عند النوم، الجزء ١٧، صـ٣٣].

بایں ہمہ ائمہ فرماتے ہیں: جن ادعیۂ قضائے حاجت وغیرہا میں سیّدِ عالم ﷺ کو نام پاک لے کر ندا آئی ہو جیسے حدیثِ صحیح: «يا محمّد! إنّي أتوجّه بك إلى ربّي» [انظر: "المسند" لأحمد، مسند الشاميّين، حديث عثمان بن حنيف رضي الله عنه، ر: ١٧٢٤١، ٦/ ١٠٧] "یارسولَ اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں"، وہاں چاہیے کہ نامِ پاک کی جگہ يا رسولَ الله، يا نبيّ الله وغیرہ صفاتِ کریمہ والقابِ عظیمہ کے ساتھ حضور کو ندا کرے؛ کہ نامِ پاک لے کر پکارنا بحکمِ قرآنِ عظیم منع ہے [پ١٨، النور: ٦٣].

=

امام ابنِ حجر فرماتے ہیں: "بلکہ یہ تبدیل واجب ولازم ہے" ["الجوهر المنظَّم" الفصل ۷، صـ۵۳، ۵٤].

امام قسطلانی "مَواہبِ لدُنیہ" میں فرماتے ہیں: "قال الشيخ زين الدّين المراغي وغيره: والأَولى أن ينادىَ: "يا رسولَ الله" وإن كانت الرواية "يا محمد" انتهى. وقد نبّهت على ذلك مع مزيد بيان في كتاب "لوامع الأنوار في الأدعيّة والأذكار". ["المواهب اللدُنيّة" المقصد ۱۰، الفصل ۲ زيارة قبره ومسجده، صيغة السلام عليه ﷺ، ٤/ ٥٨٤].

علّامہ شِہاب خفاجی "نسیم الریاض شرحِ شفائے قاضی عیاض" میں زیرِ حدیث: "(ابن أبي فديك مَن وقف عند قبر النّبي ﷺ وقال هذه الآية: ﴿إِنَّ اللهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ﴾... الآية، ثمّ قال: صلّى الله عليك يا محمّد! سبعين مرّةً، ناداه ملك: صلّى الله عليك يا فُلان، ولم تسقط له حاجة)" "دُرِّ منظم" سے نقل فرماتے ہیں: "لا دليلَ فيه لجواز ندائه ﷺ باسمه، فقد صرّحَ أئمّتُنا بحرمة ذلك، لما في النداء بالاسم من ترك التعظيم، إذ مثله يقع من بعضنا لبعض، قال أئمّتنا: وإنّما ينادي بنحو "يا نبيَّ الله، يا رسولَ الله" فقول الزّين المراغي ﷺ: الأَولى لمن عمل بالأثر أن يقولَ: "يا رسولَ الله" وهمٌ، بل الصواب أنّ ذلك واجبٌ لا أَولى. انتهى" ["نسيم الرياض" القسم ۲ فيما يجب على الأنام من حقوقه ﷺ، ٥/ ١٠٣] اهـ باختصار. بات یہ ہے کہ یہ باتیں وہ سمجھتے ہیں جو اللہ ورسول کی ثناو تعظیم کی قدر جانتے ہیں، وہابیہ کہ اس دَولت سے محروم ہیں، ناچار محبوباتِ شرع کو اپنے مذہبِ ناپاک کی طرح بدعت مانتے ہیں۔

فائدہ: امام محقق علی الاطلاق محمد بن الہمام نے "فتح" میں تلبیہ وتشہد کے فرق میں کہ اوّل پر زیادت جائز، دُوم پر ناجائز ارشاد فرمایا: "بخلاف التشهّد؛ لأنّه في حرمة الصّلاة، والصّلاة يتقيّد فيها بالوارد؛ لأنّها لم تجعل شرعاً كحالة عدمها، ولذا قلنا: يكره تكراره بعينه، حتّى إذا كان التشهّد الثاني قلنا: لا تكره الزيادة بالمأثور [أقول: احترز به عمّا يشبه كلامَ النّاس، وأراد ما لم يرد في هذه الخصوص، وإلاّ لم تكن زيادة كما لا يخفى. منه [أي: من الإمام أحمد رضا]؛ لأنّه أطلقَ فيه من قِبل الشّارع نظراً إلى فراغ أعمالها" ["الفتح" كتاب الحجّ، باب الإحرام، ۲/ ٣٤٣].

=

نواں۹ مغالطہ: جسے متکلّم قنّوجی اس عبارت سے لکھتے ہیں: "چون علماء از ابتدائے ایجادِ این عمل تا ایندم مختلف اند در بدعت ومُباح بودنش پس این عمل مترِدّد بین البدعۃ والمباح باشد، وعلماء تصریح کردہ اند کہ چون امر متردّد شود در بدعت وسنّت واجب الترک بود، پس چہ جائے آنکہ متردّد شود در بدعت ومباح وما هو واجبُ الترك فأدناه مكروه"۔

=

دیکھیے! کیسی صریح تصریح ہے کہ توقیف صرف اُن افعال سے مخصوص جو وسطِ نماز میں واقع ہیں، یہاں تک کہ تشہدِ ثانی پر زیادت جائز، اگرچہ ابھی سلام نہ پھیرا؛ کہ اب اعمالِ نماز ختم ہوگئے۔ وہابیہ کی جہالت کہ مطلق ذکر وتعظیمِ خدا ورسول جلّ جلالہ وﷺ کو مقید بتوقیف کیے دیتے ہیں،اور بڑھ کر سنیے! علاّمہ اکمل الدین بابرتی "عنایہ شرحِ ہدایہ" مبحثِ مذکور میں فرماتے ہیں: "الجواب عن التشهّد والأذان أنّ التشهّد في تعليمه زيادة التأكيد، قال ابن مسعود رضي الله عنه: «كان رسول الله ﷺ يعلّمنا التشهّد كما يعلّمنا السورة من القرآن» [انظر: "المصنّف" لابن أبي شَيبة، كتاب الصّلوات، من كان يعلّم التشهّد ويأمر بتعليمه، ر: ٣٠٠٤، ١/ ٢٦٢]، فالزيادة تخلّ به بخلاف التلبية؛ لأنّها للثناء من غير تأكيد في تعليم نظمه، فلا تخلّ بها الزيادة، والأذان للإعلام، وقد صار معروفاً بهذه الكلمات، فلا يبقى إعلاماً بغيرها".

["العناية" كتاب الحجّ، باب الإحرام، ٢/ ٣٤٢].

ان امامِ اجل نے توآپ کے اِدّعائے اَصالتِ توقیف کاجھگڑا ہی کاٹ دیا،وہ صراحۃً ارشاد فرماتے ہیں کہ اذان وتشہد پر زیادت جو نارَوا ہوئی اُس کی وجہ یہ ہے کہ دلیلِ شرعی اُن کی تحدید پر قائم ہے، تشہد نبی ﷺ نے صحابہ کو اُس اہتمام سے سکھایا جس طرح قرآنِ مجید کی سورت، تو معلوم ہوا بعینہٖ یہ نظم منظور ہے، اور اذان اِعلامِ نماز کے لیے اِنہیں الفاظ سے معروف ہوگئی، اگر لفظ بدلے جائیں کم وبیش ہوں، توکوئی اُسے اذان نہ سمجھے گا، اور مقصودِ اعلام حاصل نہ ہوگا۔ یہ وجوہ ان میں باعثِ تحدید ہیں، تلبیہ میں اس قسم کی کوئی وجہ ثابت نہیں، اُس سے ثنائے الٰہی مقصود ہے، توجس طرح ثنا حاصل ہوادا ہوجائے گی، اس سے صاف ثابت کہ اَذکار ونحوہا میں اصل عدمِ توقیف ہے، جب تک توقیف پر دلیل نہ ہو ہرگز محدود نہ رکھیں گے، اب اپنی دلیلِ ذلیل کی خبریں کہیے۔ (امام احمد رضاخان)

اَقول: ایک بات بھی صحیح نہیں، نہ زمانۂ ایجاد مولد میں کسی عالم سے انکار ثابت، بلکہ جس زمانے میں علماء ومشائخ نے اس فعل کو پسند کیا، اور اُس میں شریک ہوئے، فاکہانی وغیرہ مانعین پیدا بھی نہ ہوئے تھے، اور بعد اتفاق کے انکار فاکہانی وغیرہ کا قابلِ اِلتفات نہیں، اور نہ ایک دو شخص کے خلاف سے اختلاف متحقق ہو، ورنہ کمتر کوئی مسئلہ اختلاف سے محفوظ رہے گا، اور ہزاروں افعال جن کے استحسان واِباحت پر مانعین بھی متفق ہیں متردّد فیہا واجبُ الترک ٹھہریں گے، اور بے شمار اشیاء جو باتفاقِ فریقین حلال ہیں، مکروہ وحرام ہوجائیں گی، ایک قولِ شاذّ مخالف[1] جُمہور، وہ بھی مضطرب ومخدوش بمقابلۂ جماعت وسوادِ اعظم

---

(۱) **ظلمِ فتوحی:** مسلمانو اس سخت تعصب کو دیکھو! اس اکبر متکلمینِ طائفہ کو اپنی کتاب "تفہیم المسائل" میں صاف اعتراف ہے کہ جُمہور علماء استحسان مجلسِ مبارک کے قائل ہیں، صرف بعض کو خلاف ہے، اگرچہ بکمال حیاداری وہاں اس زخم بہ ناشدنی پر یوں پٹی چڑھائی کہ "مارا نظر بر قوت دلیل باید نہ بر کثرتِ اقوال" ص ۱۷۰۔ جی آپ ایسے ہی تیرہویں صدی کے مجتہد زادے ہیں! آپ کو اتباعِ جُمہور کیا ضرور؟!

ظلمِ دوم ۲: اس سے بڑھ کر حیف وستم دیکھیے! مسئلۂ استعانت باولیائے کرام میں جو عبارت حضرت شیخ محقق دہلوی میں ایک جگہ یہ لفظ واقع ہوگیا: "منکر شدہ اند انرا بسیارے از فقہاء" اس پر حضرت اسی "تفہیم" میں کیا کیا اُچھلے ہیں کہ جماعتِ کثیر کا اِتباع واجب ہے، لازم ہے، حدیثوں سے ثابت ہے کہ جو جُمہور کا خلاف کرے گا جہنّم میں جائے گا، اُس نے اسلام کی رسّی اپنی گردن سے نکال دی، ص ۶۱ و ۶۲ "پُر ظاہر کہ کثرت مرجح است چہ اتّباع عامّۂ فقہاء واجب است قال رسول الله ﷺ: «اتبعوا السواد الأعظم؛ فإنّه مَن شذّ شذّ في النّار»، وقال ﷺ: «مَن فارق الجماعة شبراً، فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه» [انظر: "سنن أبي داود" كتاب السنّة، باب في الخوارج، ر: ٤٧٥٨، صـ٦٧٣]، شیخ عبد الحق در "ترجمۂ مشکاۃ" می نویسد: "اشارت است بآن کہ معتبر اتباعِ اکثر وجُمہور ست، پس صاف واضح شد کہ اتباعِ کثیر لازما است" ["اشعۃ اللمعات" "کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث، ۱/۱۵۷] اھ ملخصاً۔

حالانکہ حضرت شیخ نے اُسی کتاب میں دوسری جگہ اعنی: کتاب الجہاد میں یوں فرمایا تھا: "منکر شدہ اند آنرا بعض فقہاء" ["اشعۃ اللمعات" "کتاب الجہاد، باب حکم الاسراء، الفصل الاوّل، ۳/۴۲۲] اور آخر کلام میں اُن کا پتا بھی صاف بتادیا تھا کہ وہ

اُمت پیش کرنا، اور اُسے ذریعۂ تردّد ٹھہرانا، پھر اُس کا نام اختلاف رکھنا شیوہ اہلِ بدعت واَہواء کا ہے، بلکہ جب انکار انعدامِ اصل پر مبنی تھا، بعد ثبوتِ اصل کے کان لم یکن ہوگیا، اختلاف کہاں؟! اور مقابلہ کیسا؟!۔

اور بعض علماء کی طرف نسبت ممانعت کی محض غلط، بعض کا مطلب مانعینِ عصر مطلق نہ سمجھے، بعض کا وجود عالم میں ثابت نہ کر سکے، اور "قولِ معتمد" جیسی غیر معتمد کتاب سے استناد بمقابلۂ "سیرتِ شامی" اور اسی طرح "شرعۃ الہیۃ" و"ذخیرۃ السالکین" وغیرہ کا بمقابلہ اس ثبوتِ کامل کے نام لینا نری جرأت وبے باکی ہے، اور اس عملِ مبارک کو باوصف اس کے کہ جملہ قائلینِ استحباب واستحسان کی تصریح کرتے رہے، اُن کے طور پر صرف مُباح ٹھہرانا افتراء پردازی ہے۔

=

منکِرین اس زمانے کے نَوپیدا شدہ کٹھ مُلّا ہیں، نہ کہ (معاذ اللہ) سلَفِ صالح کے ائمۂ ہُدیٰ، حیث قال: "کلام درین مقام بحد اطناب وتطویل کشید بر زعم منکران کہ در قرب این زمان فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد واستعانت را از اولیائے خدا" ["أشعّۃ اللمعات" "کتاب الجھاد، باب حکم الاسراء، الفصل الاوّل، ۳/۴۲۳]۔۔۔ الخ اور اُن کا ردّ بلیغ فرمایا، اور انہیں منکِر ومتعصب ونامعتقدِ اولیاء بتایا، یہاں جو مجلسِ مبارک کی باری آئی اب نہ اِتباعِ جُمہور واکثر کا وجوب یاد رہا! نہ جہنّم میں جانے کا اندیشہ آیا! نہ اسلام کی رسّی گردن سے نکال دینے کا کچھ غم کھایا! شرم! شرم! شرم!

ظلمِ سوم وہاں تو حیاء کا پارا گرمیٔ تعصب سے اوّل نمبر پر ہے، ص ۲۶ پر "قولِ معتمد" مجہول ونامعتمد کے نام سے یہ عبارت گڑھ دی: "قد اتّفق علماء المذاهب الأربعة بذمّ العمل" "چاروں مذہب کے علماء (معاذ اللہ) اس عملِ مبارک کی مذمت پر متفق ہیں" إنّا لله وإنّا إليه راجعون! اب وہ خلاف واختلاف سب بالائے طاق! بنا بنایا سب کا اتفاق! بھلا بہادر ہو تو اتنا تو ہو! غرض کہ دین اپنے گھر کا ہے، جب جیسی چاہی بنالی! مسلمانو دیکھا! اپنا مذہب پالنے کے لیے ان کے بڑے بڑوں کی یہ کوتک ہیں، والعیاذ باللہ ربّ العالمین! ع مذہب معلوم واہلِ مذہب معلوم (امام احمد رضا خان)

اور حوالہ ابنِ ہمام[1] اثباتِ قاعدہ کے لیے کھلی کار سازی ہے، وہی امام[2] ابن الہمام الفاظِ تلبیہ پر قدرِ ماثور سے زیادتی جائز، اور تشہد کا اُس پر قیاس غیر صحیح و مع الفارق ٹھہراتے ہیں، اور باب زیارت شریف میں جو لکھتے ہیں، متکلّم صاحب بہادر اُسے بہیئت مخصوصہ سنّت[3] سے ثابت کردیں! یا اپنی نافہمی

---

(۱) أقول وباللہ التوفیق: صورتِ اختلاف کو اس قاعدۂ تردّد میں داخل ٹھہرانا، اور بوجہِ اختلاف ترکِ فعل واجب بتانا، جو اس نجدیِ قتّوج نے اپنے جی سے گڑھا، اور اُس کا افتراء امام ابن الہمام پر جڑا، امام علاّم رحمہ اللہ صراحۃً اس مزعومِ ملوم کا رد فرماتے، اور صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ اختلاف کا یہ اثر ماننا محض بے اصل وخلافِ اجماع ہے، اختلاف کے باعث قضیۂ دلیلِ راجح متروک نہیں ہوسکتا۔ "فتح القدیر" میں ہے: "هذا الكلام ينبؤ عن القواعد؛ فإنّ الإجماعَ على وجوب العمل بالراجح من الدليلَين، وترك المرجوح وكونه له مخالف، ولا إجماع لا يوجب، بل لا يجوز النزول عن مقتضاه، وإلاّ فكلّ خلافية من المسائل كذلك" ["الفتح" كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها، ۵/ ۲۲۵] اھ باختصار. اگر کہیے یہ تو اختلاف مجتہدین میں ہے، اور مجلسِ مبارک میں قولِ جواز مجتہد سے نہیں۔ أقول أوّلاً: قولِ منع کب کسی مجتہد سے ہے؟ جب مجتہدین کا اختلاف وجوبِ ترک کا اثر نہیں ڈالتا، تو غیر مجتہد کا خلاف کیا چیز ہے؟!

ثانیاً: یہ مستدِلّین ان دلائل سے استدلال کے صالح ہیں یا نہیں؟، اگر ہاں تو فرق رائیگاں، ورنہ اختلاف ہی کہاں؟! اور سرے سے بنائے مغالطہ ہی باطل وبے نشان!۔ (امام احمد رضا خان)

(۲) یعنی باآں کہ مسئلہ تلبیہ میں اختلافِ ائمہ ہے، كما مرّ عن "الهداية" مگر امام ابن الہمام نے اُسے واجب الترک نہ بتایا، بلکہ جواز ہی کو ثابت ومدلّل فرمایا [أي: في "الفتح" كتاب الحجّ، باب الإحرام، ۲/ ۳۴۳] تو اُن کی طرف اس مرادِ مخترع کی نسبت محض افتراء۔ أقول: یہ ایک مثال تھی، ورنہ امام ممدوح صاف فرما چکے کہ ہر مسئلۂ خلافیہ کا یہی حال ہے، مختلف فیہ ہونے کا یہ اثر اصلاً نہیں کہ خواہی نخواہی واجب الترک کردیں۔ (امام احمد رضا خان)

(۳) یعنی جب ثبوت خصوص نہیں تو وہی دلائلِ منکرین جو مسئلۂ مجلسِ مبارک میں انہیں باعثِ اختلاف ہوئیں، یہاں بھی جاری ہوکر اُسی اختلاف کا شگوفہ کھلتا، اور وجوبِ ترک کا حکم ملتا، جسے امام ہمام کا یہ مبارک کلام کیسا ردّ بلیغ فرما رہا ہے! اب دو حال =

یا مُغالطہ پردازی کا اقرار کریں! بلکہ وہ تو وہاں صاف یہ قاعدہ باندھتے ہیں کہ "كلّ ما كان أدخل في الأدب والإجلال كان حسَناً"[1] "جو بات جس قدر ادب و تعظیم میں زیادہ دخل رکھے بہتر ہے"۔

"شرحِ لُباب"[2] وغیرہ[3] میں بھی علماء اسی قاعدہ نفیسہ کی تصریح فرماتے ہیں، امام ممدوح[4] نے مسئلۂ رفعِ سبّابہ میں بہت مشائخ سے نفی اُس کی نقل فرمائی، باوصف اس کے ترک کو اَولیٰ بھی نہ ٹھہرایا، وجوب کیسا؟! مسحِ[5] رقبہ و نمازِ چاشت کے بدعت و سنّت ہونے میں اختلاف ہے، پھر کیا علماء انہیں

=

سے خالی نہیں، یا تو وہ دلائل محض بیہودہ و باطل اور التفات کے ناقابل ہیں، جو منکرین کو انکار مجلسِ مبارک پر حامل ہیں، جب تو مقصود اعلیٰ وجہ پر حاصل، ورنہ یہ اختلاف پر ایجابِ ترک کا مغالطۂ فاسدہ زائل۔ (امام احمد رضا خان)

(۱) "الفتح" كتاب الحجّ، باب الهدي، مسائل منثورة، ۳/ ۹٤.

(۲) أي: "المسلك المتقسّط" باب زيارة سيّد المرسلين ﷺ، فصل، صـ٥٠٥.

(۳) انظر: "مجمع الأنهر" كتاب الحجّ، باب الهدي، ومن المهمّات، ۱/ ٤٦٣.

(٤) أي: في "الفتح" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۱/ ۲۷۲.

(٥) أقول: كلمات بلغن قاموس البحر اعلیٰ حضرت تاج المحققین قدّس اللہ سرّہ الامین نے ان کلماتِ معدودہ سے دریا کوزے میں بھرا ہے، مغالطۂ قنّوجی کے رَد میں اوّلاً اُس کے تین ۳ کذب و اِفتراء ثابت فرمائے: مجلسِ مبارک میں بجائے خلاف اختلاف بتانا ایک اِفتراء، روزِ شیوع سے مختلف فیہ کہنا دوسرا ۲ اِفتراء، امام ابن الہمام کی مراد وہ مزعوم واضح الفساد بتانا تیسرا ۳ اِفتراء، اور اُن بڑے دَروغوں میں ایک ننھا سا جھوٹ وہ بھی تھا کہ مجلسِ مبارک ماننے والوں کا مذہب صرف اِباحت کہا، اِفترائے سوم ۳ کا ثبوت مسئلۂ تلبیہ، و مسئلۂ آدابِ زیارتِ کریمہ، و مسئلۂ رفعِ سبّابہ میں تحقیقاتِ امام ابن الہمام سے ارشاد ہوا، اور چوتھا ۴ ثبوت اَعمّ و اَشمل فقیر غفرلہ القدیر نے گزارش کیا۔

اب ردِّ اصل مغالطہ کی طرف چلیے جس کا حاصل یہ قیاس سراپا وسواس کہ مجلسِ مبارک ہمیشہ سے بدعت و اباحت میں مختلف فیہ ہے، اور ایسی شے واجب الترک ہے، تو (معاذ اللہ) مجلسِ مبارک واجبُ الترک ہے، اعلیٰ حضرت نوّر اللہ مرقدہ

=

واجبُ الترک بتاتے ہیں؟ ! فقہاء صدہا جگہ بعد نقلِ اختلاف فعل کو جائز و مُباح ٹھہراتے ہیں، بلکہ (۱) علماء

=

نے انہیں معدود سطروں میں اس مغالطۂ غالطہ کے دس رَد ارشاد فرمائے: رَدِّ اوّل ۱: یہاں ہرگز اختلاف نہیں صرف خلاف ہے، جس کا ثبوت فقیر نے خود انہیں بزرگوار کی "تفہیم" سے تفہیم کر دیا۔

رَدِّ دُوم ۲: وہ جو کچھ ہے ہمیشہ سے زنہار نہیں، بعد کو حادث ہوا، اور بعد اتفاق سابق اختلافِ لاحق محض لاحَق بفتح "حا" ہے، یہ دونوں رَد متعلق بصغریٰ تھے، کہ ردِ افتراءات کے ضمن میں گزرے، باقی اُن کی کبریٰ پر وارد ہیں، جن میں ردِّ سوم ۳ یہ ارشاد والا ہے کہ "مسح رَقبہ و نمازِ چاشت"۔۔۔ الخ تقریر اس کی واضح و ظاہر ہے، اور حاصل اُس کا منع قاہر؛ کہ یہ دو ۲ اور ان کے سوا صدہا مسائل اُس کے لیے سندِ باہر، خواہ اُسے نفسِ مقدمہ سے متعلق کیجیے، یا اس کی دلیل و تمسک بقول فقہاء سے، اب تقریر یہ ہوگی کہ فقہاء کی یہ مراد ہونا بداہۃً ممنوع، اور ہنگامِ اِظہار سند ان مسائل کثیرہ سے مردود و مدفوع۔

أقول: بوجہِ اختلاف بدعت و اباحت میں تردّد کے سبب وجوب ترک کا یہی منشا ہے کہ جب جواز و منع میں تردّد ہوا، جانبِ منع کو غلبہ ہے، جس پر خود عبارتِ منقولہ قنّوجی شاہد کہ: لأنّ تركَ البدعة لازم، وأداء السنّة غير لازم، تو کچھ اختلاف بلفظ بدعت و سنّت، یا بدعت و اباحت ہی کی تخصیص نہیں، بلکہ جہاں جواز و عدم میں اختلاف پڑا اور فقہاء نے وجوب ترک نہ مانا، وہ سب مسائل اس مرادِ مخترع کے بُطلان پر شاہدِ عادل، ان کلمات شریفہ میں کہ "فقہاء صدہا جگہ"۔۔۔ الخ، اسی نکتہ لطیفہ کی طرف اشارہ ہے۔ (امام احمد رضا خان)

(۱) **أقول وباللہ التوفیق:** یہ ردِّ چہارُم ۴ ہے، اور اس کی تقریر دو ۲ وجہ پر ہے: بَروجہِ کلّی، وبشہادتِ جزئیاتِ فقہی۔

وجہِ کلّی یہ کہ علمائے کرام ["جامع الرُموز" مسئلہ صلاة الجنازه في المسجد میں قولِ ماتن: "لو وضع الميّت خارجه اختلف المشايخ" ["النقاية" كتاب الصّلاة، فصل، ق۲٦] کے متعلق لکھا: "في العدول عن الخلاف تنبيهٌ على أنّ لكلّ من طائفتَين دليلاً؛ فإنّه قول بلا دليل، بخلاف الاختلاف، فصلح للعمل مَا ذهب إليه كلّ منهما" ["جامع الرُموز" كتاب الصّلاة، فصل في الجنائز، ۱/ ۲۸۵، ۲۸٦] اس میں بھی تصریح ہے کہ اختلاف باعثِ رخصت و اجازت ہے، نہ کہ مستلزم ایجاب ترک۔ منہ [أي: من الإمام أحمد رضا] تصریح فرماتے ہیں کہ مسئلۂ مختلف فیہا منکرِ شرعی و معصیتِ دینی نہیں، نہ کہ (معاذ اللہ) اُسے ضلالت کہنا، جیساکہ

=

=

دابِ وہابیت ہے، کہ صریح جہالت وضلالت ہے۔ اگر علماء بوجہِ اختلاف متردّد فیہ ٹھہرا کر واجبُ الترک مان لیتے، تو منکَر ومعصیت نہ سمجھنے کے کیا معنی تھے؟! یہی امام ابن الہمام "فتح القدیر" مسئلہ صلاة الجنازة في المسجد میں فرماتے ہیں:

"الإنكار الذي يجب عدمُ السكوت معه هو المنكَر العاصي مَن قام به لا الفصول المجتهد فيها" ["الفتح" كتاب الصّلاة، باب الجنائز، فصل في الصّلاة على الميّت، ۲/ ۹۱].

امام علّامہ عارف باللہ سیّدی عبد الغنی نابلسی قدّس سرہ القدسی "حدیقہ ندیہ" فصلِ ثانی ۲، بابِ اوّل میں زیرِ قولِ ماتن رحمہ اللہ: "إذا أنكر عليهم بعض أمورهم المخالف للشرع الشريف" ["الطريقة المحمّديّة" الباب ۱ في الاعتصام بالكتاب، الفصل ۲ في البدع، صـ۱۰] فرماتے ہیں: "المراد لما هو المجمَع عليه بين المجتهدين كالزِنا، وشرب الخمر، والسرقة، وترك الصّلاة، وما أشبه ذلك، وأمّا ما لم يكن كذلك، فليس بمنكَرٍ، قال الإمام الغزالي في "الإحياء" [كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب ۲ في أركان الأمر بالمعروف وشروطه، الركن ۲: للحسبة ما فيه الحسبة، ۲/ ۳۵۳] في شروط المنكَر: "أن يكونَ كونه منكراً معلوماً بغير اجتهاد فكلّ ما هو في محلّ الاجتهاد فلا حسبة فيه، فليس للحنفي أن ينكِرَ على الشافعي أكلَه الضبّ والضبع ومتروك التسمية، ولا للشافعي أن ينكِرَ على الحنفي شربَه للنبيذ الذي ليس بمسكِرٍ"... إلى آخر ما بسّطه من الكلام في هذا المقام".

["الحديقة النديّة" الباب ۱، الفصل ۲ في بيان أقسام البدَع، ۱/ ۱۵۷].

اُسی میں ہے: "إنّما المنكَر ما وقع الإجماع على حرمته والنّهي عنه" ["الحديقة النديّة" الباب ۲، الفصل ۳، ۲/ ۳۰۹]. اُسی میں ہے: "لا ينبغي أن ينهيَ الواعظ عمّا قال به إمام من أئمّة المسلمين، بل ينبغي أن يقعَ النّهيُ عمّا أجمع الأئمّة كلّهم على تحريمه، والنهيُ عنه كالزّنا والرّبا والرّيا والطعن في أولياء الله تعالى بالجهل في مَعاني كلامهم، وإنكار كراماتهم بعد الموت، واعتقاد أنّ ولايتَهم انقطعت بموتهم، ونهي النّاسَ عن التبرّك بهم إلى غير ذلك من القبائح" ["الحديقة النديّة" الباب ۲، الفصل ۳، ۲/ ۱۵۱] اهـ مختصراً.

=

=

یہ جمیل کلام تو اس جلیل امام حکیم ملت، ناصحِ اُمت قدس سرہ نے طائفۂ تالفۂ وہابیت کی پیدائش سے پہلے براہِ کرامتِ خاص اُسی پر ردّ وملامت کے لیے تحریر فرمایا، ارشاد کرتے ہیں کہ "مختلف فیہ مسائل میں ممانعت نہ چاہیے، منع کے لائق صرف وہ باتیں ہیں جن کی حرمت پر اجماع ہے، جیسے زِنا وربا وریا اور اولیاء اللہ کا کلام نہ سمجھ کر اُن پر طعن کرنا، اور بعدِ وصال اُن کی کرامت کا منکر ہونا، اور یہ سمجھنا کہ انتقال سے اُن کی ولایت بھی جاتی رہی، اور لوگوں کو اُن کے مزاراتِ کریمہ سے برکت حاصل کرنے سے منع کرنا، یہ وہ بد باتیں ہیں جن کے حرام ہونے پر تمام اُمت کا اِجماع ہے"۔ کچھ سمجھے! خاک نہ سمجھے اور نہ کبھی سمجھو! حدیث آچکی ہے: [فائدہ: یہ حدیث "صحیح بخاری شریف" کی ہے، اور حسبِ تصریحِ علماء، مصدّدِ وہابیہ شیخنا وبرکتنا علامہ سیّدی احمد زَینی دَحلان مفتی ورئیس علمائے مکّہ معظمہ قدّس سرّہ الشریف اپنی کتاب مستطاب "الدرر السّنيّة في الردّ على الوهابيّة" [أخبار النّبي بابن عبد الوهّاب وأتباعه، صـ٣٤، ٣٥] میں فرماتے ہیں: "علامہ سیّد علوی بن احمد بن حسن بن قطبِ زمانہ سیّد عبد اللہ حدّاد باعلوی قدّس سرّہم نے ابنِ عبد الوہاب نجدی کے رَد میں ایک کتاب جلیل تالیف فرمائی مسمّٰی بہ "جلاء الظلام في الردّ على النّجدي الذي أضلَّ العوام" [الفصل ١٤، صـ٦٤ ملتقطاً] وہ فرماتے ہیں: "میں جب طائف کو مزار شریف حضرت سیّدنا عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، وہاں علاّمہ شیخ طاہر سنبل حنفی سے ملاقات ہوئی، اُنہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ایک کتاب اس طائفۂ وہابیہ کے رَد میں تالیف کی ہے، "الانتصار للأولياء الأبرار" اُس کا نام ہے، پھر فرمایا: لعلّ الله ينفع به مَن لم تدخل بدعةُ النجدي قلبَه، وأمّا مَن دخلت في قلبه، فلا يرجى فلاحُه؛ لحديث البخاري: «يمرقون من الدِّين ثمّ لا يعودون فيه»" ["صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب قراءة الفاجر والمنافق وأصواتهم وتلاوتهم لا تجاوز حناجرهم، ر: ٧٥٦٢، صـ١٣٠٥ ملتقطاً] "اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے اُسے نفع بخشے جس کے دل میں نجدی کی بدعت داخل نہ ہوئی، اور وہ کہ جس کے دل میں گھر کر گئی، اُس کی فلاح کی کچھ اُمید نہیں، "صحیح بخاری شریف" کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ دین سے نکل جائیں گے پھر اُس میں واپس نہ آئیں گے"۔ منہ [أي: من الإمام أحمد رضا] «ثمّ لا يعودون» وہابیہ دین سے نکل جائیں گے "اور پھر واپس نہ آئیں گے"، مقدّمۂ کتاب مستطاب میں "شرحِ مقاصد" سے گزرا: "خلافاً للمبطلين، حتّى

=

=

ربما جعلوا الاختلافَ في الفروع أيضاً بدعةً وضلالةً" ["شرح المقاصد" الفصل ۳ في الأسماء والأحكام، المبحث ۸، الجزء ۵، صـ۲۳۲ ملتقطاً] یعنی "اہلِ باطل فرعی مسائل مختلَف فیہا میں بھی بدعت وضلالت کا حکم لگادیتے ہیں"۔ "تحفہ اثناعشریہ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی" میں ہے: "ہر کہ باوجود این ہمہ قولِ جازم نماید بیباک وبے احتیاط است، وہمین است شان محتاطین از علمائے راسخین کہ در اجتہادیات مختلَف فیہا جزم باحد الطرفین نمی کنند"۔ ["تحفۂ اثناعشریہ" "باب ہفتم ۷ در امامت، ص۲۲۹]۔

قنّوجی صاحب اب توآپ کو سُوجھا کہ مختلَف فیہ ہونے کا کیا اثر ہوتا ہے! وہ جو تمہاری مراد ومدار دلیلِ فساد کا دَمار نکالتا ہے، منکرین کو کلماتِ علماء پر اطلاع ہوتی، اور خدا توفیق دیتا تو بالفرض اگر مجلسِ مبارک مختلَف فیہ بھی ہوتی، منکر ہو کر تفریق وتسفیر کے فتنے نہ جگاتے! ایک طرف جزم کر کے بے باک وبے احتیاط کے لقب نہ پاتے، ضلالت بتا کر خود اپنے لیے قعرِ ضلالت میں مقر نہ بناتے، ولكنّ الوهابيّةَ قومٌ لا يعقلون!.

شہادتِ جزئیات: وہ مسائلِ فقہیہ جن میں علماء نے باوصفِ ذکرِ اختلاف، بلکہ ترجیحِ خلافِ منع نہ چاہا، بلکہ منع کرنے سے منع فرمایا، جس نے صراحۃً وہابیہ کو مقاصدِ شرع سے ناواقف، بلکہ مَصالحِ شرع کا بدخواہ ومخالف بتایا، یہ مسائلِ کثیرہ ہیں، یہاں بنظرِ اختصار بعض پر اقتصار۔

مسئلۂ اُولیٰ وثانیہ۲: یہی دو۲ مسئلۂ دعا بجماعت بعد ختمِ قرآن، ودعا بعدِ ختم بماہِ رمضان کہ متن میں مذکور، جن پر فتاویٰ امامِ اجل میں باوصف خلافِ متقدّمین منع سے منع مسطور۔ "خزانة الفتاوى" [كتاب الكراهة، قـ١٣٤] پھر "فتاویٰ عالمگیریہ" میں ہے: "الدعاء عند ختم القرآن في شهر رمضان مكروه، لكن هذا شيء لا يفتى به" ["الهندية" كتاب الكراهية، الباب ٤ في الصّلاة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر والدعاء... إلخ، ٥/ ٣١٨] "ماہِ مبارک میں ختمِ قرآن کے وقت دعا مکروہ ہے، مگر یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر فتویٰ نہ دیا جائے گا"۔

مسئلۂ ثالثہ۳: عید الفطر میں جہرِ تکبیر مختلَف فیہ ہے، علمائے کرام اُس کا بدعت وخلاف حکمِ آیت ہونا بیان کر کے تقریر فرماتے ہیں کہ عامّہ کو اس سے منع کرنا نہ چاہیے۔ امام محقق ابن الہمام "فتح القدیر" [كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ٢/ ٤١ ملتقطاً] میں فرماتے ہیں: "الخلاف في الجهر بالتكبير في الفطر لا في أصله؛ لأنّه

=

=

داخل في عموم ذكر الله تعالى، فعندهما يجهر به كالأضحى، وعنده لا يجهر، وفي "الخلاصة" [كتاب الصّلاة، الفصل ٢٤ في صلاة العيدين، الجزء ١، صـ٢١٣] ما يفيد أنّ الخلاف في أصل التكبير، وليس بشيء؛ إذ لا يمنع من ذكر الله بسائر الألفاظ في شيء من الأوقات، بل من إيقاعه على وجه البدعة، فقال أبو حنيفة ﷺ: رفع الصّوت بالذكر بدعة يخالف الأمر من قوله تعالى: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ [پ٩، الأعراف: ٢٠٥]".

اس تمام کلام کے بعد فرمایا: "وقال أبو جعفر: لا ينبغي أن تمنع العامّة من ذلك؛ لقلّة رغبتهم في الخيرات" ["الفتح" كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ٢/ ٤١] اور اسے مقرر رکھا، اور "غنیہ" میں اس قدر اور زائد کیا: "وبه نأخذ" ["الغنية" صلاة العيد، صـ٥٦٧] "ہم اسی پر عمل کرتے ہیں"۔ بلکہ اُس میں تو وہ سب کلام لکھ کر تصریح فرمائی کہ نزاع صرف افضلیت میں ہے، ورنہ جہر اصلاً مکروہ بھی نہیں، حیث قال: "والذي ينبغي أن يكونَ الخلاف في استحباب الجهر وعدمه، لا في كراهة وعدمها، فعندهما يستحبّ، وعنده الإخفاء أفضل" ["الغنية" صلاة العيد، صـ٥٦٧] اور خود "صغیری" میں اس پر جزم کیا: "الخلاف في الأفضليّة، أمّا الكراهة فمنتفية عن الطرفين" ["شرح المنية الصغير" فصل في صلاة العيد، صـ٣٢٢] "ردّ المحتار" میں اسے نقل کرکے مقرر رکھا، یہی مضمون کہ "عامّہ کو اس سے منع نہ کیا جائے" ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: كلمة لا بأس" قد تستعمل في المندوب، ٥/ ١٥١]، "تبیین الحقائق" [كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، الجزء ١، صـ٢٢٤]، و"دُرر الحکّام" [كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ١/ ١٤٢]، و"بحر الرائق" [كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ٢/ ٢٨٩]، و"مجمع الانہر" [كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ١/ ٢٥٦]، و"درّ مختار" [كتاب الصّلاة، باب العيدين، ٥/ ١٥١] وغیرہا [انظر: "حاشية الشلبي على التبيين" كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، الجزء ١، صـ٢٢٤] کتبِ کثیرہ میں ہے۔

=

=

مسئلہ رابعہ۴: عشرۂ ذی الحجہ میں سرِ بازار عام لوگوں کا بآوازِ بلند تکبیر کہتے پھرنا کہ مقدمۂ کتاب مستطاب میں "دُرِّ مختار" و"بحر الرائق" و"مجتبیٰ" وغیرہا سے گزرا، "بحر" [كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ۲/ ۲۸۹] میں اُسے "ظہیریہ" [كتاب الصّلاة، الباب ٦ في الجمعة والعيدين وأيّام التشريق... إلخ، الفصل ٢ في صلاة العيد، ق۳۹] سے بھی نقل کیا، اور "مجتبیٰ" [كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، تكبير التشريق، ١/ ق٧٤] سے لائے: "لا تمنع العامّة عنه، وبه نأخذ" "عام لوگ اس سے منع نہ کیے جائیں، ہم اسی پر فتویٰ دیتے ہیں"۔ "رحمانیہ" میں "ذخیرہ" سے ہے: "به أخذ الفقيه أبو اللّيث" "اسی کو امام ابو اللیث نے اختیار فرمایا"۔

مسئلہ خامسہ۵: "عالمگیریہ" میں "محیط" ["المحيط البرهاني" كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل ٣٢ في المتفرّقات، ٦/ ١٦١] سے ہے: "قال الفقيه أبو جعفر: وسمعت شيخي أبا بكر يقول: سئل إبراهيم عن تكبير أيّام التشريق على الأسواق والجهر بها؟ قال: ذلك تكبير الحوكة، وقال أبو يوسف ﷫: إنّه يجوز. قال الفقيه: وأنا لا أمنعهم عن ذلك" ["الهندية" كتاب الكراهية، الباب ٤ في الصّلاة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر والدعاء ورفع الصوت عند قراءة القرآن، ٥/ ٣١٩] یعنی "امام فقیہ ابو جعفر نے فرمایا: میں نے اپنے استاذ امام ابو بکر سے سنا کہ فرماتے تھے: امامِ اجل ابراہیم سے بازاروں میں ذی الحجہ کی گیارہویں ۱۱، بارہویں ۱۲، تیرہویں ۱۳ تاریخ بآوازِ بلند تکبیر کہنے کا مسئلہ پوچھا گیا؟ فرمایا: یہ جولاہوں کی تکبیر ہے، امام ابو یوسف نے فرمایا: جائز ہے، فقیہ ممدوح نے فرمایا: میں انہیں اس سے منع نہ کروں گا"۔

مسئلہ سادسہ۶: جمہور علماء روزِ عید قبلِ نماز مطلقاً اور بعدِ نماز عیدگاہ و مسجد میں نوافل پڑھنے کو مکروہ و بدعت بتاتے ہیں، بایں ہمہ فرماتے ہیں: عوام کو اس سے منع نہ کیا جائے، کبھی پڑھیں اور کہیں پڑھیں، "دُرِّ مختار" میں "بحر الرائق" ["البحر" كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ۲/ ۲۷۹، ۲۸۰] سے ہے: "(لا يتنفّل قبلها مطلقاً وكذا بعدها في مصلاّها) فإنّه مكروه عند العامّة وهذا للخواص، أمّا العوام فلا يمنعون من تكبير ولا تنفّل أصلاً؛ لقلّة رغبتهم في الخيرات" ["الدرّ" كتاب الصّلاة، باب العيدين، ٥/ ١١١، ١١٦-١١٨] اهـ بالالتقاط. "عنایہ شرحِ ہدایہ" میں ہے: "روي أنّ عليّاً خرج إلى المصلّى فرأى قوماً

=

يصلّون، فقال: ما هذه الصّلاة التي لم نكن نعرفها على عهد رسول الله ﷺ؟! فقيل له: ألا تنهاهم؟ فقال: أكره أن أكون الذي ينهى عبداً إذا صلّى" ["العناية" كتاب الصّلاة، باب العيدين، ٢/ ٤٢]یعنی "مروی ہے کہ مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ عید گاہ کو تشریف لے گئے، لوگوں کو نفل پڑھتے دیکھا، فرمایا: یہ کیا نماز ہے جو زمانۂ رسالت میں معروف نہ تھی؟! کسی نے کہا: آپ انہیں منع کیوں نہیں فرمادیتے؟ ارشاد فرمایا: مجھے گوارا نہیں کہ میں وہ بنوں جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے"۔ اسی طرح "تفسیرِ کبیر" [العلق، تحت الآية: ١٠، ١١/ ٢٢٢] میں ہے۔

أقول: یہ حدیث اجلّۂ ائمۂ محدّثین امام اسحاق بن راہویہ وامام بزّار نے اپنی "مسانید"، اور زاہر نے "تحفۂ عید الفطر" [أي: جزء تحفة عيد الفطر، ر: ٤٧، صـ١١٩] میں علاء بن بدر سے روایت کی: "قال: خرج علي رضي الله عنه في يوم عيد، فرأى ناساً يصلّون، فقال: يأيّها النّاس قد شهدنا نبي الله ﷺ في مثل هذا اليوم، فلم يكن أحدٌ يصلّي قبل العيد أو قبل النّبي ﷺ، فقال رجل: يا أمير المؤمنين! ألا أنهى النّاس أن يصلّوا قبل خروج الإمام، فقال: لا أريد أن أنهى عبداً إذا صلّى، ولكن نحدّثهم بما شهدنا من النّبي ﷺ" یعنی "مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ نے روزِ عید لوگوں کو نفل پڑھتے دیکھ کر فرمایا: ہم نے نبی ﷺ کو ایسے ہی دن میں دیکھا نمازِ عید سے پہلے، یا فرمایا: نبی ﷺ سے پہلے کوئی شخص کوئی نماز نہ پڑھتا تھا، کسی نے کہا: یا امیر المؤمنین! کیا میں لوگوں کو نمازِ عید سے پہلے نماز پڑھنے سے منع نہ کردوں! فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ بندے کو نماز پڑھنے سے منع کروں، ہم تو اُن سے یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ہم نے یہ دیکھا"۔

خدارا انصاف! اس حدیثِ جلیل مسند ومروی ائمۂ محدّثین کے مقابل متکلّم قنّوجی کا ایک فقہی کتاب "مجمع" کی حکایت بے سند سے استناد کرنا کہ مولیٰ علی نے منع فرمایا، پھر براہِ جہالت حکایت معضلہ کو بلفظِ تخریج واِخراج [یہ ان بزرگوار کا معمولی محاورہ ہے: أخرج ابن نجيم في "البحر"، أخرج في "الاختيار"، أخرج في "المجمع"، اب کل کو کوئی اَجہل اُٹھ کر ان حضرت کی ساختہ حکایات کو لکھ دے گا: "أخرج القنّوجي في "التفهيم"، أخرج في "النواعق"، أخرج في "الغايط"، ولا حولَ ولا قوّةَ إلاّ بالله العليّ العظيم!] تعبیر کرنا کہ منها ما أخرجه

=

ابن السّاعاتي في "المجمع": أنّ رجلاً يوم العيد أراد أن يصلّيَ قبل صلاة العيد فنهاه عليٌّ ﷺ... إلخ کیساظلم صریح وجہلِ قبیح ہے! ملاجی کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اِخراج یا تخریج اپنی سند کے ساتھ حدیث روایت کرنے کو کہتے ہیں کہ "حدّثنا فلان عن فلان" نہ بے سند کوئی حکایت لکھ دینے کو، ولكنّ الوهابيّة لا يعلمون!.

مسئلۂ سابعہ ۷ وثامنہ ۸: حکیم ملّت، ناصحِ اُمت عارف باللہ امام نابلسی قدّس سرہ القدسی "حدیقۂ ندیہ" میں فرماتے ہیں: "من هذا القبيل نهي النّاس عن صلاة الرغائب بالجماعة، وصلاة ليلة القدر ونحو ذلك، وإن صرّح العلماء بالكراهة بالجماعة فيها لا يفتى بذلك للعوام؛ لئلاّ تقلّ رغبتهم في الخيرات" ["الحديقة النديّة" الباب ۲، الفصل ۳، ۲/ ۱۵۰] یعنی "اسی قبیل سے ہے نمازِ رغائب ونماز شب قدر باجماعت اور اس کے مثل اور باتوں سے منع کرنا، اگرچہ علماء نے ان میں جماعت کو مکروہ بتایا، مگر عام لوگوں کو منع کا فتویٰ نہ دیں؛ کہ نیکیوں میں اُن کی رغبت نہ گھٹے"۔ اسی طرح "درِّ مختار" [كتاب الصّلاة، باب العيدين، ۵/ ۱۱۸] میں ہامشِ "بحر" سے ماثور، اور اُس پر اُسی حدیث مولیٰ علی کرّم اللہ تعالی وجہہ سے استدلال مذکور۔

مسئلۂ تاسعہ ۹: اُسی میں فرمایا: "ومن هذا القبيل نهي النّاس عن حضور مجالس الذكر بالجهر، وإنشاد أشعار الصالحين، وإن صرّح فقهاء الحنفيّة بكراهة الجهر بالذكر" ["الحديقة النديّة" الباب ۲، الفصل ۳، ۲/ ۱۵۰] یعنی "اسی طرح ذکرِ جہر اور نیکوں کے اِشعار پڑھے جانے کی مجلسوں سے منع نہ کیا جائے، اگرچہ فقہائے حنفیہ ذکرِ جہر کو مکروہ کہیں"، حتّی کہ خود امام بزّازی کردری "وجیز" [ذكره في كتاب الاستحسان [أي: في "البزّازية" كتاب الاستحسان، ۶/ ۳۷۸] منہ [أي: من الإمام أحمد رضا] میں فتاویٰ سے ناقل: "إنّ الذكر بالجهر لو في المسجد لا يمنع؛ احترازاً عن الدخول تحت قوله تعالى: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾" [پ۱، البقرة: ۱۱۴] "ذکرِ جہر کہ مسجد میں ہو منع نہ کیا جائے؛ کہ کہیں اس آیت کے وعید میں داخل ہونا لازم نہ آئے: "اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں میں اُس کا نام لینے سے روکے"۔ اُسی میں "اَجوبۂ امام زاہد خوارزمی" سے ہے: "إنّه بدعة، ولا نجيز، ولا نمنع" ["البزّازية" كتاب الاستحسان، ۶/ ۳۷۹]. "ذکرِ جہر بدعت ہے، اور ہم نہ تجویز کریں، نہ منع کریں"، پھر فرمایا: "جوّزه

=

بحالِ اختلاف ایسے اُمور سے منع نہ کرنے کی تصریح فرماتے ہیں، في[1] "فتاوى قاضي خانْ"[2]: "تكلّموا في الدعاء عند ختم القرآن في شهر رمضان وختم القرآن بجماعة، واستحسنه المتأخّرون، فلا يمنع من ذلك"[3].

بلکہ[4] "شرحِ نُقایہ" میں امام قاضی خان سے نقل کیا ہے کہ اس مادّے میں ترک سے فعل اَولیٰ

=

محبّ الذاكرين الله تعالى كثيراً" ["البزّازية" كتاب الاستحسان، ٦/ ٣٧٩ بتصرّف] "اُس کی اجازت دی ذکرِ الٰہی بکثرت کرنے والوں کے محب نے"، اسی طرح "غمز عیون البصائر" [الفنّ ٣ الجمع والفرق، القول في أحكام المسجد، ٤/ ٦١] اَحکام المسجد میں ہے۔

مسئلۂ عاشرہ۱۰: اسی میں فرمایا: "ومن هذا القبيل نهي العوام عن المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر؛ فإنّ بعض المتأخّرين من الحنفيّة صرّح بالكراهة في ذلك ادّعاءً بأنّه بدعة" ["الحديقة الندية" الباب ٢، الفصل ٣، ٢/ ١٥٠]... إلخ، یعنی "اسی قبیل سے ہے نمازِ فجر وعصر کے بعد مصافحہ کرنے سے عوام کو منع کرنا کہ یہ بھی نہ چاہیے، اگرچہ بعض متاخرین حنفیہ نے اُسے بدعت بناکر مکروہ لکھ دیا" واللہ تعالیٰ اعلم!۔ (امام احمد رضا خان)

(۱) ترجمہ: "فتاویٰ قاضی خان" میں ہے: "رمضانِ مبارک میں ختمِ قرآن کے وقت دعا، یا ویسے ختم کے وقت مجتمع ہوکر دعا میں مشائخ کا اختلاف ہے، اور متاخرین نے اُسے حسن کہا، تو اس سے منع نہ کیا جائے گا"۔

(٢) قبيل باب صلاة المسافر.

(٣) "الخانية" كتاب الصّلاة، باب الحدث في الصلاة وما يكره فيها وما لا يكره، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلّقة بالقراءة، مسائل كيفية القراءة وما يكره فيها ويستحبّ، الجزء ١، صـ٨٠ بتصرّف.

(۴) یہ ردِّ پنجم ۵ اور سابق سے ترقّی باہر ہے کہ سفیہ وجوبِ ترک کا ادّعاء کرے، کلامِ علماء سے اَولویّتِ فعل ظاہر ہے۔ دیکھو! امامِ اَجل قاضی خان نے (باآں کہ تصریح فرمائی کہ وہ سنّت سے ثابت ہونا کجا مستحبات ثابتہ سے بھی نہیں) خود اختلافِ اَقوال ہی کو اس کی علّت قرار دیا کہ بجالانا چاہیے۔ "ردّ المحتار" میں دربارۂ تکبیرِ عشرۂ ذی الحجہ قولِ امام ابو جعفر نقل

=

ہے، قال[1]: "وأمّا مسحُ الرقبة فليس بأدبٍ ولا سنّة، وقال بعضهم: هو سنّة، وعند اختلاف الأقاويل كان فعله أَولى من تركه"[2] بلکہ[3] خود بدعت کہنے والوں نے

=

کر کے لکھا: "أفاد أنّ فعله أولى" ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: كلمة لا بأس قد تستعمل في المندوب، ۵/ ۱۵۱] "امام نے افادہ فرمایا کہ اُس کا کرنا بہتر ہے"۔ "حدیقۂ ندیہ" میں دربارۂ صلاۃ الرغائب، وصلاۃ لیلۃ القدر بعد عبارتِ مذکورہ ونقلِ اختلافِ علماء فرمایا: "فإبقاء العوام راغبين في الصّلاة أولى من تنفيرهم منها" ["الحديقة الندية" الباب ۲، الفصل ۳، ۲/ ۱۵۰] یعنی "جب مسئلہ مختلف فیہ ہے، توعوام کی رغبت نماز میں باقی رکھنا انہیں نماز سے نفرت دلانے سے بہتر ہے"۔ (امام احمد رضا خان)

(۱) ترجمہ: "گردن کا مسح نہ مستحب ہے، نہ سنّت، اور بعض نے کہا: سنّت ہے۔ جب اقوالِ علماء مختلف ہیں تو اُس کا فعل اُس کے ترک سے اَولیٰ ہے"۔

(۲) "الخانية" كتاب الطهارة، باب الوضوء والغسل، الجزء ۱، صـ۱۸.

(۳) یہ ردِّ ششم ۶ اور پنجم ۵ پر بھی مترقّی ہے؛ کہ بنظرِ اختلاف دوسروں کا اَولویتِ فعل ماننا درکنار، خود بدعت کہنے والوں نے اَولویت مانی ہے، "صحیح بخاری شریف" میں مورّق عجلی سے ہے: "انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا: أتصلّي الضحى؟ کیا آپ نمازِ چاشت پڑھتے ہیں؟ فرمایا: نہ، کہا: امیر المؤمنین عمر؟ فرمایا: نہ، کہا: صدّیقِ اکبر؟ فرمایا: نہ، کہا: سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ فرمایا: «لا إخاله» ["صحيح البخاري" كتاب التهجّد، أبواب التطوّع، باب صلاة الضحى في السفر، ر: ۱۱۷۵، صـ۱۸۷، ۱۸۸] "میرے خیال میں حضور بھی نہ پڑھتے تھے"۔

سعید بن منصور بسندِ صحیح مجاہد سے راوی: "میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں گئے، ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجرۂ ام المؤمنین صدّیقہ کے پاس تشریف فرماتے تھے، لوگ مسجد میں نمازِ چاشت پڑھ رہے تھے، فسألناه عن صلاتهم فقال: «بدعة» ہم نے اُس نماز کا حال دریافت کیا، فرمایا: "بدعت ہے"۔

=

صلاۃِ ضحیٰ کو مستحسن فرمایا، بلکہ [1] مراد اہلِ قاعدہ کی یہ ہے کہ جس مادّہ میں ادائے سنّت بدُون ارتکاب بدعت نہ

=

ابنِ ابی شیبہ بسندِ صحیح حکم بن عبد اللہ بن اعرج سے راوی: میں نے ابنِ عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے نمازِ چاشت کو پوچھا، فرمایا: «بدعة، ونعمت البدعة» ["المصنَّف" كتاب الصّلوات، مَن كان لا يصلّي الضحى، ر: ۷۷۷۵، ۲/ ۱۷۲ بتصرّف] "بدعت ہے، اور کیا اچھی بدعت ہے"!۔

عبد الرزّاق بسندِ صحیح بطریق سالم بن عبد اللہ بن عمر راوی: اُن کے والدِ ماجد نے فرمایا: «لقد قُتل عثمان وما أحد يسبّحها، وما أحدث النّاس شيئاً أحبّ إليّ منها» ["المصنّف" كتاب الصّلاة، باب صلاة الضحى، ر: ٤٨٦٨، ۳/ ۷۸، ۷۹] یعنی: "امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت تک نمازِ چاشت کوئی نہ پڑھتا تھا، بعد کو لوگوں نے نکالی، اور بے شک وہ مجھے سب نَوپیدا چیزوں میں عزیز تر ہے"۔

متکلّم قنّوجی کا ظلم وجہل کہ بحوالہ "احکام الاَحکام" یہ تو نقل کر دیا کہ "أنّ ابن عمر قال في صلاة الضحى: «إنّها بدعة»" ["إحكام الأحكام" تحت ر: ٦١، صـ۲۰۳، ۲۰٤] ابنِ عمر نے نمازِ چاشت کو بدعت کہا، بدعت بتانے کی بھی حدیث نہ نکال سکے، اور یہ صحیح حدیثیں جن میں اُنہوں نے بدعت مان کر اُس کی خوبی بیان فرمائی نظر نہ آئیں! كذلك يطبع الله على كلّ قلب متكبّر جبّار. اسی طرح تمام آثار واقوال جن میں صحابہ وائمہ نے اشیاء کو بدعت بتا کر حَسن فرمایا ہے، اس کی شاہد ہیں، وباللہ التوفیق!۔ (امام احمد رضا خان)

(۱) یہ رد، ردِّ ہفتم ہے، اوپر متنوع وشواہد تھے، یہ حل ہے تقریر اُس کی ظاہر۔ **اقول:** یا یہ معنی کہ دلائلِ شرعیّہ کانٹے کی تول متعارض ہوں، اور ترجیح مفقود، خود لفظ تردّد میں اس کا اشعار موجود، ورنہ مجرّد خلاف واختلاف کو موجبِ تردّد جاننا بداہۃً مردود۔ مصنّف "غایط الکلام" نے "طریقۂ محمدیہ" میں یہ عبارت تو دیکھی (جس کے مصنّف کا نام براہِ جہالت ہندی ساخت کا ببر علی گڑھا، حالانکہ ان کا نام نامی سیّدی علاّمہ محمد رومی آفندی برکلی ہے) مگر علماء نے جو اس کا مطلب بیان فرمایا نظر نہ آیا! یا قصداً چھپایا! سیّدی علاّمہ عبد الغنی نابُلسی شرح میں فرماتے ہیں: "(إذا تردّد) أي: المكلّف (في شيء بين كونه سنّة) فيثاب على فعلها (وبدعة) في الدين سيّئة فيعاقب بفعلها، وشكّ في

=

ہو سکے، ترکِ سنّت چاہیے[1]؛ کہ اُس کا ادا کرنا لازم نہیں، اور بدعت سے اجتناب مؤکّد، مثال اُس کی

=

ذلك ولم يظهر له دليل يرجّح عنده أحد الطرفَين (فتركه لازم) عليه، أي: واجب" ["الحديقة الندية" الباب ١، الفصل ٢ في بيان أقسام البدَع، ١/ ١٤٨] اهـ مختصراً. (امام احمد رضا خان)

(۱) أقول وباللہ التوفیق: یہ ردِ ہشتم۶ کی طرف اِیمائے دقیق ہے، بجائے "لازم" لفظ "چاہیے"، اور لفظ "مؤکّد" کی اِقامت، اور مثال قلبِ حصیٰ کی طرف ہدایت اُس کی ہادی طریق ہے، توضیحِ مقام یہ کہ علماء فرماتے ہیں: اگر موضعِ سجود میں کچھ خفیف کنکریاں ایسی پڑی ہیں کہ سجدہ ہو تو جائے گا، مگر بروجہِ مسنون ادا نہ ہو سکے گا، تو اگرچہ ایک ہاتھ میں اُن کے صاف کر دینے کی اجازت ہے، جس میں ہرگز کراہت نہیں، مگر بہتر ترک ہے، سجدہ بروَجہِ مسنون سنّت ہے، اور نماز میں کنکریاں ہٹانا بدعت، وہ سنّت جب بغیر اس بدعت کے حاصل نہیں ہو سکتی، تو یہ صورت سنّت وبدعت میں متردّد ہوئی، اور ایسی جگہ ترکِ سنّت اَولیٰ ہے؛ کہ ادائے سنّت پر اجتنابِ بدعت ترجیح رکھتا ہے۔

"درِّ مختار" میں ہے: "(وقلب الحصى) للنهي (إلاّ لسجوده) التامّ فيرخّص (مرّة) وتركها أولى" ["الدرّ" كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، ٤/ ١٤٤،١٤٥]. "ردّ المحتار" [كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: إذا تردّد الحكم بين سنّة وبدعة كان ترك السنّة أولى، ٤/ ١٤٥] و"طحطاوی علی الدرّ المختار" [كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، ١/ ٢٧١] میں "بحر الرائق" سے ہے: "لأنّه إذا تردّد الحكمُ بين سنّةٍ وبدعة، كان تركُ السنّة راجحاً على فعل البدعة" ["البحر" كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، ٢/ ٣٥ (أمّا ما وجدنا في نسختنا نصّه هكذا: "أنّ الحكمَ إذا تردّد بين سُنّةٍ وبدعة، كان ترك البدعة راجحاً على فعل السُنّة")].

"حلبہ" [فصل فيما يكره فعله في الصّلاة وما لا يكره، ٢/ ق١٥٤] و"بحر" [كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، ٢/ ٣٥] میں "بدائع" سے ہے: "التسوية مرّةً رخصة والترك أولى" ["البدائع" كتاب الصّلاة، فصل: وأمّا بيان ما يستحبّ فيها وما يكره، ١/ ٥٠٤، ٥٠٥ بتصرّف].

=

=

"نہایہ" [كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، فصل، قـ۱۰۲] و"خلاصہ" [كتاب الصّلاة، الفصل ۲، جنس فيما يكره، الجزء ۱، صـ۵۷] و"حلبہ" [فصل فيما يكره فعله في الصّلاة وما لا يكره، ۲/ ق۱۵٤] و"شُرنبُلالیہ" [أي: "غنية ذوي الأحكام" كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، ۱/ ۱۰۸] و"ہندیّہ" [كتاب الصّلاة، الباب ۷ فيما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، الفصل ۲ فيما يكره في الصّلاة وما لا يكره، ۱/ ۱۰٦] و"شرحِ نقایۂ بِرجَندی" [كتاب الصّلاة، باب في صفة الصّلاة، فصل في ما يكره في الصّلاة، الجزء ۱، صـ۱۲۹]و"بحر" میں ہے: "الترك أحبّ إليّ" ["البحر" كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، ۲/ ۳۵]. ان تمام تصریحاتِ جلیہ سے رَوشن وآشکار کہ فعل باآنکہ سنّت وبدعت میں متردّد ہے ناجائز نہیں، بلکہ بالاتفاق اجازت ہے، اور اجازت بھی کیسی بلاکراہت ہے، ترک ہرگز واجب نہیں، ہاں بہتر ہے فعل کی بہ نسبت زیادہ پسند ہے۔

امام نَسفی نے "کافی شرحِ وافی" میں تصریح فرمائی: "العبث ما لا غرض منه شرعاً فإنّما كره؛ لأنّه غير مفيد، وهذا مقيّد له ليتمكّن من وضع الجبهة والأنف على الأرض" ["الكافي" كتاب الصّلاة، باب ما يكره، ۱/ ق۹٦ بتصرّف]. یہ تمام ارشاداتِ علماء مدّعائے قنّوجی کے صریح رَد ہیں، اور شک نہیں کہ راہِ مسلوک ومرضی اِبدائے توفیق وتطبیق ہے، نہ اِبقائے تعارُض وتنافی۔ "ردّ المحتار" میں ہے: "التوفيق أولى من إبقاء التنافي" ["ردّ المحتار" كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كلّ قرض جرّ نفعاً حرام [إذا كان مشروطاً] ۱۵/ ۲۱۳ ملتقطاً]. اُسی میں ہے: "حيث أمكن التوفيقُ كان أولى، ويكون الخلاف لفظيّاً، وكم له من نظير" ["ردّ المحتار" كتاب الطلاق، باب الحضانة، مطلب: شروط الحاضنة، ۱۰/ ٤٤۲]. "عقود الدُریہ" میں ہے: "قال قاضي خانْ [أي: في "الخانية" كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة، فصل فيما ينقض به الإجارة، الجزء ۳، صـ۳۹] والمحبوبي: القول بالتوفيق هو الأصحّ، وقوّاه الشيخ شرف الدّين الغَزّي [أي: في "تنوير البصائر" الفنّ ۲، كتاب الإجارة، قـ۱۰۵] بأنّ فيه إعمال الرّوايتَين" ["العقود الدّرية" كتاب الإجارة، ۲/ ۱۰۳].

=

=

اب یا توان عباراتِ کثیرہ میں اَولیٰ کو بمعنیٰ واجب لیجیے، یا وہاں لازم کو بمعنیٰ اَولیٰ؛ کہ بارہا بہتر واحسن کو بھی بالفاظِ تاکید تعبیر کرتے، حتیٰ کہ مستحب کوواجب تک کہتے ہیں۔ "درِ مختار" میں ہے: "لا بأسَ به عقب العيد؛ لأنّ المسلمين توارثوه، فوجب اتّباعهم" ["الدرّ" كتاب الصّلاة، باب العيدين، ٥/ ١٥٠] "نمازِ عید کے بعد تکبیر کہنے میں کچھ حرج نہیں؛ کہ وہ مسلمانوں میں متوارِث ہے، تو اُن کی پیروی واجب ہے"۔ "ردّ المحتار" میں ہے: "كلمة لا بأسَ قد تستعمل في المندوب كما في "البحر" [كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها، فصل في كيفية القسمة، ٥/ ١٥٥] ومنه هذا الموضع لقوله: "فوجب اتّباعُهم" الظاهر أنّ المراد بالوجوب الثبوت لا المصطلح عليه" ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: كلمة لا بأس قد تستعمل في المندوب، ٥/ ١٥٠ ملتقطاً].

امام حاکم شہید نے فرمایا: "الاحتراز عن اليمين الصادقة واجب" "سچی قسم کھانے سے بچنا واجب ہے"۔ "بحر الرائق" [كتاب الدعوى، ٧/ ٣٧١] و"درِ مختار" "کتاب الدعویٰ میں ہے: "أي: ثابت؛ بدليل جواز الحلف صادقاً" ["الدرّ" كتاب الدعوى، ١٧/ ٤٨٤]. "طحطاوی علی الدرّ المختار" آخر کتاب المساقاۃ میں "منح الغفار شرح تنویر الابصار" [كتاب في بيان أحكام المساقاة، ٢/ ق٣٧٢] سے ہے: "إذا أدرك الزرع يجب، أي: يندب مؤكّداً أن يكونَ الكيالُ على طهارة فيستقبل القبلة" ["ط" كتاب المساقاة، ٤/ ١٤٩]... إلخ "جب کھیت تیار ہو، واجب ہے کہ ماپنے والا باوضو قبلہ رُو بیٹھ کر ماپے، یعنی بتاکید مستحب ہے"۔

مگر شِقِّ اوّل کی طرف راہ نہیں؛ کہ عباراتِ مذکورہ نفی وجوب میں نصِ صریح ہیں، وہ صاف فرماتے ہیں کہ فعل کی بھی اجازت ہے، اُس میں اصلاً کراہت نہیں۔ لاجَرم لازم ہوا کہ اس قاعدے میں لازم کو بمعنیٰ اَولیٰ لیجیے، یعنی جب فعل سنّت وبدعت میں متردّد ہو، تو ترک اَولیٰ ہے۔ اب کلماتِ علماء متفق ہوجائیں گے، اور استدلالِ قنّوجی کا پتانہ رہے گا؛ کہ ترکِ اَولیٰ سے کراہتِ فعل بھی لازم نہیں آتی۔ "بحر الرائق"، باب صلاۃ العید میں ہے: "لا يلزم مِن ترك المستحبّ ثبوت الكراهة؛ إذ لا بدّ لها من دليلٍ خاصّ فلذا كان المختار عدم كراهة الأكل قبل الصّلاة" ["البحر"

=

قلبِ حصٰی ہے کہ منہی عنہ ہے، اور سجدہ بطریقِ مسنون بدُون اُس کے ممکن نہیں۔ بلکہ [1] علاّمہ شامی

=

كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ٢/ ٢٨٤] "تحریر الأصول" میں ہے: "خلاف الأَولى ما ليس فيه صيغةُ نهيٍ كترك صلاة الضحى، بخلاف المكروه تنزيهاً" ["تحرير الأصول" ٢/ ١٩٢ بتصرّف].

"ردّ المحتار" میں ہے: "خلاف الأَولى قد لا يكون مكروهاً حيث لا دليل خاصّ كترك صلاة الضحى، وبه يظهر أنّ كون ترك المستحبّ راجعاً إلى خلاف الأولى لا يلزم منه أن يكونَ مكروهاً إلاّ بنهيٍ خاصّ؛ لأنّ الكراهةَ حكمٌ شرعيّ، فلا بدّ له من دليل" ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في بيان السنّة والمستحبّ والمندوب والمكروه وخلاف الأولى، ٤/ ١٨٦، ١٨٧] "درِّ مختار" "باب الجنائز" میں ہے: "(لو مشى أمامها جاز) وفيه فضيلة أيضاً" ["الدرّ" كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، ٥/ ٣٣٢، ٣٣٣] "ردّ المحتار" میں ہے: "أخذاً من قولهم: إنّ المشيَ خلفها أفضل عندنا" ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في حمل الميّت، ٥/ ٣٣٣] "حلیہ" "مسئلۂ قراءۃ فی الاُخریین" میں ہے: "كون تارك السنّة مسيئاً يلزم عنه عدم صحّة أن يقالَ: الإتيان بها أفضل؛ لأنّ أفعلَ التفضيل الخالي عن التهكّم لا بدّ فيه من مشاركة المفضَّل للفاضل في معنى أفضل حقيقةً أو تقديراً بوجه ما، وهي منتفية هنا" ["الحلبة" ٢/ ق١٢١ ملتقطاً بتصرّف] یہ تقریر بقدرِ فہمِ مخالفین ہے، وتحقيق الكلام في هذا المقام، وتنقيح مرام العلماء الأعلام بتوفيق ربّنا الملك العلاّم فيما علّقناه على "ردّ المحتار" والحمد لله العزيز الغفّار. (امام احمد رضا خان)

(۱) یہ ردِّ نہم ۹ اور بُطلان مرادِ مزعوم قنّوجی پر کلماتِ علماء سے اِقامتِ دلیل ہے، جس کا حاصل یہ کہ "اگر بوجہِ اختلاف مجرد شک واحتمالِ بدعت کے باعث وجوبِ ترک کا حکم ہو، تو جہاں ادائے سنّت بے اشتمالِ بدعت نہ ہوسکنے پر یقین حاصل ہو، وہاں بدرجہ اَولیٰ سخت شدید حکم ترک لازم"۔ حالانکہ کلماتِ علماء اس کے بُطلان پر حاکم، وہ ایسے مواقع عدیدہ میں صراحۃً حکم فرماتے ہیں کہ سنّت ترک نہ کریں، جب باوصف تیقّن شمولِ بدعت خود فعل ہی کا حکم دیا، تو محض تردّد وشک کی بنا پر ترکِ سنّت کو واجب بتانا جو قنّوجی مُلّا نے علمائے کرام کی طرف نسبت کیا، کیسا صریح اِفتراء ہوا؟! ان مسائل کی

=

مثالیں خود متنِ مبارک دفعِ مغالطہ پانزدہم ۱۵ میں افادہ فرمائے گا، اور قلوبِ منکرین پر سب سے سخت تر یہ مسئلہ نفیسہ ہے جسے علامہ شامی نے "ردّ المحتار" میں امام ابنِ حجر مکّی سے نقل کیا کہ "مزاراتِ اولیاء کے حضور جہال نے جو نامشروع باتیں شروع کر دیں ہیں اُن کے باعث تبرک وزیارتِ مزارات طہارت نہ چھوڑیں؛ کہ مزاراتِ کریمہ کی زیارت باعثِ قُربِ الٰہی ہے، اور قُربِ الٰہی کے افعال ایسی باتوں کے سبب متروک نہیں ہوتے"، علامہ شامی اس مسئلہ سے اس کی تائید فرماتے ہیں کہ "جنازے کے ساتھ عورتیں نَوحہ وماتم کرتی ہوں تو اتباعِ جنازہ ترک نہ کریں"۔

اقول وباللہ التوفیق: جس طرح فعلِ منکَر منکَر ہے، یونہی جہاں منکَرات ہوں اور قدرتِ انکار نہ ہو، بے ضرورتِ شرعیّہ وہاں جانا بھی منکَر، امام حجۃ الاسلام غزالی "احیاء العلوم" [كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب ١ في وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر... إلخ، ٢/ ٣٣٦] پھر علامہ نجم غزی "حُسن التنبیہ" [باب النهي عن التشبّه بنمرود وقومه، ق٢٣٨]، پھر سیّدی علامہ نابلسی "حدیقۂ ندیّہ" میں ترغیبِ انکارِ منکَر کی حدیث: «لا ينبغي لامرئ شهد مقاماً فيه حقّ إلاّ تكلّم به» [انظر: "شعب الإيمان" باب في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، أحاديث في وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ر: ٧٥٨٠، ٦/ ٢٥٧٧ بتصرّف]... الحديث نقل کرکے فرماتے ہیں: "هذا الحديث يدلّ على أنّه لا يجوز دخول دور الظلمة والفسقة ولا حضور المواضع التي يشاهد المنكَر فيها ولا يقدر على تغييره" ["الحديقة الندية" الباب ٢، الفصل ٣ في بيان التقوى، ٢/ ٥١٥] یعنی "یہ حدیث ارشاد فرماتی ہے کہ ظالموں اور فاسقوں کے مکان، خواہ کسی ایسے مقام میں جانا جائز نہیں جہاں امرِ ناجائز دیکھے، اور انکار نہ کرسکے"۔ نیز "حُسن التنبیہ" [باب النهي عن التشبّه بنمرود وقومه، ق٢٣٨] و"حدیقۂ ندیّہ" [الباب ٢، الفصل ٣ في بيان التقوى، ٢/ ٥١٥] میں قومِ نمرود کے قبائح سے گنا کہ موضعِ ظلم میں جمع ہوتے، قال تعالى: ﴿فَأْتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ﴾ [پ١٧، الأنبياء: ٦١] پھر فرمایا: "وفي معناه: مشاهدة كلّ منكَر من غير إنكار لمن يمكنه التغيّب عنه أو الإنكار" ["الحديقة الندية" الباب ٢، الفصل ٣ في بيان التقوى، ٢/ ٥١٥].

"امام ابنِ حجر کے فتاویٰ"[1] سے نقل کرتے ہیں: "ولا تترك[2] لما يحصل عندها من منكَرات ومفاسد كاختلاط الرجال بالنساء وغير ذلك؛ لأنّ القربات لا تترك لمثل ذلك، بل على الإنسان فعلها وإنكارُ البدَع، بل وإزالتها إن أمكن" پھر اسے اُس مسئلے سے مؤیّد کرتے ہیں کہ "جنازے کا اتباع نہ چھوڑا جائے اگرچہ اُس کے ساتھ زنانِ نَوحہ گر ہوں"[3]۔

غرض ایک دو کتاب میں کوئی بات دیکھ کر بے سمجھے بوجھے اپنے زعم میں مفید ٹھہرانا، اور انہیں کتابوں اور اُن کے غیر میں اُس اپنی فہمِ باطل کے ہزار مخالف و مُعارض موجود ہوں، اُن سے آنکھ بند کر کے اُسے قاعدۂ[4] کلیہ ٹھہرا کر فقہاء کی طرف نسبت کرنا ایک ایسی جرأت ہے کہ اِنہیں صاحبوں کو زیب دیتی ہے۔

=

تو اصل ارتکاب بدعت اگرچہ جانبِ غیر سے ہو، بحالِ عجز عن الانکار (کہ وہی غالب ہے) حضور بے اشتمالِ محذور نامقدور، بایں ہمہ ائمۂ دین کی تصریحاتِ جلیہ ماضیہ وآتیہ کہ "اگر سنّت مقترن بدعت ہو ترک نہ کی جائے" کذبِ ادّعائے تنوجی پر شاہدِ جلی ہے۔ (امام احمد رضا خان)

(۱) "الفتاوى الكبرى الفقهيّة" كتاب صلاة الجماعة، باب الجنائز، ۱/ ۴۲۱.

(۲) ترجمہ: "مزاراتِ اولیائے کرام کی زیارت اُن ناجائز باتوں اور فسادوں کی وجہ سے نہ چھوڑی جائے جو وہاں موجود ہوتی ہیں، کہ جو باتیں اللہ تعالی کا قرب حاصل ہونے کی ہیں، وہ ان وُجوہ سے ترک نہیں کی جاتیں، بلکہ انسان پر اُن قُربتوں کا کرنا لازم ہے، اور بدعتوں پر انکار بلکہ ہو سکے تو اُن کا زائل کرنا"۔

(۳) "ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور، ۵/ ۳۶۶.

(۴) یہ ردِّ دُہم ۱۰ ہے کہ بعد اللتیا والتی بالفرض تردّد و وجوب سے وہی مراد سہی جو آپ کے زعم میں رہی، بے کلّیتِ کبریٰ آپ تعدیۂ حکم کے مجاز نہیں، ولہٰذا علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ قواعد وضوابط سے فتویٰ دینا حلال نہیں۔ "غمز العیون" میں "فوائدِ زینیہ" علامہ بحر صاحبِ "بحر" سے ہے: "لا تجوز الفتوى بما تقتضيه الضوابط؛ لأنّها ليست كلّيّة، بل أغلبيّة خصوصاً، وهي لم تثبت عن الإمام، بل استخرجها المشايخ من كلامه" ["الغمز" مقدّمة،

=

دسواں ۱۰ مغالطہ: "جہال این عمل را کالسنۃ بل کالواجب دانستہ اند، لہٰذا بر تارکینِ این عمل ملامت می کنند، وفقہاء تصریح فرمودہ اند کہ ہر مُباح کہ منجر بافسادِ عقیدۂ جہال باشد مکروہ بود، في "العالمگیریّة"[1]: "ما یفعل عقیب الصلاة مکروہ؛ لأنّ الجهّال یعتقدونها سنّةً أو

=

۱/ ۳۷]، اُسی میں ہے: "لا یحلّ الإفتاء من القواعد والضوابط، وإنّما علی المفتي حکایة النقل الصریح، کما صرّحوا به" ["الغمز" الفنّ ۱ في القواعد الکلّیّة، القاعدة ٦، ۱/ ۳۰۸].

نہ یہاں کلّیتِ قضیہ مسلّم، بلکہ خود وہ قاعدہ کہ یہ قضیہ جس کی فرع ہے، یعنی درء المفاسد أهمّ من جلب المصالح، علماء نے تصریح فرمائی کہ وہ کلیہ نہیں۔ "اَشباہ" میں ہے: "نظیرُ القاعدة الرابعة قاعدةٌ خامسة، وهي درءُ المفاسد أولی من جَلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدةٌ ومصلحةٌ قُدّم دفع المفسدة غالباً" ["الأشباه" الفنّ ۱: القواعد الکلّیّة، القاعدة ۵: الضرر یزال، صـ۹۹]. اُسی میں ہے: "وقد تراعی المصلحة لغلبتها علی المفسدة" ["الأشباه" الفنّ ۱: القواعد الکلّیّة، القاعدة ۵: الضرر یزال، صـ۱۰۰]. "غمز العیون" میں زیرِ قولِ متن: "المرأة إذا وجب علیها الغسل ولم تجد سترة من الرّجال تؤخّره، والرجل إذا لم یجد سترة من الرجال لا یؤخّره ویغتسل" ["الأشباه" الفنّ ۱: القواعد الکلّیّة، القاعدة ۵: الضرر یزال، صـ۱۰۰ بتصرّف] فرمایا: "قیل: ینبغي أن یرجّحَ النهي هاهنا علی الأمر عملاً بالقاعدة المذکورة، فلا یرتکب المنهي عنه، وهو کشف العورة لأجل مأمور به، وهو الغسل، کما فعل في الاستنجاء، والجواب أنّ القاعدة أکثریّة لا کلّیة" ["الغمز" الفنّ ۱ في القواعد الکلّیّة، القاعدة ۵: الضرر یزال، ۱/ ۲۹۲].

بالجملہ حاصلِ کلام یہ ہے کہ نہ یہاں قدیم سے خلاف، نہ خلاف مُوجبِ اختلاف، نہ اختلاف مُوجبِ تردّد، نہ تردّد مُوجبِ ترک، اور سب سے قطع نظر ہو تو یہ حکم ہرگز کلّی نہیں، اور جزئیہ مفیدِ مدّعی نہیں۔ هکذا ینبغي التحقیق، واللہ تعالی وليّ التوفیق!. (امام احمد رضا خان)

(۱) أي: "الهندیّة" کتاب الصّلاة، الباب ۱۳ في سجود التلاوة، ۱/ ۱۳٦ بتصرّف.

واجبةً، وكلّ مباح يؤدّي إليه فهو مكروه، هكذا في "الزاهدي"[1] یہ مُغالطہ بھی متکلّم قنّوجی نے اس عبارت سے لکھا ہے۔

أقول: ایک مقدمہ بھی ٹھیک نہیں، نہ عوام کالسنّۃ خواہ کالواجب سمجھتے ہیں، لاکھوں آدمی مجلسِ مبارک نہیں کرتے، انہیں کون برا کہتا ہے؟! یہ عوام بے چاروں پر کھلا اِفتراء ہے، ہاں مانعین کو جن کی زبان و قلم سے الفاظِ ناشائستہ (کہ خبثِ باطن و سُوئے عقیدت پر قرائن واضحہ ہیں) سرزد ہوتے ہیں، یا قرائنِ حالیہ و مقالیہ سے خبث طینَت و فسادِ عقیدت با جنابِ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ ظاہر ہوتا ہے، اور خود مخالفتِ عامۂ اُمّت خبثِ نفس و شرارت کی علامت ہے، برا جانتے ہیں اور انہیں وہابی نجدی فاسد العقیدہ کہتے ہیں، کالسنّۃ و کالواجب جاننے، اور سنّت وواجب اعتقاد کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے کہ ہر بچہ بھی جانتا ہے۔

تو عبارتِ "عالمگیری" اس مقام پر نقل کرنا نرا مغالطہ، اور بتصریحِ "عالمگیری" یہ حکم مُباح کا ہے، اور فعلِ[2]

---

(۱) أي: "المجتبى" كتاب الصّلاة، باب سجود التلاوة، ۱/ ق۶۲.

(۲) **أقول:** یعنی بخلاف سجدۂ مذکورہ؛ کہ نہ سجدۂ سہو ہے، نہ سجدۂ تلاوت، نہ سجدۂ شکر، غرض بے سبب محض ہے، ایسا سجدہ اصلاً قُربت نہیں، غایت یہ کہ مُباحِ محض ہو، اور شافعیہ کے نزدیک تو مطلقاً حرام ہے، خود اسی عبارتِ "عالمگیری" منقولۂ قنّوجی کا شروع یوں ہے: "أمّا إذا سجد بغير سبب فليس بقربة ولا مكروه وما يفعل عقيب الصّلاة مكروه -إلى قوله-: وكلّ مباح يؤدّي إليه فمكروه" ["الهنديّة" كتاب الصّلاة، الباب ۱۳ في سجود التلاوة، ۱/ ۱۳۶]. اسی طرح "غنیہ شرحِ منیہ" [مسائل شتّى، صـ۶۱٦، ٦۱۷] میں "مجتبیٰ" [كتاب الصّلاة، باب سجود التلاوة، ۱/ ق۶۲] پھر "ردّ المحتار" [كتاب الصّلاة، باب سجود التلاوة، مطلب في سجدة الشكر، ٤/ ٦۱۰] میں "غنیہ" سے نقل فرمایا۔

امام یوسف اردبیلی شافعی "کتاب الانوار" میں فرماتے ہیں: "ولو سجد إنسانٌ لله تعالى ابتداءً من غير سبب ممّا ذكر عصى" ["الأنوار لأعمال الأبرار" كتاب الصلاة، فصل سجود التلاوة، سجود الشكر، ۱/ ۱٦۰]. "کمثری" میں ہے: "قوله: ممّا ذكر من الصّلاة والسّهو والتلاوة والشُّكر" =

مولد قُربات سے ہے، کہ اَوہام(1) وافعال عوام سے متروک نہیں ہوتے۔ عبارت "ردّ المحتار" وامام ابنِ حجر ابھی گزری، اور قولِ(2) ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ رئیس المانعین نے اس مُغالطہ کی تائید وتقریر میں ذکر کیا) محض بے محل، اسی "عالمگیری"(3) وعامۂ کتبِ معتمدہ میں ذکرِ خلفائے راشدین وعمّین مکرّمین خطبۂ جمعہ وعیدَین میں، اور رجعت قہقری وغیرہ بہت(4) اُمور مطلقاً مستحب ومندوب ٹھہرائے۔

=

["حاشية الكمثرى" كتاب الصلاة، فصل السجود للتلاوة... إلخ، ۱/ ۷۹]. اسی طرح امام ابنِ حجر مکّی نے "جوہر منظّم" [الفصل ۷، صـ٤٥] میں اُس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی۔ (امام احمد رضا خان)

(1) أقول: اَوہام وہذیاناتِ عوام پر مدارِ کار ہو تو مستحبات کی باگ جاہلوں کے ہاتھ میں ہوجائے، جس فعلِ مستحب کے ترک پر چاہیں ملامت کردیں، چلیے وہ گناہ وواجب ُالترک ہوگیا، اس جہالت کی کوئی حد ہے؟! (امام احمد رضا خان)

(2) وہ قول یہ ہے: "كيف أنتم إذا لبستكم فتنة يهرم فيها الكبير، وينشأ فيها الصغير، تجري على النّاس بدعة يتّخذونها سنّة" ["البدع" باب كلّ محدثة بدعة، صـ٢٤ بتصرّف من المخطوط].

أقول: اس ارشاد کا حاصل اس قدر کہ زمانۂ فتن میں لوگ بعض بدعتوں کو سنّت بنا لیں گے، یہ ضرور حق ہے، اب دیکھیے نہ! ذکر شریف حضور پُر نور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منع کرنا کیسی بدعتِ شنیعہ قطیعہ ہے، دلیلِ چہارُم ۴ میں بحمد اللہ تعالیٰ بیس ۲۰ وُجوہ قاہرہ سے ثابت کر دیا گیا، کہ ذکرِ حضور بعینہٖ ذکرِ ربِّ غفور ہے عزّ جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، تو ذکر حضور سے منع ذکرِ خدا سے منع ہے، اور ذکرِ خدا سے منع بداہۃً بدعت اَقبح واَشنع، مگر وہابی صاحبوں نے اسے سنّت کیا فرض سے بھی آہم بنا رکھا ہے، زنا وربا سے منع اوراُن کے اِنسداد میں یہ کدو کاوش نہ دیکھی ہوگی جو مجالس ذکر شریف سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بندش وممانعت میں، اُن کا بڑا اس میں بوڑھا ہوتا ہے، اور اُن کا چھوٹا اِسی پر اُٹھان پاتا ہے، سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے ہی فتنوں سے خبر دے رہے ہیں۔ (امام احمد رضا خان)

(3) أي: "الهندية" كتاب الصّلاة، الباب ۱٦ في صلاة الجمعة، ۱/ ۱٤۷.

(4) حالانکہ اُن کا شیوع والتزام بدیہی، بلکہ ملامتِ تارک بھی حاصل، جس کی ایک حکایتِ عظیمہ ابھی منقول ہوتی ہے۔

(امام احمد رضا خان)

اور وہ[1] جو "مجالس الأبرار" سے نقل کرتے ہیں کہ "بعض فقہاء نے بوجہِ شیوع روزہ ایامِ بیض کے اپنے زمانہ میں کراہت کا حکم دیا" اُن فقیہ صاحب یا مصنّفِ "مجالس الأبرار" کا کلام کس نے قبول کیا؟! کیا صیامِ

---

(۱) **أقول:** اس مغالطہ کی تقریر میں کلامِ فتوٰجیین مضطرب ہے، صاحبِ "غایۃ الکلام" نے کالسنّۃ و کالواجب سمجھنے پر ملامتِ تارک سے استدلال کیا، اور نواب بھوپالی المآب نے ابتدائے کلام میں مجرّد مُداوَمت وعدمِ ترک کو دلیلِ اعتقادِ سنیّت، اور آخر میں صرف شیوعِ فعل کو مؤدّی باعتقادِ وجوب قرار دیا، اور دونوں بزرگواروں نے مُباح وقُربت میں تفرقہ نہ کیا، یہ سب جَہلِ بے مزہ ہے، مجرّد شیوع تو اصلاً اعتقادِ وجوب سے مس نہیں رکھتا، لاکھوں مُباحات شائع ہیں جنہیں کوئی عاقل واجب کیا مستحب تک نہیں جانتا، اور اگر شیوع منجر بہ اعتقادِ وجوب ہو تو مستحبات، بلکہ سنن کی اِشاعت بھی جُرم ٹھہرے، یہ حقیقۃً شارع ﷺ پر اعتراض، اور مقصدِ شرع سے صریح مُضادّت واِعراض ہے۔

شرعِ مطہّر نے سنن و مستحبات کی ترغیب اسی لیے کی کہ مسلمان اُن پر کاربند ہوں، نہ اس لیے کہ شاذّ، نادر، اَحیاناً کوئی کبھی کرلے، اُن کا شیوع نہ ہونے پائے، ورنہ عقیدے بگڑ جائیں گے، ایسا تھا تو وہ ترغیبات خصوصاً جس قدر بقوّت ہوں گی، اپنے مقصود پر عائد بالنقض ہوں گی؛ کہ ترغیب اشاعت چاہے گی، اور مقصود اس کا مَنع ہے، ہزارہا سنن و مستحبات قرونِ سابقہ سے آج تک شائع ہیں، کسی عاقل کو بھی یہ وہم جاگا کہ اب اُن سے ممانعت کی جائے ؟!! کہ شیوع ہوگیا، واجب ٹھہر جائیں گے۔

اذان واِقامت وسننِ راتبہ فجر وظہر ومغرب وعشاء بھی آخر واجب نہیں، اور کس قدر عام طَور پر تمام بلادِ اسلام میں شائع ہیں، اِنہیں بھی بند کیجیے! یا یہ نیا شگوفہ صرف مصطفی ﷺ کا ذکرِ پاک بند کرنے کے لیے گڑھا گیا ہے ؟! یہیں سے ظاہر ہوا کہ وہ جو صاحبِ "مجالس" سے نقل کیا: "أفتی بعضُ الفقهاء حين شاع صوم الأيّام البيض في زمانه بكراهته؛ لئلاّ يؤدّي إلى اعتقاد الواجب، مع أنّ صومَ أيام البيض مستحبٌّ ورد فيه أخبار كثيرة" یعنی "جب بعض فقہاء کے زمانے میں ایامِ بیض کے روزے شائع ہوئے، اس بعض نے انہیں مکروہ کردیا؛ کہ شیوع سے اعتقادِ وجوب نہ پیدا ہو، حالانکہ یہ روزے مستحب ہیں، جن میں بہت حدیثیں وارد ہیں"۔

=

=

یہ نقل اگر بعض فقہاء پر مکذوب نہیں صریح مردود ہے، ان روزوں اور اِن کی اَمثال اور قُربات غیر واجبہ کا شیوع آج سے نہیں ہمیشہ سے ہے، تو یہ حکم کراہت صراحۃً خلافِ اجماع وواجبُ الرد ہے۔ صاحبِ "مجالس" کی نقل اگر سچی بھی ہو تو معلوم نہیں کہ اُس نے بعض فقہاء کس کو کہا، اور وہ شخص کہاں تک نامِ فقیہ کا مستحق اور کس مذہب، کس پائے کا تھا، اسی لیے تو علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مجہول کا قول مقبول نہیں کما نصّ عليه العلاّمة قاسم في "تصحيح القدوري" والعلاّمة الشامي في "ردّ المحتار" وفي "العقود الدريّة" وغير ذلك، خصوصاً لفظِ بعض سے تعبیر کرنا خود ہی بتا رہا ہے کہ وہ خلافِ جُمہور ونامعتمد وناقابلِ عمل ہے۔ "درِّ مختار" میں ہے: "لو بقي حرف أو كلمة فأتمّه حال الانحناء، لا بأس به عند البعض" ["الدرّ" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل، ۳/ ۳۰٦ بتصرّف] "ردّالمحتار" میں ہے: "أشار بهذا إلى أنّ هذا القول خلاف المعتمد" ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل، مطلب: قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن، ۳/ ۳۰٦] اُسی میں ہے: "مراده بهذا النقل أن يبيّن أنّ ما في "مجمع الأنهُر" [كتاب الصّلاة، باب صلاة الخوف، ۱/ ۲٦۱] لا يعمل به؛ لأنّه قول البعض" ["ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب صلاة الخوف، ٥/ ۱۷٥]. ایسے قولِ مہجور ومرجوح ومطروح سے خصم کے مقابل اِستناد جناب نواب بھوپالی المآب ہی کی شان ہے۔

مُداومت والتزام قُربات میں خود مطلوبِ شرع ہیں، "صحیحین" میں اُم المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: «أحبّ الأعمال إلى الله أدوَمها وإن قلّ» ["صحيح مسلم" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضيلة العمل الدائم... إلخ، ر: ۱۸۳۰، صـ۳۱۸. و"صحيح البخاري" كتاب اللباس، باب الجلوس على الحصير ونحوه، ر: ٥۸٦۱، صـ۱۰۳۲] "اللہ عزّوجلّ کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے کہ ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہو"۔ "صحیح مسلم" و"سننِ ابي داود" میں انہیں سے ہے: «كان رسول الله ﷺ إذا عمل عملاً أثبته» ["صحيح مسلم" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه أو مرض، ر: ۱۷٤٤، صـ۳۰۳. و"سنن أبي داود" كتاب التطوّع، باب ما يؤمر به من

=

القصد في الصّلاة، ر: ١٣٦٨، صـ٢٠٤] "رسول اللہ ﷺ جب کوئی عمل کرتے اُسے ہمیشہ نباہتے"، احادیث اس باب میں حدِ تواتر پر ہیں۔

"صحاح" میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے ہے، رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: «ما يكفيك من كلّ شهر ثلاثة أيام» "کیا تمہیں ہر مہینے میں تین ۳ روزے کافی نہیں ہیں؟!" عرض کی: یا رسول اللہ! یعنی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، حضور بڑھائیں! فرمایا: "پانچ ۵" عرض کی: یا رسول اللہ! فرمایا: "سات ۷" عرض کی: یا رسول اللہ! فرمایا: "نو ۹" عرض کی: یا رسول اللہ! فرمایا: "گیارہ ۱۱" عرض کی: یا رسول اللہ! فرمایا: "تو صومِ داود رکھو! ایک دن روزہ، ایک دن اِفطار" عرض کی: مجھے اس سے افضل کی طاقت ہے، فرمایا: «لا أفضلَ من ذلك» "اس سے افضل کچھ نہیں" «واقرإ القرآن في كلّ شهر» "ہر مہینے میں ایک ختم کیا کرو!" عرض کی: یا نبی اللہ! فرمایا: "تو ہر بیس ۲۰ دن میں" عرض کی: یا نبیَ اللہ! فرمایا: "تو ہر دس ۱۰ دن میں" عرض کی: یا نبیَ اللہ! فرمایا: «فاقرأه في سبع، ولا تزِد على ذلك» "تو سات ۷ دن میں ختم کیا کرو، اور اس پر نہ بڑھاؤ!" «إنّك لا تدري لعلّك يطول بك عمر» "تمہیں کیا خبر شاید تمہاری عمر طویل ہو" یعنی اُس وقت نہ نبھ سکے گا، عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: وہی ہوا جو نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں عمر طویل کو پہنچا، "فلمّا كبرتُ وددتُ أنّي كنتُ قبلتُ رخصةَ نبيِّ الله ﷺ". ["صحيح البخاري" كتاب الصوم، باب صوم الدهر، ر: ١٩٧٦، صـ٣١٨ وباب صوم داود عليه السلام، ر: ١٩٨٠، صـ٣١٨، ٣١٩، وكتاب فضائل القرآن، باب: في كم يقرأ القرآن؟ ر: ٥٠٥٢، صـ٩٠٤. و"صحيح مسلم" كتاب الصيام، باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرّر به... إلخ، ر: ٢٧٢٩، ٢٧٣٠، ٢٧٤١، صـ٤٧٢، ٤٧٣، ٤٧٥، ٤٧٦. و"سنن النّسائي" كتاب الصيام، باب صوم يوم وإفطار يوم... إلخ، ر: ٢٣٨٨، صـ٢١٧، ٢١٨ وباب صوم خمسة أيام من الشهر، ر: ٢٣٩٨، الجزء ٤، صـ٢٢٢. و"سنن أبي داود" كتاب تفريع أبواب شهر رمضان، باب في كم يقرأ القرآن، ر: ١٣٨٨، صـ٢٠٨، وكتاب الصيام، باب في صوم الدهر تطوّعاً، ر: ٢٤٢٧، صـ٣٥٢].

=

وفي رواية: "يا ليتني أخذتُ بالرّخصة" ["صحيح مسلم" كتاب الصيام، باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرّر به... إلخ، ر: ۲۷۴۳، صـ۴۷٦] "اُس وقت مجھے تمنا ہوئی کاش! میں نے رسول اللہ ﷺ کی رُخصت قبول کرلی ہوتی"۔

اس حدیث جلیل کا حرف حرف جیسا التزام قُربات پر دلیل باہر ہے، ہر ذی علم بلکہ ہر ذی فہم پر ظاہر ہے، اوّل تو خود ہی ارشادات عالیہ میں جابجا لفظ: «کلّ» موجود کہ ہر مہینے اتنے روزے رکھو! ہر مہینے میں ایک ختم کرو! ہر بیس ۲۰ دن میں، ہر دس ۱۰ دن میں، پھر التزام کا ایسا اہتمام نہ ہوتا تو ارشاد میں بتدریج زیادت کی کیا حاجت تھی؟! اور ان الفاظ کریمہ کا کیا محصل ہوتا کہ اس سے نہ بڑھاؤ، شاید عمر طویل پاؤ؟ عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ بوڑھے ہوئے، جوانی کا زور وجوش کہاں؟! "کاش" کہہ کہہ کر تمنائیں کرتے ہیں کہ اُس وقت رُخصت مان لیتا تو کیا اچھا ہوتا! مگر جتنا ورد روزہ وتلاوت میں مقرّر فرمالیا اُس کا ترک گوارا نہیں کرتے۔

اسی التزام سے ہے شاہ عبدالرحیم والد شاہ ولی اللہ کی وہ حکایت جو اُنہوں نے "درّ الثمین" و"انتباہ" و"أنفاس العارفین" وغیرہا میں اُن سے نقل کی کہ "ایّام وفات اقدس میں کچھ کھانا حضور پُر نور ﷺ کی نیاز کا پکایا کرتے، ایک سال کچھ نہ ملا، بھنے چنوں اور گڑ پر نیاز کر دی، نہایت مقبول بارگاہ بے کس پناہ ہوئی" یہی شاہ صاحب "ہمعات" میں لکھتے ہیں: "ازین جاست حفظ اَعراسِ مشائخ، ومُواظبت زیارت قبور ایشان، والتزام فاتحہ خواندن، وصدقہ دادن برائے ایشان" نیز "انتباہ" میں ختمِ خواجگان کی ترکیب لکھ کر کہتے ہیں: "ختم تمام کنند وبر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگانِ چشت عموماً بخوانند، وحاجت از خدائے تعالی سوال نمایند، ہمیں طور ہر روز بخوانده باشند" ["الانتباہ فی سلاسلِ اولیاء اللہ" "ذکر طریقہ ختمِ خواجگان، ص۱۱۴]۔ ان اَحکام کو دیکھیے! اور شاہ صاحب کو فسادِ عقیدہ کا داعی مانیے!۔

رہی ملامتِ تارک کہ قنّوجی غایتی نے گڑھی، ترک اگر بربنائے منع وانکار ہو تو ضرور قابلِ ملامت ہے، اگر چہ فعل محض مُباح ہی ہو؛ کہ مُباح کو ممنوع بتانا شرعِ مطہّر پر تہمت اُٹھانا ہے، اور وہ سخت حرام وواجبُ الملام ہے، قال اللہ تعالی: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾، اور اگر بے منع ہو تو یا ترک اصلی ہے، یعنی سرے سے اس فعل کو کیا ہی نہیں، اس پر مانحن فیہ میں وقوعِ ملامت محض افتراء وتہمت، لاکھوں آدمی مجلسِ شریف

=

بیض باوجودیکہ قرونِ قدیمہ سے شائع، اور ہمارے عصر میں بھی صدہا ہزار ہا آدمی اُن کا التزام کرتے ہیں، رئیس المانعین کے نزدیک مکروہ ہیں؟ قولِ صاحبِ "مجالس الأبرار" مُباحثہ میں پیش کرنا، جس کی روایت ودِرایت پر مخالفین کو ہرگز اعتبار واعتماد نہیں، ایک عجیب بات ہے، اور حوالہ ابنِ قیم ظاہری کا اس سے زیادہ عجب۔

نہیں کرتے، انہیں کون برا کہتا ہے؟! اور اگر طاری ہو، یعنی کرتے ہوئے چھوڑ دینا تو ایسا ترک اُمورِ قربت میں ضرور مستحقِ ملامت ہے، اور اُسے اعتقادِ وجوب یا سنّیت سے ہرگز علاقہ نہیں۔

"صحیحَین" میں انہیں عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: «يا عبد الله! لا تكن مثل فُلان، كان يقوم اللّيل فترك قيام اللّيل» ["صحيح البخاري" كتاب التهجّد، باب ما يكره من ترك قيام اللّيل لمن كان يقومه، ر: ۱۱۵۲، صـ۱۸٤. و"صحيح مسلم" كتاب الصّيام، باب النّهي عن صوم الدّهر لمن تضرّر به... إلخ، ر: ۲۷۳۳، صـ٤٧٤]"اے عبد اللہ! فُلاں شخص کی طرح نہ ہونا، وہ رات کو اُٹھ کر کچھ نفل پڑھا کرتا تھا، پھر چھوڑ دیے"۔ امام نووی "شرح صحیح مسلم شریف" اُس تمنائے عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ کی شرح میں کہ "کاش! میں نے رُخصت قبول کرلی ہوتی" فرماتے ہیں: "معناه أنّه كبر وعجز عن المحافظة على ما التزمه ووظّفه على نفسه عند رسول الله ﷺ، فشقّ عليه فعله، ولا يمكنه تركه؛ لأنّ النّبي ﷺ قال له: «يا عبدَ الله! لا تكن مثل فُلان كان يقوم اللّيل فترك قيام اللّيل» وفي هذا الحديث وكلام ابن عمرو أنّه ينبغي الدّوام على ما صار عادة من الخير ولا يفرّط فيه" ["شرح صحيح مسلم" كتاب الصّيام، باب النّهي عن صوم الدّهر، الجزء ۸، صـ٤٣]یعنی "بڑھاپے میں اگرچہ اس ورد کا اِلتزام مشقت رکھتا تھا، مگر چھوڑنا ممکن نہ تھا؛ کہ بعد شروعِ ترک پر ملامت سن چکے تھے"۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ اُمورِ خیر پر مُداومت چاہیے، اور کبھی اُن میں کمی نہ کریں۔ امام محمود عینی "عمدۃ القاری شرح صحیحِ بخاری" [كتاب الإيمان، باب أحبّ الدّين إلى الله أدومه، تحت ر: ٤٣، ۱/ ۳۸۰] میں فرماتے ہیں: "قد ذمّ الله تعالى مَن التزم فعل البرّ ثمّ قطعه بقوله تعالى: ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ٱبْتَدَعُوهَا﴾".

گیارھواں ۱۱ مغالطہ: کہ انہیں بزرگوار نے بایں الفاظ لکھا: "افعالِ[1] مکلّفین باعتبارِ شرع دو قسم اند: مشروع وغیر مشروع، مشروع آنست کہ از ادلّہ شرع ثابت گردد، وغیرِ مشروع بخلاف آنست، وعدمِ ثبوت این عمل از ادلّہ شرع بالا مبین گردیدہ، پس غیر مشروع بود، وادنٰی غیرِ مشروع مکروہ باشد، في "خلاصة الكيداني": "غير المشروع نوعان محرَّم ومكروه""[2].

اقول: مشروعیّت عملِ مولد کی اور ثبوت اُس کا قرآن وحدیث ودیگر ادلّہ شرع سے سابق گزرا، اور مشروع کو بزورِ زبان غیرِ مشروع ٹھہرانا، اور مردود مضمون کو دوبارہ پیش کرنا، اور اُس سے[3] ـــ

(١) یہ حاشیہ دستیاب نہ ہوسکا۔

(٢) "المشروعات وغير المشروعات وأحكامها" ق١.

(٣) اس کے مابعد عبارات میسّر نا آسکیں، لہٰذا ہماری اس طباعت میں بھی رسالہ "إذاقة الأثام" یہیں پر منتہی ہوا۔

فہرست آیات قرآنیہ

آیت	پارہ	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ
سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗ	۱۰	التوبة	۵۹	۱۲۵
وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ	۱۰	التوبة	۶۲	۱۲۴
اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ	۱۰	التوبة	۷۴	۱۲۵
كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ	۱۰	التوبة	۹۰	۱۲۳
اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ	۱۰	التوبة	۹۱	۱۲۴
لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ	۱۱	التوبة	۱۲۸	۹۳
قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا	۱۱	يونس	۵۸	۹۶
وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ	۱۳	إبراهيم	۵	۹۴
لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ	۱۳	إبراهيم	۷	۱۱۳
لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	۱۴	النحل	۱۱۶	۲۲۲
سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا	۱۵	الإسراء	۱	۱۲۰
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا	۱۵	الكهف	۱	۱۲۰
اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ	۱۶	طه	۱۴	۱۲۱
فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ	۱۷	الأنبياء	۶۱	۲۵۲

آیت	پارہ	سورہ	آیت نمبر	صفحہ
مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى	٢٨	الحشر	٧	١٢٣
يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ	٢٨	الحشر	٨	١٢٤
وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ	٢٨	الصف	٨	١٩٣
وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ	٣٠	الضحى	١١	٩٤
وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ	٣٠	ألم نشرح	٤	١٣١
اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ	٣٠	الكوثر	١	١٩١

فہرستِ احادیث وآثار

ماخذومراجع

مخطوطات

١. البدع، ابن وضّاح (ت٢٨٦هـ).
٢. تحفة الأخيار على الدرّ المختار، إبراهيم الحلبي (ت١١٩٠هـ).
٣. تنوير البصائر على الأشباه والنظائر، شرف الدّين الغزّي (ت١٠٣٠هـ).
٤. جواهر الأخلاطي، إبراهيم الأخلاطي.
٥. حُسن التنبّه لما ورد في التشبّه، نجم الدين الغَزّي (ت١٠٦١هـ).
٦. حلبة المجلّي شرح منية المصلّي، ابن أمير حاج (ت٨٧٩هـ)، مجلدَين.
٧. خزانة الفتاوى، أحمد بن محمد بن أبي بكر (ت٥٢٢هـ).
٨. الخير الجاري، محمد يعقوب اللاهوري (ت١٠٩٨هـ).
٩. الذخيرة البرهانية، محمود البخاري (ت٦١٦هـ)، أربع مجلّدات.
١٠. شرح الجامع الصغير، قاضي خانْ (ت٥٩٢هـ)، مجلّدين.
١١. شرح الطحاوي، محمد بن أحمد الإسبيجابي (ت في أواخر القرن السادس).
١٢. الفتاوى الظهيرية، ظهير الدّين البخاري (ت٦١٩هـ)،.
١٣. القول الجميل في بيان سواء السبيل، الشّاه ولي الله (ت١١٧٦هـ).
١٤. الكافي شرح الوافي، النَّسَفي (ت٧١٠هـ).
١٥. المجتبى شرح مختصر القدوري، نجم الدّين الزاهدي (ت٦٥٨هـ).
١٦. المحيط الرضوي، السرخسي (ت٤٨٣هـ).
١٧. مسلّم الثبوت، محبّ الله البهاري (ت١١١٩هـ).

١٨. المشروعات وغير المشروعات وأحكامها، لطف الله الكيداني (ت٩٠٠هـ).

١٩. منح الغفّار شرح تنوير الأبصار، التُمُرتاشي (ت١٠٠٤هـ).

٢٠. النهاية في شرح الهداية، السغناقي (ت٧١١هـ).

٢١. النقاية، صدر الشّريعة (ت٧٤٧هـ).

مطبوعات

_ الأحاديث المختارة، ضياء المقدسي (ت٦٤٣هـ)، تحقيق عبد الملك بن عبد الله بن دهيش، مكّة المكرّمة: مكتبة النهضة الحديثة ١٤١٠هـ، ط١.

_ إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام، ابن دقيق العيد (ت٧٠٢هـ)، تحقيق أحمد محمد شاكر، القاهرة: مكتبة السنّة ١٤١٤هـ، ط١.

_ إحياء علوم الدين، الغزالي (ت٥٠٥هـ)، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٠٦هـ، ط١.

_ الاختيار لتعليل المختار، الموصلي (ت٦٨٣هـ)، تحقيق عبد اللطيف محمّد عبد الرحمن، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٩هـ، ط١.

_ الأذكار من كلام سيّد الأبرار، النَّوَوي (ت٦٧٦هـ)، تحقيق محمد غسّان نصوح عزقول، جدّة: دار المنهاج ١٤٢٥هـ، ط١.

_ إرشاد السّاري لشرح صحيح البخاري، القسطلاني (ت٩٢٣هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤٢١هـ.

_ الأشباه والنظائر، ابن نجَيم (ت٩٧٠هـ)، تحقيق الدكتور محمّد مطيع الحافظ، دِمشق: دار الفكر ١٤٢٠هـ.

_ اشعۃ اللمعات فی شرح المشکاۃ، شیخ عبدالحق محدِّث دہلوی (ت ۱۰۵۲ھ)، نولکشور: مطبع نامی۔
_ اصول الرّشاد لقمع مَبانی الفساد، نقی علی خان (ت ۱۲۹۷ھ)، تحقیق محمد اسلم رضا شیوانی، کراچي: دار اَہل السنّۃ ۱۴۳۰ھ، ط۲۔
_ إكمال المعلم بفوائد مسلِم، القاضي عياض (ت٥٤٤هـ)، تحقيق الدكتور يحيى إسماعيل، المنصورة: دار الوفاء ١٤١٩هـ، ط١.
_ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، شاہ ولیّ اللہ دہلوی (ت ۱۱۷۶ھ)، لائل پور: کتب خانہ علویہ رضویہ۔
_ اَنفاس العارفین، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ت ۱۱۷۶ھ)، ملتان: اسلامی کتب خانہ۔
_ أنوار التنزيل وأسرار التأويل، البيضاوي (ت٦٨٥هـ)، تحقيق محمّد صبحي بن حسن حلاّق، بيروت: دار الرشيد ١٤٢١هـ، ط١.
_ الأنوار لأعمال الأبرار، الأردبيلي الشّافعي (ت٧٧٩هـ)، تحقيق الشيخ خلف مفضي المطلق، الكويت: دار الضياء ١٤٢٧هـ، ط١.
_ ایضاح الحق الصریح فی اَحکام المیّت والضریح، اسماعیل دہلوی (ت ۱۲۴۶ھ)، کراچي: قدیمی کتب خانہ۔
_ الباعث على إنكار البدَع والحوادث، أبو شامّة (ت٦٦٥هـ)، تحقيق عثمان أحمد عنبر، القاهرة: دار الهدى ١٣٩٨هـ، ط١.
_ البحر الرائق، ابن نجَيم المصري الحنفي (ت٩٧٠هـ)، تحقيق الشيخ زكريّا عميرات، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٨هـ، ط١.
_ بدائع الصنائع، الكاساني (ت٥٨٧هـ)، تحقيق محمد عدنان بن ياسين درويش، بشاوَر: المكتبة الحقّانية.
_ البداية والنّهاية، ابن كثير (ت٧٧٤هـ) بيروت: مكتبة المعارف.

ـ تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس، حسين بن محمد الدِّيار بكْري (ت٩٦٦هـ)، بيروت: دار صادر.

ـ تاريخ دِمشق، ابن عساكر (ت٥٧١هـ)، تحقيق علي شيري، بيروت: دار الفكر ١٤١٩هـ ط١.

ـ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، الزَّيلعي (ت٧٤٣هـ)، مصر: المطبعة الأميريّة ١٣١٥هـ ط٣.

ـ التجنيس والمزيد، المرغيناني (ت٥٩٣هـ)، تحقيق الدكتور محمد أمين المكّي، كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلاميّة ١٤٢٤هـ ط١.

ـ تحرير الأصول، ابن الهمام (ت٨٦١هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٧هـ ط١.

ـ تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار، مَولوی خُرم علی (ت۱۲۷۱ھ)، کراچي: نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب ۱۳۷۵ھ۔

ـ تحفۂ اثناعشریہ، عبدالعزیز محدّث دہلوی (ت۱۲۳۹ھ)، نَولکِشور: مطبع منشی ۱۳۱۳ھ۔

ـ الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك، ابن شاهين (ت٣٨٥هـ)، تحقيق محمد حسن محمد حسن إسماعيل، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٢٤هـ ط١.

ـ تفسیر فتح العزیز، عبدالعزیز دہلوی (ت۱۲۳۹ھ)، پشاور: قدیمی کتب خانہ وکراچي: ایچ ایم سعید کمپنی۔

ـ التفسير الكبير، فخر الدّين الرّازي (ت٦٠٦هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤١٧هـ ط٢.

ـ التقرير والتحبير في شرح التحرير، ابن أمير الحاج (ت٨٧٩هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٧هـ ط١.

_ تقویۃ الایمان، اسماعیل دہلوی (ت۱۲۴۶ھ)، کراچی: میر محمد کتب خانہ۔

_ تلخيص الحبير، ابن حجر العسقلاني (ت٨٥٢هـ)، تحقيق السيّد عبد الله هاشم اليماني المدني، المدينة المنورة ١٣٨٤هـ.

_ التلويح في كشف حقائق التنقيح، التفتازاني (ت٧٩١هـ)، تحقيق محمّد عدنان درويش، بيروت: شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم ١٤١٩هـ، ط١.

_ تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال، حافظ بخش آنولوی (ت۱۳۳۹ھ)، لکھنو: مطبع بہارستان کشمیر۔

_ التنقيح، صدر الشّريعة (ت٧٤٧هـ)، تحقيق محمد عدنان درويش، بيروت: دار الأرقم بن أبي الأرقم ١٤١٩هـ، ط١.

_ التيسير بشرح الجامع الصغير، المُناوي (ت١٠٣١هـ)، تحقيق دكتور مصطفى محمّد الذهبي، القاهرة: دار الحديث ١٤٢١هـ، ط١.

_ جامع الترمذي، محمد بن عيسى (ت٢٧٩هـ)، الرياض: دار السلام ١٤٢٠هـ، ط١.

_ جامع الرموز، القُهُستاني (ت٩٥٥هـ)، كراتشي: أيج أيم سعيد كمبني.

_ الجامع الصغير من حديث البشير النذير، السّيوطي (ت٩١١هـ)، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٢٥هـ، ط٢.

_ الجامع الصغير، محمد الشَّيباني (ت١٨٩هـ)، كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلاميّة ١٤١١هـ.

_ جزء تحفة عيد الفطر، زاهر (ت٥٣٣هـ)، تحقيق د. عبد العزيز مختار إبراهيم، الرّياض: جامعة الملك سعود ١٤٢٩هـ.

_ جواهر البيان في أسرار الأركان، علاّمہ نقی علی خان (ت۱۲۹۷ھ)، ممبئی: رضا اکیڈمی۔

ـ الجوهر المنظَّم، الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، مصر: المطبعة الخيريّة ١٣٣١هـ، ط١.

ـ حاشية الشّلبي على تبيين الحقائق، أحمد ابن الشّلبي (ت٩٤٧هـ)، (هامش تبيين الحقائق)، مصر: المطبعة الأميريّة ١٣١٥هـ، ط٣.

ـ حاشية الطحطاوي على الدرّ المختار، السيّد أحمد الطحطاوي (ت١٢٣١هـ)، مصر: دار الطباعة العامرة ١٢٦٨هـ.

ـ حاشية الكمثرى، مصر: المطبعة الميمنية.

ـ الحاوي للفتاوي، السّيوطي (ت٩١١هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٤هـ.

ـ الحديقة النديّة شرح الطريقة المحمّديّة، النابلُسي (ت١١٤٣هـ)، أولنمشدر: المطبعة العامرة ١٢٩٠هـ.

ـ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، أبو نعَيم الأصفهاني (ت٤٣٠هـ)، تحقيق مصطفى عبد القادر عطا، بيروت: دار الكتب العلميّة.

ـ خلاصة الفتاوى، طاهر بن أحمد البخاري (ت٥٤٢هـ)، پشاور: مكتبة القرآن والسنّة.

ـ الدرّ الثمين في مبشّرات النّبي الأمين، الشّاهْ ولي الله الدهلوي (ت١١٧٦هـ)، کراچي: میر محمد کتب خانہ۔

ـ دُرر الحكّام في شرح غُرر الأحكام، مُنلا خُسرو (ت٨٨٥هـ)، إستانبول.

ـ الدرر السنيّة في الردّ على الوهابيّة، أحمد بن زَيني دَحلان (ت١٣٠٤هـ)، الكحكيين: إدارة محمّد أفندي مصطفى ١٢٩٩هـ.

_ الدرّ المختار شرح تنوير الأبصار، الحصكفي (ت١٠٨٨هـ)، تحقيق الدكتور حسام الدّين فَرفور، دِمشق: دار الثقافة والتراث ١٤٢١هـ ط١، وبيروت: دار إحياء التراث العربي.

_ دلائل الخيرات، الجزولي (ت٨٧٠هـ)، كلكته: مطبع قيومي كتب خانه ١٣٥٧هـ.

_ دلائل النبوّة، أبو نعَيم الأصبهاني (ت٤٣٠هـ)، تحقيق محمد روّاس قلعه جي، بيروت: دار النفائس ١٤٠٦هـ ط٢.

_ ردّ المحتار على الدرّ المختار، ابن عابدين (ت١٢٥٢هـ)، تحقيق الدكتور حسام الدين بن محمّد صالح فرفور، دِمشق: دار الثقافة والتراث ١٤٢١هـ ط١، وبولاق: دار الطباعة المصرية.

_ رمز الحقائق شرح كنز الدقائق، العيني (ت٨٥٥هـ)، ممبائي: المطبع الحيدري ١٢٨٨هـ.

_ زهر الربى على المجتبى، السيوطي (ت٩١١هـ)، (طبع مع سنن النَّسائي)، بيروت: دار الفكر ١٤٢٥هـ.

_ سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، محمد بن يوسف الشّامي (ت٩٤٢هـ)، تحقيق الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٤هـ ط١.

_ سُرور القلوب بذکر المحبوب، نقی علی خان (ت۱۲۹۷ھ)، لاہور: شبیر برادرز ۱۴۰۵ھ، ط۳۔

_ السنن، الدارمي (ت٢٥٥هـ)، تحقيق فواز أحمد زمرلي، بيروت: دار الكتاب العربي ١٤٠٧هـ ط١.

_ سنن أبي داود، سليمان بن الأشعَث (ت٢٧٥هـ)، الرياض: دار السّلام ١٤٢٠هـ ط١.

_ السنن الكبرى، البَيهقي (ت٤٥٨هـ)، بيروت: دار الفكر.

ـ السنن الكبرى، النَسائي (ت٣٠٣هـ)، تحقيق د. عبد الغفّار سليمان البنداري، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١١هـ ط١.

ـ سنن ابن ماجه، محمد بن يزيد (ت٢٧٥هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢١هـ ط١.

ـ سنن النَّسائي، أحمد بن شعيب (ت٣٠٣هـ)، تحقيق صدقي جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤٢٥هـ.

ـ شرح السنّة، البَغوي (ت٥١٦هـ)، تحقيق سعيد اللحّام، بيروت: دار الفكر ١٤١٩هـ.

ـ شرح صراط المستقیم = شرح سفر السعادۃ، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (ت۱۰۵۲ھ)، سکھر: مکتبہ نوریہ رضویہ ۱۳۹۸ھ۔

ـ شرح عين العلم، علي القاري (ت١٠١٤هـ)، بيروت: دار المعرفة.

ـ شرح معاني الآثار، الطحاوي (ت٣٢١هـ)، تحقيق إبراهيم شمس الدين، بيروت: دار الكتب العلمية١٤٢٢هـ ط١.

ـ شرح المقاصد، التفتازاني (ت٧٩٣هـ)، تحقيق الدكتور عبد الرحمن عميرة، منشورات الشريف الرضي ١٤٠٩هـ ط١.

ـ شرح المنية الصغير، إبراهيم الحلَبي (ت٩٥٦هـ)، استانبول.

ـ شرح المواهب اللّدُنية، الزرقاني (ت١١٢٢هـ)، تحقيق محمد عبد العزيز الخالدي، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٧هـ ط١.

ـ شرح النُقاية، البِرجَندي (ت٩٣٢هـ)، لكنؤ: نَوَلْكِشور.

_ شرح الوقاية، صدر الشّريعة (ت٧٤٧هـ)، پشاور: مكتبة علوم إسلامية.
_ شُعب الإيمان، البَيهقي (ت٤٥٨هـ)، تحقيق حمدي الدمرداش محمّد العدل، بيروت: دار الفكر ١٤٢٤هـ ط١.
_ الشفا بتعريف حقوق المصطفى، قاضي عياض (ت٥٤٤هـ)، تحقيق عبد السلام محمد أمين، بيروت: دار الكتب العلمية١٤٢٢هـ ط٢.
_ صحيح ابن حِبّان، أبو حاتم محمد بن حِبّان (ت٣٥٤هـ)، بيروت: بيت الأفكار الدوليّة ٢٠٠٤م.
_ صحيح ابن خزَيمة، أبو بكر محمد بن إسحاق (ت٣١١هـ)، تحقيق الدكتور محمّد مصطفى الأعظمي، بيروت: المكتب الإسلامي ١٤٢٤هـ ط٢.
_ صحيح البخاري، محمد بن إسماعيل (ت٢٥٦هـ)، الرياض: دار السّلام ١٤١٩هـ ط٢.
_ صحيح مسلم، مسلم بن الحجّاج (ت٢٦١هـ)، الرياض: دار السّلام ١٤١٩هـ ط١.
ـ صراط مستقیم، اسماعیل دہلوی (ت۱۲۴۶ھ)، لکھنؤ: فخر المطابع ۱۳۱۲ھ۔
_ الصمت، ابن أبي الدّنيا (ت٢٨١هـ)، تحقيق أبو إسحاق الحويني، بيروت: دار الكتاب العربي ١٤١٠هـ ط١.
_ الضعفاء الكبير، العقَيلي (ت٣٢٢هـ)، تحقيق الدكتور عبد المعطي أمين قَلعجي، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٠٤هـ ط١.
_ الطريقة المحمّديّة، البركلي (ت٩٨١هـ)، ممبائي: شرف الدّين الكتبي وأولاده.
_ عرف التعريف بالمولد الشّريف، ابن الجزري (ت٨٢٣هـ)، تحقيق: محمد أبو الخير الملقي، بيروت: دار الحديث الكتانية ١٤٣١هـ.

_ العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، ابن عابدين الشامي (ت١٢٥٢هـ)، مصر: المطبعة الميمنية ١٣١٠هـ.

_ علاّمہ مولانا نقی علی خاں حیات اور علمی وادبی کارنامے، ڈاکٹر محمد حسن، کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹر نیشنل ۱۴۲۶ھ۔

_ عمدة القاري شرح صحيح البخاري، العيني (ت٨٥٥هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٨هـ، ط١.

_ العناية شرح الهداية، البابرتي (ت٧٨٦هـ)، (هامش فتح القدير) بيروت: دار إحياء التراث العربي.

_ عين العلم وزين الحلم، محمد بن عثمان البلخي (ت٨٣٠هـ)، (مطبوع مع شرحه)، بيروت: دار المعرفة.

_ غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، الحمَوي (ت١٠٩٨هـ)، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٠٥هـ، ط١.

_ غنية ذوي الأحكام في بغية درر الحكّام، الشُّرُنبُلالي (ت١٠٦٩هـ)، (هامش درر الحكّام)، إستانبول.

_ الغنية لطالبي طريق الحقّ عزّ وجل، عبد القادر الجيلاني (ت٥٦١هـ)، تحقيق أبو عبد الرحمن صلاح بن محمد بن عويضة، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٧هـ، ط١.

_ غنية المتملّي في شرح منية المصلّي، إبراهيم الحلَبي (ت٩٥٦هـ)، لاهور: سهيل أكادمي.

_ الفتاوى البزّازية، الكَردري (ت٨٢٧هـ)، (هامش الهندية) بشاور: المكتبة الحقانية.

_ الفتاوى الخانية، قاضي خانْ (ت٥٩٢هـ)، بشاور: المكتبة الحقانية.

_ الفتاوى الكبرى الفقهيّة، ابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، تحقيق عبد اللطيف عبد الرّحمن، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٧هـ، ط١.

_ الفتاوى الهندية، الشيخ نظام (ت١١٦١هـ) وجماعة من علماء الهند الأعلام، بشاور: المكتبة الحقّانية.

_ فتح الباري بشرح صحيح البخاري، العسقلاني (ت٨٥٢هـ)، القاهرة: دار الحديث ١٤٢٤هـ.

_ فتح القدير للعاجز الفقير، ابن الهمام (ت٨٦١هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي.

_ فتح الله المعين على شرح العلاّمة مُنلا مسكين، أبو السعود (ت١١٧٢هـ)، مصر: جمعيّة المعارف المصريّة ١٢٨٧هـ.

_ الفتح المبين بشرح الأربعين، ابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، مصر: دار إحياء الكتب العربيّة.

_ الفردوس بمأثور الخطاب، الديلمي (ت٥٠٩هـ)، تحقيق السعيد بن بسيوني زغلول، بيروت: دار الكتب العلمية ١٩٨٦م، ط١.

_ فيوض الحرمين، شاه ولي الله المحدّث الدهلوي (ت١١٧٦هـ)، دهلي: المطبع الأحمدي ١٣٠٨هـ.

_ القواعد الكبرى، عز الدين بن عبد السّلام (ت٦٦٠هـ)، تحقيق الدكتور عثمان جمعة ضميريّة، دِمشق: دار القلم ١٤٢١هـ، ط١.

_ كتاب التحقيق، عبد العزيز البخاري (ت٧٣٠هـ)، كراتشي: مير محمد كتب خانه.

_ كتاب التوبة، ابن أبي الدّنيا (ت٢٨١هـ)، تحقيق مجدي السيّد إبراهيم، القاهرة: مكتبة القرآن.

_ كتاب المجروحين من المحدّثين والضعفاء والمتروكين، ابن حِبّان (ت٣٥٤هـ)، تحقيق محمود إبراهيم زايد، بيروت: دار المعرفة ١٤١٢هـ.

_ كشف الخفاء ومُزيل الإلباس، العجلوني (ت١١٦٢هـ)، تحقيق الشيخ يوسف بن محمود الحاج أحمد، دِمشق: مكتبة العلم الحديث ١٤٢١هـ، ط١.

_ كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، حاجي خليفة (ت١٠٦٧هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٩هـ.

_ كنز العمّال في سنن الأقوال والأفعال، المتّقي الهندي (ت٩٧٥هـ)، تحقيق محمود عمر الدمياطي، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٢٤هـ.

_ لواقح الأنوار في طبقات الأخيار، الشَّعراني (ت٩٧٣هـ)، بيروت: دار الفكر.

_ ما ثبت من السُنّة في أيّام السَنة، الشيخ عبد الحقّ المحدّث الدهلوي (ت١٠٥٢هـ)، لاهور: إدارهٔ نعيميه رضويه، ط٢.

_ مأة مسائل، اسحاق بن محمد افضل (ت ١٢٦٢ھ)، کراچی: قریشی آرٹ پرنٹنگ پریس ١٤٢٣ھ، ط١۔

_ المبين المعين لفهم الأربعين، القاري (ت١٠١٤هـ)، مصر: المطبعة الجمالية ١٣٢٨هـ ط١.

_ مجمع الأنهُر، داماد أفندي (ت١٠٧٨هـ)، تحقيق خليل عمران المنصور، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٩هـ، ط١.

_ مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار، الفَتني (ت٩٨٦هـ)، المدينة المنوّرة: مكتبة دار الإيمان ١٤١٥هـ، ط٣.

_ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، الهيثمي (ت٨٠٧هـ)، تحقيق محمد عبد القادر أحمد عطا، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٢٢هـ، ط١.

_ المحلّى، ابن حزم (ت٤٥٦هـ)، بيروت: دار الآفاق الجديدة.

_ المحيط البرهاني، برهان الدّين (ت ٦١٦هـ)، تحقيق الشيخ أحمد عزّو عناية، بيروت: دار إحياء التراث العربي١٤٢٤هـ.

_ مدارج النبوّت، شیخ عبد الحق محدّث دہلوی (ت۱۰۵۲ھ)، لاہور: نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی ۱۹۹۷م، ط مع

_ مدارك التنزيل وحقائق التأويل، النَّسفي (ت٧١٠هـ)، تحقيق الشيخ زكريّا عميرات، پشاور: مكتبة القرآن والسنّة.

_ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، القاري (ت١٠١٤هـ)، تحقيق صدقي محمد جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤١٢هـ.

_ المستدرَك على الصحيحَين، الحاكم (ت٤٠٥هـ)، تحقيق حمدي الدمرداش محمد، مكّة المكرّمة: مكتبة نزار مصطفى الباز ١٤٢٠هـ، ط١.

_ المسلك المتقسّط في المنسك المتوسّط، القاري (ت١٠١٤هـ)، كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلاميّة ١٤٢٥هـ، ط٢.

_ المسند، أحمد بن حنبل (ت٢٤١هـ)، تحقيق صدقي محمد جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤١٤هـ، ط٢.

_ مسند البزّار، أبو بكر أحمد بن عمرو (ت٢٩٢هـ)، تحقيق د. محفوظ الرحمن زين الله، بيروت: مؤسّسة علوم القرآن ١٤٠٩هـ، ط١.

_ مسند أبي داود الطيالسي، سليمان بن داود (ت٢٠٤هـ)، بيروت: دار المعرفة.

ـ مسند الإمام الشافعي، محمد بن إدريس (ت٢٠٤هـ)، تحقيق حياة مسيحا اللاوقي، بيروت: دار الفكر ١٤١٧هـ، ط١.

ـ مسند أبي يعلى، أحمد بن علي المُوصلي (ت٣٠٧هـ)، تحقيق ظهير الدين عبد الرحمن، بيروت: دار الفكر ١٤٢٢هـ، ط١.

ـ مشكاة المصابيح، الخطيب التبريزي (ت٧٤٩هـ)، تحقيق سعيد محمد اللحام، بيروت: دار الفكر ١٤١١هـ، ط١.

ـ مصباح الأنام وجلاء الظلام في ردّ شبه البدعي النَجدي التي أضلّ بها العوام، علوي بن أحمد (ت١٢٣٢هـ)، مصر: المطبعة العامرة ١٣٢٥هـ.

ـ المصنَّف، ابن أبي شَيبة (ت٢٣٥هـ)، تحقيق كمال يوسف الحوت، الرياض: مكتبة الرشد ١٤٠٩هـ، ط١.

ـ المصنّف، عبد الرزاق الصَنعاني (ت٢١١هـ)، تحقيق حبيب الرحمن الأعظمي، بيروت: المكتب الإسلامي ١٤٠٣هـ، ط٢.

ـ المطوَّل، التفتازاني (ت٧٩٣هـ)، سنده: أولنمشدر ١٣١٠هـ.

ـ مظاہرِ حق، قطب الدین خان دہلوی (ت۱۲۸۹ھ)، کراچی: دار الاشاعت ۲۰۰۹م۔

ـ معالم التنزيل، البغَوي (ت٥١٦هـ)، تحقيق خالد عبد الرحمن العك، بيروت: دار المعرفة ١٤٢٣هـ، ط٥.

ـ المعجم الأوسط، الطبراني (ت٣٦٠هـ)، تحقيق محمد حسن محمد حسن إسماعيل الشافعي، بيروت: دار الفكر ١٤٢٠هـ، ط١.

_ المعجم الصغير، الطبراني (ت٣٦٠هـ)، تحقيق عبد الرحمن محمد عثمان، بيروت: دار الفكر ١٤١٨هـ، ط١.
_ المعجم الكبير، الطبَراني (ت٣٦٠هـ)، تحقيق حمدي عبد المجيد السلفي، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢٢هـ، ط٢.
_ مطالع المسرّات بجلاء دلائل الخيرات، الفاسي (ت١٠٥٢هـ)، مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي ١٣٨٩هـ.
_ المعلم بفوائد مسلم، المازري (ت٥٣٦هـ)، تحقيق محمد الشّاذلي النيفر، بيروت: دار الغرب الإسلامي ١٩٩٢م، ط٢.
_ مفتاح الفلاح في ذكر الله الكريم الفتّاح، ابن عطاء الله الإسكندراني (ت٧٠٩هـ)، تحقيق محمد عبد السّلام إبراهيم، بيروت: دار الكتب العلميّة.
_ مکتوبات شریف امام ربانی، مجدد الف ثانی (ت۱۰۳۴ھ)، کوئٹہ: مکتبۃ القدس۔
_ الملفوظ، مفتئ اعظم ہند (ت۱۴۰۲ھ)، ممبئی: رضا اکیڈمی ۱۴۲۷ھ، ط۲۔
_ المنهاج لشرح صحيح مسلم بن الحجاج، النَّوَوي (ت٦٧٦هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي، ط٤.
_ منية المصلّي وغنية المبتدئ، الكاشغري (ت٧٠٥هـ)، كوئته: المكتبة الحبيبية.
_ المواهب اللدنيّة بالمنح المحمّديّة، القسطلاني (ت٩٢٣هـ)، تحقيق صالح أحمد الشامي، بيروت: المكتب الإسلامي ١٤٢٥هـ، ط٢.
_ المورد الروي في مولِد النّبوي، القاري (ت١٠١٤هـ)، (مطبوع مع مجموعة رسائله)، بشاور: دار الكتب ١٤٣٧هـ، ط١.

ـ الموضوعات الكبرى، القاري (ت١٠١٤هـ)، تحقيق أبو هاجر محمّد السعيد بن بسيوني زغلول، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٤هـ.

ـ موطّأ الإمام محمد، محمد بن الحسن (ت١٨٩هـ)، مباركفور: مجلس البركات.

ـ نسيم الرياض، الخفاجي (ت١٠٦٩هـ)، تحقيق محمد عبد القادر عطا، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٢١هـ، ط١.

ـ نصب الراية تخريج أحاديث الهداية، جمال الدين الزَّيلعي (ت٧٦٢هـ)، تحقيق أحمد شمس الدين، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٦هـ، ط١.

ـ نوادر الأصول في معرفة أحاديث الرسول، الحكيم الترمذي (ت٣١٨هـ)، تحقيق عبد الحميد محمد الدرويش، دمشق ١٤٢٥هـ، ط١.

ـ النهر الفائق، عمر بن إبراهيم ابن نجَيم (ت١٠٠٥هـ)، تحقيق أحمد عزو عناية، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٢٢هـ، ط١.

ـ وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزّمان، ابن خلّكان (ت٦٨١هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤١٧هـ، ط١.

ـ الهداية شرح بداية المبتدئ، المرغيناني (ت٥٩٣هـ)، تحقيق محمد عدنان درويش، بيروت: شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم.